بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ نعتیہ

اے سرور دوکون شہنشاہ ذوالکرم
سرخیل مرسلین و شفاعت گرام

موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق
مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم

رنگ ظہور سے ترے گلشن ر خ حدوث
نور وجود سے ترے روشن دل قدم

ہوتا کبھی نہ قالب آدم میں نفخ روح
بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم

کرتا تھ جس سے مردہ کو زندہ دم مسیح
تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علاشیم

ٹوٹا جو کفر قوت اسلام سے ترے
صد جائے سے شکست ہے زنار سوج یم

تو تھا سریراوج رسالت پہ جلوہ گر
آدم جہاں ہنوز تھی پردہ عدم

کرتا تھا تیرے اسم مبارک کو دل پہ نقش
اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا ورم

اے معدن کرم تری ہمت کے روبرو
کمتر ہے سنگریزہ سے قدر نگین جم

جو کچھ سوائے عرش وہ سب اس کے سایہ میں
تیرے ہوا ہے جاہ کا برپا جہان علم

صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں
رکھتا سرمیں نہ اگر اپنا تو قدم

محروم تیرے دست مبارک سے رہ گیا
کیونکر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم

عالم کو تیرا نور وا باعث ظہورا
آدم ترے ظہور سے ہے مظہر اتم

ہیں زائران روضہ اقدس ترے جہاں
آتا ہے پائے بوس کو واں روضہ ارم

واللیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا
والشمس ہے ترے رخ پرنور کی قسم

انصاف تیرا دیوے جو داد ستم کشاں
ہدان سکین اہ کشاں ہو سر ستم

قرآں میں جبکہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا
کیا تاب پھر قلم کی جو کچھ کر سکے رقم

تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض
صدقے میں اپنی آل کے اے شاہ محتشم

صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر
آئینہ ضمیر سے میرے غبار غم

پہنچا نہ آستان مقدس کو تیرے میں
اس غم سے مثل چشمہ ہوئی میری چشم نم

پر خاک آستاں کو تری اپنی چشم میں ا
کرتا ہس و سرمہ سیل تصور سے دم بدم

آغاز غزلیات

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا
اس جا پہ بے زباں ہے دہن قال و قیل کا

پانی میں اس نے راہبری کی کلیم کی
آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا

اس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا
لشکر تباہ کعبہ پہ اصحاب فیل کا

پیدا کیا وہ اس نے بشر عوج بن عنق
پلی جس کی ساق پا سے بنا رود نیل کا

پھرتا ہے اس کے حکم سے گردوں یہ رات دن
چلتا ہے یاں عمل کوئی جر ثقیل کا

بلوایا اپنے دوست کو اس نے وہاں جہاں
مقدور پر زدن نہ ہوا جبرئیل کا

کیا پائے کنہ ذات کو اس کی کوئی ظفر
واں عقل کا نہ دخل نہ ہرگز دلیل کا

کشتہ ہوں اس کے طرہ عنبر شمیم کا
خوشبو ہے میری خاک سے دامن نسیم کا

گلشن ہو خلد کا کہ چمن ہو نعیم کا
کب دل لگے ہے تیری گلی کے مقیم کا

دولت سے عشق کی مرا ہر قطرہ سرشک
تکمہ ہے میری جیب میں در یتیم کا

تاراج یوں کیا جو مرا ملک دل تمام
مژگاں تھی تیری یا کوئی لشکر غنیم کا

ہو جائے کام نیم نگہ میں ترے تمام
اے شوخ تیرے شیفتہ دل دو نیم کا

دکھلائیں سوزش دل بیتاب ہم اگر
کانپ اٹھے شعلہ شوق سے نار جحیم کا

حیرت نہیں کہ پرتو رخسار یار سے
آئینہ ہو اگر ید بیضا کلیم کا

آتی ہیں یاد ہجر کی ہم کو اذیتیں
واعظ سے ذکر سن کے عذاب الیم کا

آنکھوں میں اپنے نور اسی سے ہے اے ظفر
یہ مردمک ہے سایہ محمدؐ کے میم کا

کسی نے اس کو سمجھایا تو ہوتا
کوئی یاں تک اسے لایا تو ہوتا

مزہ رکھتا ہے زخم خنجر عشق
کبھی اے بوالہوس کھایا تو ہوتا

نہ بھیجا تو نے لکھ کر ایک پرچہ
ہمارے دل کو پرچایا تو ہوتا

کہا عیسیٰؑ نے قم کشتے کو تیرے
کچھ اب تو نے بھی فرمایا تو ہوتا

نہ بولا ہم نے کھڑکایا بہت در
ذرا درباں کو کھڑکایا تو ہوتا

یہ نخل آہ ہوتا بید ہی کاش
نہ ہوتا گو ثمر سایا تو ہوتا

جو کچھ ہوتا سو ہوتا تو نے تقدیر
وہاں تک مجھ کو پہنچایا تو ہوتا

کیا کس جرم پر تو نے مجھے قتل
ذرا تو دل میں شرمایا تو ہوتا

کیا تھا گر مریض عشق مجھ کو
عیادت کو کبھی آیا تو ہوتا

دل اس کی زلف میں الجھا ہے کب سے
ظفر اک روز سلجھایا تو ہوتا

مژدہ اے دل کہ مرے پاس وہ یارا دے گا   خاک پا اس کی ہوں گا وہ سوار آوے گا
اس لیے صید گہ عشق میں ہم صید بنے   کہ کبھی صید فگن بہر شکار آوے گا
دیکھ اے دل تو نہ پی جام محبت کی شراب   بے مزہ ہووے گا جس وقت خمار آوے گا
دم لبوں پر ہے مرا آ جو تجھے آنا ہے   مجھ کو کیا گرچہ پس از مرگ ہزار آوے گا
تو جو آئینہ صفت غیر سے ہو جائے گا صاف   تیری جانب سے مرے دل میں غبار آوے گا
یہ یہیں تک ہے گلہ کہنا نہیں کوئی ہمیں   گنتیاں بھولیں گے جب روز شمار آوے گا

لے گیا ایک ہی بار آنے میں دل اپنا ظفر
ہو گا کیا دیکھیے جب وہ کئی بار آوے گا

یار دیرینہ ہے پر روز ہے وہ یار نیا ہر ستم اس کا نیا اس کا ہے ہر پیار نیا
نئی انداز کا ہے دام بلا طرہ یار روز ہے ایک نہ اک اس میں گرفتار نیا
تیری ہاں میں ہے نہیں اور نہیں میں ہے ہاں تیرا اقرار نیا ہے ترا انکار نیا
کیسے بیدرد دل آزار کو دل ہم نے دیا روز ہے درد نیا، روز اک آزار نیا
کیا قیامت ہے ستمگار تری طرز خرام فتنہ ہر گام پہ اٹھا دم رفتار نیا
کریں وہ کس کی دوا دیکھتے ہیں روز طبیب تیرے اس نرگس بیمار کا بیمار نیا

پھیر لے اس سے ظفر دل کا جو سودا پھر جائے
ایک موجود ہے اور اس کا خریدار نیا

نہ پوچھو دل کہاں پہنچا کسی کو کیا کہیں پہنچا   جہاں پہنچا نہ کوئی یہ وہیں پہنچا وہیں پہنچا
کہاں پہنچا ہے دیکھو ہمدم پیک خیال اپنا   کہ اب تک اس جگہ کوئی فرشتہ بھی نہیں پہنچا
زمیں لرزی تڑپنے سے ترے بسمل کے یہ قاتل   کہ آخر اس کا اک صدمہ سر گاوز میں پہنچا
نہ پہنچا تو نہ پہنچا طالب دیدار تک اپنے   تری تکتے ہی تکتے راہ وقت واپسیں پہنچا
چھپا خورشید تاباں شرم سے زیر زمیں جا کر   مری جو آہ کا شعلہ سر چرخ بریں پہنچا
مجھے ڈر ہے نہ پہنچے مہندیوں کے بوجھ سے صدمہ   کہ نازک ہے نہایت ہی ترا اے نازنیں پہنچا

ظفر دامان مژگاں سے ٹپکنا چاہیے تھا آنسو
اگر پہنچا سکے آنکھوں تلک تو آستیں پہنچا

ہاں فرو سوز دل اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا   اور گریہ سے بڑھا کم نہ ہوا پر نہ ہوا
سن کر احوال جگر سوز غریب عشق کا   ہائے افسوس تجھے غم نہ ہوا پر نہ ہوا
کشتۂ از کے افسوس جنازے پہ ذرا   چشم پر آب تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا
چارہ گر کی نہیں تقصیر بہت کی تدبیر   کارگر زخم پہ مرہم نہ ہوا پر نہ ہوا
سن کے نالوں کو مرے ہو گئے پتھر پانی   سر مژگاں کبھی ترا نم نہ ہوا پر نہ ہوا
بے مثل آ گیا دم ناک میں اپنا لیکن   یار اپنا کبھی ہمدم نہ ہوا پر نہ ہوا
میری جانب سے پڑی سخت گرہ دل میں ترے   سست پیماں ترا محکم نہ ہوا پر نہ ہوا
ہوں وہ آزاد کہ جوں سرو کسی کی خاطر   قد تعظیم مرا خم نہ ہوا پر نہ ہوا
رات ہمسایوں نے اٹھ اٹھ کے دعائیں مانگیں   سوز نالہ مرا مدھم نہ ہوا پر نہ ہوا
جہد کی صنع قدرت نے دلے تیرا سا   کسی مخلوق پہ عالم نہ ہوا پر نہ ہوا
کھل کھلا کے بھلے گلشن میں ہزاروں غنچے   دل ہمارا خوش و خرم نہ ہوا پر نہ ہوا

اے ظفر دیکھئے عقبےٰ میں ہو کیا حال اپنا
چین دنیا میں تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا

آیا نہ اگر نامہ و پیغام کسی کا   آخر ہے کوئی روز میں یاں کام کسی کا
دیں جان تو ہم غیر کو دو بوسہ ستم ہے   لے جائے کوئی اور ، ہوا نام کسی کا
اس چشم کی گردش سے ہو دل کیونکر نہ برباد   گھر چھوڑے ہے کب گردش ایام کسی کا
وہ کرتے ہیں آرام سدا غیر کے گھر میں   کیا کام انہیں جائے ہو آرام کسی کا
شب ہالہ مہ رشک سے گردوں پہ نہ نکلا   چھلا جو پڑا دیکھا لب بام کسی کا
ساقی نہ کھلا بھید کہ اوندھا ہے فلک کیوں   مدت سے ہے اوندھا ہوا بس جام کسی کا

جو ہے وہ مرے نام سے ہے عشق میں آگاہ
بدنام ظفر نہ ہو غرض نام کسی کا

ہم نے دنیا میں آ کے کیا دیکھا   دیکھا جو کچھ سو خواب سا دیکھا
ہے تو انسان خاک کا پتلا   ایک پانی کا بلبلا دیکھا
خوب دیکھا جہاں کے خوباں کو   ایک تجھ سا نہ دوسرا دیکھا
ایک دم پر ہوا نہ باندھ حباب   دم کو دم بھر میں یاں ہوا دیکھا
سامنے اس نگاہ کے دل کو   ہدف ناوک قضا دیکھا
نہ ہوئے تیری خاک پا ہم نے   خاک میں آپ کو ملا دیکھا

اب نہ دیجئے ظفر کسی کو دل
کہ جسے دیکھا بے وفا دیکھا

اٹھا دے پردہ نہیں، پردہ میں اٹھا دوں گا   طپش سے دل کی ابھی عرش تک ہلا دوں گا
نہ ہوتا عشق کا نیکش اگر خبر ہوتی   کہ ایک جام میں دونوں جہاں بھلا دوں گا
کہے ہے مجھ سے وہ قاتل کہ میرے کوچے میں   دکھا جو تو نے قدم سر ترا اڑا دوں گا
میں اس کو دیکھ کے یہ محو ہوں کہ حیران ہوں   جو کچھ وہ پوچھے گا مجھ سے جواب کیا دوں گا
اگر تو آوے گا تو جائے فرش پا انداز   میں اپنی آنکھیں ترے زیر پا بچھا دوں گا
دم خرام وہ بولا کہ ایک ٹھوکر میں   ہزار فتنہ خوابیدہ کو جگا دوں گا
جو پوچھا میں نے لب زخم تو کہے گا کیا   کہا کہ خنجر قاتل کو میں دعا دوں گا
یہ دے کے دم مجھے لایا تھا کھینچ جوش ظہور   کہ چل جہاں کا تماشا تجھے دکھا دوں گا

نہ پوچھ مجھ سے ظفر میری تو حقیقت حال
اگر کہوں گا ابھی تجھ کو میں رلا دوں گا

ڈالے ہوئے گردن جو مرا نامہ بر آیا   کچھ مطلب دل یار کا معلوم کر آیا
صورت ہے بتوں کی عجب اللہ کی قدرت   ہر جلوے میں اک اور ہی جلوہ نظر آیا
گر فکر میں ہو، راہ کے توشے کا کرو فکر   اے غافلو نزدیک ہے روز سفر آیا
باندھی ترے ہاتھوں میں جو گل غیر نے مہندی   آنکھوں میں مری دیکھ کے لو ہوا تر آیا
لوٹے گا پڑا خاک کے بستر پہ وہ تا حشر   آرام کی ٹھوکری کو جو ہستی میں دھر آیا
کیا حرف زباں پہ ترے آیا تھا کہ اے شمع   گل گیر ترے سر پہ جو منہ کھول کر آیا
کیا جانے بنی قیس پہ کیا دشت جنوں میں   جو خاک بسر آج بگولا نظر آیا
اک ہم ہی نہیں بے خبر آئے ہیں جہاں میں   جو آیا جہاں میں ہے سو وہ بے خبر آیا

میں شرم سے عصیاں کے ہوا سر بگریباں
جس وقت خیال آہ ادھر کا ظفر آیا

اس در پہ جو سر بار کے رہتا کوئی ہوتا   تو بستر راحت پہ نہ سوتا کوئی ہوتا
کس کا فلک اول و ہفتم کہ مرا اشک   اک آنکھ جھپکتے میں ڈبوتا کوئی ہوتا
یہ دل ہی تھا ناداں کہ تری زلف سے الجھا   یوں اپنے لیے خار نہ بوتا کوئی ہوتا
بلبل بھی تھی جاں باختہ پروانہ بھی جانباز   پہ میری طرح جان نہ کھوتا کوئی ہوتا
لالہ کے بھی کام آتا صبا گریہ شبنم   گر داغ جگر اشک سے دھوتا کوئی ہوتا
ہم بھی گل لخت جگر اپنے اسے دیتے   یہ پھول جو بالوں میں پروتا کوئی ہوتا

تنہائی میں اتنا تو نہ گھبراتا ظفر میں
دل گرچہ مرے پاس نہ ہوتا کوئی ہوتا

خط و رخ اس سیمبر کا ہے ایسا سفید ایسا
ورق کب ماہ انور کا ہے ایسا سفید ایسا

ڈزلف اور مانگ ہے اس کی کہ کوئی سانپ عالم میں
نہیں اس کے برابر کا ہے ایسا سفید ایسا

مرے مژگان اشک آلودہ کو دیکھو کہ برسے ہے
یہ بادل دیدہ تر کا ہے ایسا سفید ایسا

مسی زیب اس کے دنداں دیکھ حیراں ہوں کہ ہے کیونکر
یہ رنگ اس سلک گوہر کا ہے ایسا سفید ایسا

نہ دیکھوں نرگس شہلا کا گل کیونکر کہ ہے نقشہ
بعینہ چشم دلبر کا ہے ایسا سفید ایسا

خجالت کش سواد شام و نور صبح ہیں دونوں
دوشالہ ہے ترے سر کا ہے ایسا سفید ایسا

سرشک سرمہ آلود اپنا دکھلا کر وہ کہتے ہیں
کہ ہے رنگ میں اس کبوتر کا ہے ایسا سفید ایسا

نہ ہوویں سوسن و نسریں خجل کیونکر کہ ہے زیبا
لباس اس ماہ پیکر کا ہے ایسا سفید ایسا

ظفر ہیں نیلم و الماس پتھر ایک صانع نے
کیا ہے رنگ پتھر کا ہے ایسا سفید ایسا

ترا گر ناخن پا تیرا مائل ہو کے پی جاتا
تو اس کے ہاتھ پاؤں ل کے کاٹ ہو کے پی جاتا

نہ آتا ہاتھ خوں میرا اگر اس تشنہ خوں کے
تو اپنی تیغ پرخون کو وہ قاتل ہو کے پی جاتا

اگلتا زہر پھر کیا کیا وہ تیرہ بخت سودائی
اگر کوئی ترے رخسار کا تل ہو کے پی جاتا

اگر ہو سکتا عالم میں حصول علم بے محنت
تو پھر ساری کتابیں ایک جاہل ہو کے پی جاتا

اٹھا سکتا جو مجنوں نقش پائے ناقہ لیلی
تو جوں تعویذ ہول دل وہ بیدل ہو کے پی جاتا

حلاوت یاد کر کر تیری آب تیغ کی قاتل
بدن کے زخم اپنے آپ گھائل ہو کے پی جاتا

ظفر بے شغل ہی ہو جانا سب کچھ منکشف اس پر
در فخر جہاں گر کوئی شاغل ہو کے پی جاتا

اپنی جانب کو جسے تو نے لبھایا ہو گا
کوئی اور اس کو سوا تیرے نہ بھایا ہو گا

در فلک جس کو رسائی ترے ہو گی اس نے
سنگ در چوم کے آنکھوں سے لگایا ہو گا

دے گا وہ حرص و ہوس کو نہ کبھی دل میں جگہ
دل میں جس شخص کے تو آپ سمایا ہو گا

منہ تھا کیا ماہ کا کوٹھے پہ ترے منہ چڑھتا
مہر پرنور نے بھی منہ نہ دکھایا ہو گا

درد سر تم جو بتاتے ہو نصیب اعدا
درد دل آپ کو عاشق نے سنایا ہو گا

درپئے قتل نہیں میرے وہ قاتل اے دل
تیغ ابرو کو جو کھینچا تو ڈرایا ہو گا

بے خطا تو نہیں ہوتے ہیں ظفر وہ برہم
زلف کو ہاتھ کہیں تو نے لگایا ہو گا

زلف میں بل اور کاکل پرخم پیچ کے اوپر پیچ پڑا
وہ ہوئی سرکش یہ ہوئی برہم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

دل کو ہے پیچ و تاب الم سے دور جگر پیچیدہ دم سے
دیکھ تو کیسا عشق میں ہمدم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

پیچ سے وہ کرتا ہے یاری باتیں اس کی پیچ کی ساری
نکلیں اس کے پیچ سے کیا ہم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

دل تو کمند غم میں پھنسا ہے جان اسیر دام بلا ہے
عشق کے ہاتھوں ناک میں ہے دم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

یار نے جب پگڑی پیچ کج کر باندھا پھر سر پیچ کو سر پر
ہو گیا اپنا اور ہی عالم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

دونوں طرف کو تا زلف کے کھینچتے ہیں دل دونوں طرف سے
خوب پتنگوں میں ہے باہم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

موت نے آ کر ڈھونڈا جب خم بھول گیا تو کشتی اس دم
یوں تو بڑا تھا سب پر رستم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

زلف نے کھل کر پیچ پہ مارے پیچ میں لائے دل کو ہمارے
چوٹی کھلی تو اور بھی اس دم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

جبکہ فتح پیچ اس نے سر پہ گوندھ کے باندھا جوڑا کافر
دل نے جانا آج مسلم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

عشق ظفر ہے گورک دھندا اس کے کھولے پیچ کوئی کیا
ایک کھلا تو دوسرا محکم پیچ کے اوپر پیچ پڑا

اشک کا قطرہ فقط کیا صاف گوہر سا بنا
بلکہ لخت دل بھی ہے یاقوت احمر سا بنا

صبحدم گلشن میں آیا میکشی کو کیا وہ گل
ہر گل لالہ جو ہے یکدست ساغر سا بنا

گل سے بھی نازک بدن اس کا ہے لیکن دوستو
یہ غضب کیا ہے کہ دل پہلو میں پتھر سا بنا

دشت میں بھی تیرے مجنوں کی مگر تدبیر ہے
خار وادی جنوں جو تیر و نشتر سا بنا

کیا گریباں ہے بنا اس ماہ کا ہیکل ہلال
بلکہ تکمہ بھی گریباں کا ہے اختر سا بنا

در پہ اس پردہ نشیں کے آہ وقت انتظار
چشم کا حلقہ ہمارے حلقہ در سا بنا

کیا عجب حال سویدا گر جلے مثل سپند
سوزش الفت سے دل اپنا ہے مجمر سا بنا

عشق نے کیا جانیے کیا دل میں بھڑکائی ہے آگ
اب جو سینے میں مرے ہر داغ اخگر سا بنا

اے ظفر منظور تھا اس چشم کو عاشق کا قتل
اس لیے ہر موئے مژگاں اس کا خنجر سا بنا

مشہ نظر آوے نہ کیوں کر آنکھ میں اس یار کا
آنکھ اپنی بن گئی ہے آئنہ دیدار کا

صفحہ قرآن پہ کھینچی ہے اک جدول سیاہ
مصحف رخ پر وہ سایہ زلف کے ہر تار کا

پاس ابرو کے مرصع کا رٹیکا ہے کہاں
ہے میاں قبضہ جڑاؤ یار کی تلوار کا

زخم دل کو صاف کرتا ہے خیال خط سبز
چارہ گر مرہم نہ رکھ بے فائدہ زنگار کا

گرمی مژگان تر برسائے موتی ایک بار
نام دھو ڈالے جہاں سے ابر گوہر بار کا

دیکھا جھانکا کہیں وہ مہروش شاید کہ ہے
اختر صبح قیامت روزن اس دیوار کا

محو حیرت کیوں نہ ہو وہ اے ظفر آئینہ دار
دیکھنے والا جو ہو اس آئینہ رخسار کا

غم دل کس سے کہوں کوئی بھی غمخوار نہیں   غم فرقت کے سوا
اور اگر پوچھے کوئی قابل اظہار نہیں   چپکا رہنا ہے بھلا
زلف کے پیچ سے چھٹ سکتا نہیں کوئی دل   اور یہ پیچ پہ پیچ
کون سا دل ہے کہ جو اس میں گرفتار نہیں   ہے عجب دام بلا
سینکڑوں ہیں جگر افگار ہزاروں دلریش   ترے ہاتھوں لیکن
پاس تیرے کوئی خنجر کوئی تلوار نہیں   ہاں مگر ناز و ادا
کیا تری چشم سیہ مست کی کیفیت ہے   کہ جہاں ہے بدمست
جس کو اب دیکھو وہ بیہوش ہے ہشیار نہیں   اسے بت ہوش ربا
مر مٹے خاک در یار پہ عشاق ظفر   کہ جو ہونا ہو سو ہو
اٹھ کے اب جائیں کہاں طاقت رفتار نہیں   مثل نقش کف پا

دل کا کچھ کام نہ تجھ سے بت پرفن نکلا   دوست جانا تھا تجھے، جان کا دشمن نکلا
جب تو آیا کہ مرا دم بت پرفن نکلا   نکلا ارمان تو لیکن اس پہ مردن نکلا
رات چھیڑا تھا جسے زلف سمجھ کر ہم نے   ہائے شامت کہ وہ اک افعی رہزن نکلا
نام سے کام نکلتا نہیں بے جوہر اصل   گل سے عارض کے نہ ہرگز کبھی روغن نکلا
خون عاشق کا ہے گلگو نہ ترے عارض کا   قتل ہونے سے ہمارے ترا جوبن نکلا
چارہ گر بھر نہ سکے میرے جگر کے ناسور   ایک گر بند کیا دوسرا روزن نکلا

اے ظفر نالہ دل نے مرے کچھ کی تاثیر
گھر سے گھبرا کے جو وہ غیرت گلشن نکلا

سر فلک دست ستم جونہی ترا قاتل بڑھا   خون جسم ناتواں جل جل گھٹا، جل جل بڑھا
مت گھٹا دل کو مرے بوسہ مجھے چپکے سے دے   حصہ کو تہ کر نہ اتنی بات اے جاہل بڑھا
ہر بھنور عکس رخ روشن سے بن جاوے قمر   مہ جبیں منہ کو ذرا اپنے لب ساحل بڑھا
دل کو تو کر اپنے دولت سے قناعت کی غنی   بس بہت دست ہوس اپنا نہ اے غافل بڑھا
وادی مجنوں کی اے لیلی ہے کیا دلکش زمیں   اک قدم ہرگز نہ آگے ناقہ محمل بڑھا
کوئی دم ہے بحر ہستی میں ابھی تو اے حباب   جس دم کی بڑھ سکے کثرت تو جوں شاغل بڑھا
جب ہوئی تجھ کو شباہت اس رخ پر نور سے   مرتبہ پھر اور بھی تیرا مہ کامل بڑھا
غنچۂ گل دیکھ کر اس رشک گل کے ہاتھ میں   دل جو اپنا سمجھے ہم کیا کیا ہمارا دل بڑھا

جامہ فانوس میں کیا کیا جلی غیرت سے شمع
ہے جو پوشاک اے ظفر وہ رونق محفل بڑھا

زلف کے سائے تلے وہ رخ اگر چھپ گا
رات کے پردے میں پھر روئے سحر چھپ جائے گا

خواب غفلت سے تری جس وقت کھل جائے گی آنکھ
ہے جو کچھ آنکھوں کے آگے جلوہ گر چھپ جائے گا

دیکھنے کو ہم گئے تھے آج اس کو بے خبر
کیا خبر تھی یہ کہ ہم کو دیکھ کر چھپ جائے گا

ڈال مت اشکوں کا پردہ دیکھ تو پیش نظر
یار عین وصل میں اے چشم تر چھپ جائے گا

ناک میں ہیں آج سارے غمزہ و انداز و ناز
ان نظر بازوں سے دل بچ کر کدھر چھپ جائے گا

اپنی ہستی پر نہ پھس اتنا کہ ہستی ہے فنا
دیکھ جھپتے جھپتے عی تو اے شرر چھپ جائے گا

اور چمکے گا زیادہ شعلہ سوز دروں
زیر پنبہ کیا مرا داغ جگر چھپ جائے گا

زندگی جب تک ہے کوئی عیب دیکھے یا ہنر
ورنہ زیر خاک سب عیب و ہنر چھپ جائے گا

عشق مہوش میں ظفر کھینچوں گا میں شب کو جو آہ
درد دل کا بن کے اک بادل قمر چھپ جائے گا

نہ ہوس سیر چشم چمن کی نہ گل تر کی ہوا
سر عاشق میں ہے اس سرو سمن بر کی ہوا

کیا کہا آ کے صبا نے کہ جو مانند حباب
ہو گئی جان ترے عاشق مضطر کی ہوا

تیرے عاشق کو ترے تیغ ادا ہووے نصیب
اے ستمگار لگے اس کو نہ خنجر کی ہوا

زاہدا تجھ کو مبارک ہو ہوائے جنت
ہم سلامت رہیں اور کوچہ دلبر کی ہوا

خانہ چشم میں اک لحظہ نہ ٹھہرا آنسو
لگ گئی جیسے کہ اس طفل کو باہر کی ہوا

سنبلستاں میں سر شام ہوئی مشک فشاں
لے کے خوشبو ترے گیسوئے معنبر کی ہوا

دل کو راحت ہو جلے گر مژہ اشک آلود
ہے علاج خفقاں بال کبوتر کی ہوا

جھومتی آتی ہے کیا شکل سیہ مست گھٹا
ساقیا آج تو ہے شیشہ و ساغر کی ہوا

داغ سوزاں کو بجھاوے نہ دم سرد ظفر
کہ یہ دشمن ہے چراغ دل مضطر کی ہوا

جسم لاغر تیرے سودائی کا اب ایسا ہوا
عکس چشم مور جولاں پاؤں میں ڈھیلا ہوا

دود دل سے تفتہ جانوں کے ترے اے رشک ماہ
یک فلک اب اور زیر نہ فلک پیدا ہوا

کان پر ہے زلف اس کی اب سرکتی کیوں نہیں
یا کہیں یہ سانپ اس بانبی سے ہے کیلا ہوا

اور پری کی بائیں پسلی پر جو دیکھا میں نے خال
وہ مرے تعویذ ہول دل کا اک نقطہ ہوا

تو ہے اے دل ناتواں دیکھ آہ کو مت چھوڑنا
یہ عصا تیرے لیے ہنگام پیری کا ہوا

اف ترے کشتہ کا سوز دل کہ ظالم سنگ بھی
گور پر اس کے رہا محشر تلک جلتا ہوا

اے ظفر انجم نہیں ہیں میرے تیر آہ سے
ہے مشبک سر بسر یہ گنبد مینا ہوا

وہ بے حجاب جو کل پی کے یاں شراب آیا
اگرچہ مست تھا میں پر مجھے حجاب آیا

ادھر خیال مرے دل میں زلف کا گزرا
ادھر وہ کھاتا ہوا دل میں پیچ تاب آیا

خیال کس کا سمایا ہے دیدہ و دل میں
نہ دن کو چین مجھے اور نہ شب کو خواب آیا

تمہارے نقش کف پا کا بوسہ لینے کو
زمیں پر سایہ کے مانند آفتاب آیا

وہ رخ صفا ترا آئینہ روبرو جس کے
جب آیا شرم سے یاں ہو کے غرق آب آیا

جب آیا طرہ مشکیں کا تیرے دل میں خیال
زباں پہ میرے وہیں ذکر مشک ناب آیا

ترا سخن ہے ظفر وہ کہ سامنے تیرے
ہوئے خموش سخنور نہ کچھ جواب آیا

چشم میں دنبالہ دیکھیں اس بت گمراہ کا
مست آہو منہ میں کیا پتا لیے ہے کاہ کا

کون سے سیکش کی دعوت ہے فرشتوں میں ہے دھوم
دیکھ کر بینا فلک کا اور ساغر ماہ کا

خال کاجل کا نہ سمجھو اس زنخداں کے قریب
آ گیا ہے ہاتھ زنگی کے کنارہ چاہ کا

کہکشاں کا خط نہیں یہ صاف آتا ہے نظر
عکس فانوس فلک میں میری شمع آہ کا

منزل الفت میں غم کو میں جدا کیونکر کروں
مجھ کو ہے اس کا سہارا ہے یہ توشہ راہ کا

اس کے دنداں پر نہیں ریخیں مسی کی دیکھنا
بے قلم کیا جا بجا لکھا ہے اسم اللہ کا

رتبہ عالی سے اس کے آسماں بھی پست ہے
اے ظفر جو خاک پا ہے فخر عالی جاہ کا

خوشی خوشی ہے جو خط نامہ بر لیے آتا
یہ کچھ نہ کچھ ہے خوشی کی خبر لیے آتا

ممانعت نہ کر اتنی خدا سے ڈر ظالم
ہمیں ہے شوق ترا تیرے گھر لیے آتا

قدم رکھے ہے وہی عاشق کے میدان میں
کہ جو ہتھیلی پہ ہے اپنا سر لیے آتا

جب اشک آتا ہے مژگاں تلک مرے دل سے
تو ساتھ اپنے ہے لخت جگر لیے آتا

ہزار آپ کو وہ کھینچتے ہیں پر ان کو
مرا ہے جذبہ دل کھینچ کر لیے آتا

بچے کب اس بت صیاد وش سے طائر دل
کہ دام زلف کو ہے دوش پر لیے آتا

کہاں وہ جائیں کہ میری نظر سے ہوں غائب
تصور ان کو ہے زیر نظر لیے آتا

جو آتا ہے تری مژگاں کا ذکر چھیڑتا ہے
مرے لیے ہے ہر اک نیشتر لیے آتا

ظفر ہے واسطے ہر طفل کے مہیا شیر
کہ رزق ساتھ ہے اپنے بشر لیے آتا

سبز خط میں کیا مہاسا گال پر پیدا ہوا
بچہ طاؤس ہے بے بال و پر پیدا ہوا

پہلے تو دل میں محبت کا شجر پیدا ہوا
پھر لگے حسرت کے گل غم کا ثمر پیدا ہوا

خال مشکیں آتش رخسار پر پیدا ہوا
چشمہ خورشید میں بھی نیلوفر پیدا ہوا

کھل گیا ہے نامہ مضموں یک قلم نامے کا صاف
واہ کیا پیک تصور نامہ بر پیدا ہوا

اس جبیں پر جلوہ گر الماس کا ٹیکا نہیں
آسماں پر دن چڑھے دیکھو قمر پیدا ہوا

کھائے ہے کس کس حلاوت سے دل عاشق اسے
شیر غم شیریں مثال نیشکر پیدا ہوا

ہو سکا تیغ ادا کا کچھ ادا تجھ سے نہ شکر
کس لیے تو اے لب زخم جگر پیدا ہوا

فصد مجنوں کی جنوں نے خوب ہی تدبیر کی
خار صحرا تیز مثل نیشتر پیدا ہوا

گریہ ہنگام ولادت کیوں نہ ہو ہر طفل کو
جو ہوا دنیا میں پیدا نوحہ گر پیدا ہوا

بے شرارت کوئی ہوتے ہیں بہم دو سنگدل
دیکھو پتھر پر گرا پتھر شرر پیدا ہوا

عکس روئے آتشیں ساقی کا دریا میں پڑا
ہمسر خورشید تاباں ہر بھنور پیدا ہوا

حق میں پروانوں کے تھا اک نیزہ پر خورشید حشر
شمع کے سر پر جو شعلہ اے ظفر پیدا ہوا

کوہکن کا فقط پتھر میں لو ہو جم گیا   کچھ تو تیشے میں جما کچھ سر میں لوہو جم گیا
زخم پہلو سے اگر میرے نہیں ٹپکا لہو   پھر کہاں سے چارہ گر بستر میں لوہو جم گیا
اشک خونی نے بنائی شاخ مرجاں ہر پلک   اس قدر مژگان چشم تر ہیں لوہو جم گیا
کہتا ہے ساقی نشے میں دیکھ کر رنگ شفق   کس کا یہ اس چرخ کے ساغر میں لوہو جم گیا
اٹھا گاڑھا جوش سودائے محبت سے ہوا   قیس کا فصاد کے نشتر میں لوہو جم گیا
گریہ خونیں سے تیرے باغ میں اے عندلیب   گر کے جام لالہ احمر میں لوہو جم گیا
خون دل سے لکھ کے خط گرچہ کبوتر کو دیا   پر اڑے کیونکر کہ بال و پر میں لوہو جم گیا
اس قدر قائم محبت میں ہے تیرا صید عشق   قاتل اس مذبوح کا خنجر میں لوہو جم گیا

اے ظفر دلچسپ تھی کیا کوئے قاتل کی زمیں
گر کے جو بسمل کا اک دم بھر میں لوہو جم گیا

بیچ میں پردہ دوئی کا تھا جو حائل اٹھ گیا   ایسا کچھ دیکھا کہ دنیا سے مرا دل اٹھ گیا
میری آنکھوں میں سمایا اس کا ایسا نور حسن   شوق نظارہ ترا اے بدر کامل اٹھ گیا
ہوں تو میں دیوانہ لیکن ایسی کہہ دیتا ہوں بات   جو کہ بیٹھا پاس میرے ہو کے قائل اٹھ گیا
شمع نے رو رو کے کاٹی رات سولی پر تمام   شب کو جو محفل سے تو اے زیب محفل اٹھ گیا

اے ظفر کیا پوچھتا ہے بیگناہ و پر گناہ
اٹھ گیا اب تو جدھر کو دست قاتل اٹھ گیا

میں ہو عاشق مجھے غم کھانے سے انکار نہیں   کر ہے غم میری غذا
تو ہے معشوق تجھے غم سے سروکار نہیں   کھائے غم تیری بلا
دل و دیں تیرے حوالے کیے کرتے ہی طلب   اور جو کچھ کہا سب
پھر جو بیزار ہے تو مجھ سے بتا اس کا سبب   میری تقصیر ہے کیا
بھیجے خط سیکڑوں لکھ کر تمہیں ہشیاری سے   بڑی دشواری سے
تم نے بھیجا نہ جواب ایک بھی عیاری سے   یہ بھی قسمت کا لکھا
طلب بوسہ پہ کیوں الٹا برا مانتے ہو   ہمیں پہچانتے ہو
دیکھو ہم ہیں وہی جانباز جنہیں جانتے ہو   کرتے ہیں جان فدا
ہے حیات ابدی گر ہو شہادت حاصل   تیرے ہاتھوں قاتل
تیرے آب دم شمشیر کو تیرا بسمل   سمجھے ہے آب بقا
کیا کہوں میں ترے انداز و ادا کا عالم   ہے ستم ہائے ستم
دیکھ کر ہوش رہیں کیا کہ نکل جائے گا دم   اے بہت ہوشربا
نہ تو تقریر سے ہو اور نہ تحریر سے ہو   اور نہ تدبیر سے ہو
ہم تو کہتے ہیں ظفر جو ہو سو تقدیر سے ہو   ہے یہی بات بجا

دیکھے دل کو جو آنکھوں سے جمال اور لگا   بھولا میں سارے خیالات خیال اور لگا
یاد دلوا کے مجھے تو خم ابرو اس کا   زخم دل پر مرے ناخن نہ ہلال اور لگا
حلقہ زن حلقہ خط پر نظر آئی وہ زلف   مرغ دل کیوں نہ رہے جال پہ جال اور لگا
پھیل کر رخ پہ جو کاجل نے دکھائی شب تار   دن دیے تارے دکھانے ترا حال اور لگا
آ گیا زلف کے سودے میں جو کاکل کا خیال   تیرہ بختوں کے تیرے جی کو وبال اور لگا
جل ہی جائے گا اگر گور پہ مجنوں کی ترے   بید مجنوں کے سوا کوئی نہال اور لگا

دیکھ تو آئے ہے کیا پیار ظفر کو تجھ پر
گال سے اس کے ذرا اپنا تو گال اور لگا

رات بھر مجھ کو غم یار نے سونے نہ دیا   صبح کو خوف شب تار نے سونے نہ دیا
شمع کی طرح مجھے رات کٹی سولی پر   چین سے اد قد یار نے سونے نہ دیا
یہ کراہا ترا بیمار الم درد کے ساتھ   کسی ہمسایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا
اے دل زار تو سویا کیا آرام سے رات   مجھے پل بھر میں دل زار نے سونے نے دیا
میں وہ مجنوں ہں کہ زنداں میں نگہبانوں کو   میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا
ووں میں کیا کہ مرے پاؤں کو بھی زنداں میں   آرزوئے خلش خار نے سونے نہ دیا

یاس وغم رنج و تعب میرے ہوئے دشمن جاں
اے ظفر شب انہی دوچار نے سونے نہ دیا

سوزش داغ الم سے پہلے بھیجا جل گیا   بعد اس کے دل جلا اور پھر کلیجا جل گیا
اف مرے مضمون سوز دل میں بھی کیا آگ ہے   خط جو قاصد اس کو میں نے لکھ کے بھیجا، جل گیا
تفتہ جانوں کو ترے دوزخ ہے گلزار بہشت   وہ وہاں ارامسے ہے تو کہے جا جل گیا
بعد اس کے دل جلا اور پھر کلیجا جل گیا   کام کا تیرے نہیں یہ اس کو دے جا جل گیا

آتش فرقت سے میرا خانہ آتشبار ہے
اے ظفر کاغذ اٹھا کر یاں سے لے جا جل گیا

نہ درویشوں کا خرقہ چاہیے نہ تاج شاہانہ
مجھے تو ہوش دے اتنا رہوں میں تجھ پہ دیوانا

کتابوں میں دھرا ہے کیا بہت لکھ لکھ کے دھو ڈالیں
ہمارے دل پہ نقش کالحجر ہے ترا فرمانا

غنیمت جان جو دم گزرے کیفیت سے گلشن میں
دیے جا ساقی پیماں شکن بھر بھر کے پیمانا

نہ دیکھا وہ کہیں جلوہ جو دیکھا خانہ دل میں
بہت مسجد میں سر مارا بہت سا ڈھونڈا بت خانا

کچھ ایسا ہو کہ جس سے منزل مقصود کو پہنچوں
طریق پارسائی ہووے یا ہو راہ رندانا

یہ ساری آمد و شد ہے نفس کی آمد و شد پر
اسی تک آنا جانا ہے نہ پھر جانا نہ پھر آنا

ظفر وہ زاہد بیدرد کی ہو حق سے بہتر ہے
کرے گر رند درد دل سے ہاؤ ہوئے مستانا

کیا عجب گر ہے بہادر میرے آنسو سے بنا
بیش قیمت لعل بھی تو میرے لوہو سے بنا

کشتگان چشم ہیں جو تیرے اے وحشی نگاہ
تو چراغ گوران کا چشم آہو سے بنا

اس کی چشم پرفسوں ہی کچھ فقط جادو نہیں
سر سے پاؤں تک ہی جادوگر ہے جادو سے بنا

اے مصور میری اس کی کھینچے گر تصویر تو
اس کے پہلو کو بھڑا کر میرے پہلو سے بنا

اڑ کے آؤں گا تیرے در پہ ہوائے شوق میں
میرا پتلا ہے تری خاک سر کو سے بنا

مر گیا فرہاد آخر سر سے تیشہ مار کر
کام قسمت کا نہ ہرگز زور بازو سے بنا

اے ظفر مجھ کو غرض کیا مسجد و محراب سے
قبلہ طاعت مرا اس طاق ابرو سے بنا

مری آنکھ بند تھی جب تلک وہ نظر میں نور جمال تھا
کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ وہ خواب تھا کہ خیال تھا

دم بسمل اسے بت عشوہ گر خوشی عید کی سی ہوئی مجھے
خم تیغ تیرا جو سامنے نظر آیا مثل ہلال تھا

کہو اس تصور یار کو کہوں کیوں نہ خضر جستہ پے
کہ یہی تو دشت فراق میں مجھے رہنمائے وصال تھا

مرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں یہ دل پہ رنج و ملال ہے
وہ جب آ گیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا

وہ ہے بے وفا وہ ہے پر جفا وہاں لطف کیسا وفا کہاں
فقط اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا

پس پردہ سن کے تری صدا ترا شوق دید جو بڑھ گیا
مجھے اضطراب کمال تھا کہیں وجد تھا کہیں حال تھا

ظفر اس سے چھٹ کے جو جستجو کی تو یہ جانا ہم نے کہ واقعی
فقط ایک قید خودی کی تھی نہ قفس تھا کوئی نہ جال تھا

درد جگر نے دل پہ جو سر پوش سا ڈھکا سینہ میں دل ہے ساغر سر جوش سا ڈھکا
دیکھا جو کوئی اختر تابندہ ابر میں یاد آیا زیر زلف بنا گوش سا ڈھکا
اٹھا ہے یوں جو زور سے صحرا میں گرد باد اس پردہ میں ہے کس کا تن و توش سا ڈھکا
چھاپا نہ زخم دل سے اٹھا میرے چارہ گر رہنے دے اس کو تو جسم پرجوش سا ڈھکا
سبزہ نے خط کے چاہ زنخدان یار کو رستہ پہ دل کے ہے چہ خس پوش سا ڈھکا

جوہر جو آدمی کا کھلا کچھ تو ہوش سے
جب تک رہا ظفر کوئی بیہوش سا ڈھکا

بھید دل کا گریہ سے اے چشم نم کھل جائے گا وہ جو ہے پوشیدہ اپنا حال غم کھل جائے گا
بولتے جو ہمیں منہ سے کچھ اس میں بھید ہے بولنا اچھا نہیں سارا بھرم کھل جائے گا
عقدہ دل ہے ہمارا غنچۂ گل تو نہیں جو یہ تجھ سے اے نسیم صبحدم کھل جائے گا
کھول مت جوڑا کر سودائی کا تیرے سر بسر راز سربستہ ترے سر کی قسم کھل جائے گا
گر اثر ہے شوق میں اپنے تو بن خط کے کھلے اپنا مضموں ان پہ قاصد ایک قلم کھل جائے گا
کتنے ہی چھٹ جائیں گے پابند زنجیر بلا جبکہ تیرا طرہ پر پیچ و خم کھل جائے گا

اس کے رکنے پر نہ جا پیتے ہی جام مے ظفر
دیکھنا باتوں میں وہ کافر صنم کھل جائے گا

باتوں باتوں میں جو وہ مجھ سے بگڑ کر رہ گیا غیر تو اپنا کلیجہ ہی پکڑ کر رہ گیا
اٹھتے اٹھتے میرے پہلو سے گئے بارے ڈبیٹھ دم مرا اکھڑا ہی تھا لیکن اکھڑ کر رہ گیا
شوق پابوس رہا پہنچا نہ قدموں تک ترے تیرا بسمل پاؤں اے قاتل رگڑ کر رہ گیا
چشم میں انسو کہاں جو رویئے اب خوب سا کوئی قطرہ تھا سو وہ مژگاں سے جھڑ کے رہ گیا
جب دکھایا تو نے اپنا قد رعنا باغ میں پھر تو خجلت سے زمیں میں سرو گڑ کر رہ گیا
دل میں اک مکا سا جو مارا کسی کی یاد نے یہ ہوئی حالت کہ دم سینے میں اڑ کر رہ گیا
پہلوان عشق کا کیا پوچھتے ہو مجھ سے حال جو چڑھا جتے پہ اس کے وہ پچھڑ کر رہ گیا
کارواں منزل پہ پہنچا اور سارے ہم سفر مثل گرد کارواں اک میں بچھڑ کر رہ گیا

اور تبدیل قوافی میں غزل لکھ کر اے ظفر
ہاتھ میں اپنے قلم کو کیوں پکڑ کر رہ گیا

جبکہ وہ خط پڑھ کے بھڑکا اور بھڑک کر رہ گیا   دل خطا واروں کا دھڑکا اور دھڑک کر رہ گیا
حسرت اس مذبوح پر تیرے کہ قاتل کوئی دم   زیر تیغ ناز پھڑکا اور پھڑک کر رہ گیا
پھر گیا کون آن کر در پر ترے خانہ خراب   شب کو جو دروازہ کھڑکا تو کھڑک کر رہ گیا
سن کے نالہ اور جوش گریہ میرا دیکھ کر   آسماں پر ابر کڑکا اور کڑک کر رہ گیا

ہر نفس اس دامن مژگاں کی جنبش سے ظفر
دل میں اک شعلہ سا بھڑکا اور بھڑک کر رہ گیا

غمزہ وہ برسر بیداد آیا   مژدہ اے مرگ کہ جلاد آیا
دہن تنگ جو یاد آیا مجھے   تنگ کیا کیا دل ناشاد آیا
عشق میں تیشہ آخر کے سوا   کچھ ترے کام نہ فرہاد آیا
بلبلو دیکھو چمن میں اتنا   نہ کرو شور کہ صیاد آیا
بول اٹھا دیکھ کے مجنوں مجھ کو   یہ تو کوئی مرا استاد آیا
اڑ گئے ہوش مرے ناصح کے   سامنے جب وہ پریزاد آیا
جو لکھا تھا مری پیشانی میں   سو وہ پیش اے دل ناشاد آیا
نہ تو آیا مری سن کر فریاد   دم لبوں پر دم فریاد آیا

دیکھ کر اس بت کافر کے ستم
اے ظفر مجھ کو خدا یاد آیا

جو دل میں تیرا شوق آبروئے خمدار ہو پیدا   عجب کیا کفر کعبہ سے اگر اے یار ہو پیدا
مرے گریے سے یوں اس کا خط رخسار ہو پیدا   تو اس کی خاک سے بھی نرگس بیمار ہو پیدا
محبت میں ملا ہے رتبہ منصور قمری کو   نہ کیوں کر سرو گلشن میں بشکل دار ہو پیدا
اگر معجزنما آئینہ رخسار ہو تیرا   زبان طوطی تصویر سے گفتار ہو پیدا
قدم رنجہ کرے مجنوں ترا گر دشت وحشتیں   جہاں رکھے قدم سبزہ نہ ہو وہاں خار ہو پیدا
مثال برق حال عاشق بیتاب ہے تجھ بن   کہ سو سو بار ناپید ا ہو سو سو بار ہو پیدا
بلا سے جس کی موت آئی مرض کچھ اور ہو اس کو   کسی کو پر نہ یا رب عشق کا آزار ہو پیدا
ترا مشتاق یہ دل کیوں بجائے داغ سینہ میں   ہمیشہ دیدہ حسرت کش دیدار ہو پیدا

ظفر کرتے نہیں اظہار ہم سوز محبت کو
وگرنہ دل سے ہر دم آہ آتشبار ہو پیدا

نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا
مطلع ثانی
دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشیں کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا
ترے رخ کے خیال میں کون سے دن اٹھے مجھ پہ نہ فتنہ روز جزا
تری زلف کے دھیان میں کون سی شب مرے سر پہ ہجوم بلا نہ رہا
ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہد نشاط یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا
کئی روز میں آج وہ مہر لقا ہوا میرے جو سامنے جلوہ نما
مجھے صبر و قرار ذرا نہ رہا اسے پاس حجاب و حیا نہ رہا
ترے خنجر و تیغ کی آب رواں ہوئی جبکہ سبیل ستمزدگاں
گئے کتنے ہی قافلے خشک زباں کوئی تشنہ آب بقا نہ رہا
مجھے صاف بتائے نگار اگر تو یہ پوچھوں میں رو رو کے خون جگر
ملے پاؤں سے کس کے ہیں دیدہ تر کف پا جو رنگ حنا نہ رہا
اسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں مری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں
کیے لاکھ فریب کروڑ فسوں نہ رہا نہ رہا نہ رہا نہ رہا
لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا
ظفر آدمی اسکو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خدا جانے کہاں بیٹھا ہے وہ اور ہے کدھر پھرتا
مگر چشم تصور سے ہے سب پیش نظر پھرتا
تماشا دیکھنا کیا دوڑتا ہے اشک مژگاں پر
یہ لڑکا شعبدہ بازی سے ہے یکتار پر پھرتا
لکھا قسمت کا اپنی آ گیا دم اپنی آنکھوں میں
نہیں لے کر جواب نامہ اب تک نامہ بر پھرتا
جو سرگردانی اپنی ان سے کہتا ہوں تو کہتے ہیں
خدا کے واسطے چپکے رہو ہے میرا سر پھرتا
محبت جیتے جی کی ہے وگرنہ بعد مرنے کے
نہیں کوئی کسی کی قبر پر بھی آن کر پھرتا
کوئی آرام سے کیوں کر زمیں پر بیٹھنے پائے
رہے جب در پئے گردش فلک آٹھوں پہر پھرتا
جنوں نے سلطنت دی کشور صحرا کی مجنوں کو
بگولے کا ہے چتر اس کے جو سر پائے ظفر پھرتا

ہمارے آنسوؤں کا اب ہے جیسا جوش میں دریا
نہ دیکھا ہم نے پرجوش ایسا اپنے ہوش میں دریا
قسم ہے میں ہوں عین وصل میں ناکام جوں ساحل
کہ لب ہیں خشک میرے اور ہے آغوش میں دریا
رواں اشکوں کو تیرے دیکھ کر وہ مست ناخوش ہے
بھلا لگتا ہے ورنہ دیدہ مے نوش میں دریا
تپ لرزہ نہ اترے تیرے بیمار محبت کی
پسینے سے اگر بہہ جائے بالا پوش میں دریا
حباب اس کو سر گرداب مت سمجھو کہ پہنے ہے
مرے گریہ سے قائل ہو کے کوڑی گوش میں دریا
والا غوطہ نہ کھاتا سبزہ خط سے زنخداں میں
فریبوں کا بھرا ہے اس چہ خس پوش میں دریا
حباب اتنا ابھر جاتا ہے کیوں اک دم کی ہستی پر
انی پھونک دیتا کیا ہے اس کے گوش میں دریا
چھپے یہ کشت و خوں کیونکر کہ ہے خون شہیداں سے
رواں دن رات کوئے قاتل روپوش میں دریا
لب لعلیں سے تیرے کام کیا تھا تشنہ کاموں کو
مگر دیکھا کہیں اس آتش خاموش میں دریا
سبو و خم سے کیا سیراب ہوں وہ تشنہ لب ساقی
جنہیں یہ حوصلہ پی جائیں نوشا نوش میں دریا
اگر بولوں ظفر بہہ جائے سیاری آب و دشمن کی
سخن کا بند ہے میرے لب خاموش میں دریا

دنبالہ دیکھ کر تری چشم سیاہ کا
آہو چھپانا چھوڑ دے پھر برگ کاہ کا

خورشید آسمان چہارم پہ ہے کہاں
شعلہ کوئی بلند ہوا میری آہ کا

کثرت ہے آنسوؤں کی ہجوم سپاہ غم
نالہ نہیں نشان ہے یہ اس سپاہ کا

ٹھٹکے چنے گا وحشیوں کی طرح ناصحا
دیکھے گا گر کرشمہ اس آہو نگاہ کا

کس مہروش نے چہرہ سے برقع اٹھا دیا
منہ ہو گیا سفید فلک پر جو ماہ کا

کرتا ہے جس کے ساتھ فلک کج ادائیاں
دیتا ہے اس کو عشق کسی کج کلاہ کا

رکھے قدم جو کوئے محبت میں اے ظفر
لازم ہے پہلے ڈھونڈھ لے رستہ نباہ کا

تو کہیں ہو یہ دل دیوانہ واں پہنچے ہی گا
شمع ہووے گی جہاں پروانہ واں پہنچے ہی گا

گرچہ تیری زلف کا کوچہ بلا تاریک ہے
پر دل صد چاک مثل شانہ واں پہنچے ہی گا

عشق کے میداں میں بے ہمت نہیں رکھتے قدم
جس کو ہو گی ہمت مردانہ واں پہنچے ہی گا

دل کو ہو میرے نہ کیوں میلان سوئے چشم یار
بادہ کش ہو گا جہاں میخانہ واں پہنچے ہی گا

ان کی محفل میں کہوں گا جب کہانی اپنی میں
سب کے کانوں تک مرا افسانہ واں پہنچے ہی گا

اے صدف کیوں منہ پسارے ہے کہ اس رزاق کو
ہے جہاں پہنچانا آب و دانہ واں پہنچے ہی گا

تجھ کو اس کے بوسہ لب کا ہے لپکا اے ظفر
لب ترا مثل لب پیمانہ واں پہنچے ہی گا

صریحا دل تو اے مژگان یار آنکھوں کے آگے تھا
لگایا کیوں نہ تیرا اپنا شکار آنکھوں کے آگے تھا

سبک رو کو نہیں کھٹکا کہ گزرا صاف نظارہ
ہر اک موئے مژہ گو مثل خار آنکھوں کے آگے تھا

دم گریہ عجب کیا گر نہ سوجھے آبرو اپنی
کہ اک پردہ مری ان اشکبار آنکھوں کے آگے تھا

بلا گرداں نہ پھرتا تھا دلا اس جعد کے پیچھے
فدا ہوتا تجھے اے جاں نثار آنکھوں کے آگے تھا

خجل تھا باغ میں لالہ بھی رخ کے روبرو اس کے
گل نرگس نہ تنہا شرمسار آنکھوں کے آگے تھا

تری چشم سیہ کا ناتوا بیمار کیا اٹھتا
اندھیرا اس کے آنا بار بار آنکھوں کے آگے تھا

دھواں سا خط نہ تھا وہ شعلہ رخسار پر اس کے
برنگ سرمہ اک میرے غبار آنکھوں کے آگے تھا

شب مہتاب میں تو جو نظر سے ہو گیا غائب
سراسر عالم شبہائے تار آنکھوں کے آگے تھا

تصور جب تلک تھا مجھ کو اپنے رشک گلشن کا
عجب اک جلوہ باغ و بہار آنکھوں کے آگے تھا

ہوا دل خاک جل کر کس طرح سے ہے ابھی تو یہ
برنگ شعلہ کیا کیا بیقرار آنکھوں کے آگے تھا

ظفر چھل بل کہوں اس شعلہ خو کی کیا کہ برق آسا
کبھی پنہاں تھا گاہے آشکار آنکھوں کے آگے تھا

خون دل سے اشک سرخ اے دیدہ گریاں بنا
کیا تماشہ ہے کہ موتی دانہ مرجاں بنا

باندھے اشک سرمہ آلودہ پلکوں اپنی نمود
تیر مژگاں پر ترے یہ ہمسر پیکاں بنا

کیا ترقی دمبدم کی دیکھو میرے اشک نے
قطرہ سے دریا بنا دریا سے پھر طوفاں بنا

عشق میں رکھتا ہے کب طوق گلوئے فاختہ
سرو گلشن کیا ہو اگر صورت سوہاں بنا

سینہ میرا عرصہ گاہ روز محشر ہو گیا
آفتاب حشر جب داغ دل سوزاں بنا دے

ٹھہرنے دے گا زمیں پر خاک ہم کو چین سے
جبکہ یہ گردون گرداں آپ سرگرداں بنا

چشم آہوکیوں نہ اس کو حلقہ زنجیر ہو
دشت ان آنکھوں کے وحشی کیلئے زنداں بنا

تیرہ بختی سے جو میری کچھ سیاہی بچ رہی
اے فلک تو نے دیا اس کو شب ہجراں بنا

اس کو انسان مت سمجھ ہو سرکشی جس میں ظفر
خاکساری کے لیے ہے خاک سے انساں بنا

کسی کو ہم نے یاں اپنا نہ پایا
جسے پایا اسے بیگانہ پایا

کہاں ڈھونڈا اسے کس جا نہ پایا
کوئی پر ڈھونڈنے والا نہ پایا

ہلال عید کو گردوں پہ تیرا
بجز یک نعل نقش پا نہ پایا

اڑا کر آشیاں صرصر نے میرا
کیا صاف اس قدر تنکا نہ پایا

اسے پایا نہیں آساں کہ ہم نے
نہ جب تک آپ کو کھویا نہ پایا

دوائے درد دل میں کس سے پوچھوں
طبیب عشق کو ڈھونڈا نہ پایا

گریباں کیا کہ چاک سینہ پر بھی
جنوں کے ہاتھ سے ٹانکا نہ پایا

صبا نے جس دم سیکھا ہے کس سے
چمن میں ہلتے اک پتا نہ پایا

ظفر دل جانے یا ہم کون جانے
کہ پایا اس میں کیا اور کیا نہ پایا

کبھی جو خواب میں وہ شوخ پرعتاب آیا
تو پھر نہ خوف سے آنکھوں میں میری خواب آیا

جو تجھ کو دیکھ کے اے رشک آفتاب آیا
مثال آئینہ بادیدہ پر آب آیا

بجائے اشک دم آنکھوں میں آ گیا میرا
وہ میرے پونچھنے آنسو بھلا شتاب آیا

قفس میں مجھ کو نہ چین آیا پر فغاں سے مری
تمام رات نہ صیاد کو بھی خواب آیا

ہزار نخل خزاں دیدہ پر بہار آئی
نہ اپنا شیب سے پھر عالم شباب آیا

میں وہ ہوں غمزدہ عشق خاک پر جس کی
جب آیا دور سے روتا ہوا سحاب آیا

کہے ہے دیکھ کے پروانہ شمع کا شعلہ
قیامت آئی کہ نیزہ پر آفتاب آیا

جھکی ہوئی ہے گلستاں میں آنکھ نرگس کی
ظفر وہ کون ہے جس سے اسے حجاب آیا

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا مراج تاج گدایا نہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
کیوں خردمند بنایا نہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لیے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاک در جانا نہ بنایا ہوتا

نشہ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دل صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن
زلف مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائق صحبت تو مجھے
قابل جلسہ رندانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا ہی اور دوری ساقی سے مجھے
تو چراغ در میخانہ بنایا ہوتا

شعلہ حسن چمن میں نہ دکھایا اس نے
ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا تھا

روز معمورہ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

شعلہ بلند ہوتے ہی اس رخ کی تاب کا
روشن ہوا فلک پہ چراغ آفتاب کا

ساقی کو یک نظر جو دکھائے وہ چشم مست
بدمست ہو کے پھینک دے ساغر شراب کا

رو رو کے میرا راز نہاں فاش کر دیا
خانہ خراب ہو جیو چشم پر آب کا

جو دیکھتا ہوں دیدہ بیدار ہی سے میں
قائل نہ خواب کا ہوں نہ تعبیر خواب کا

دنیا پہ اپنی سوچ میں کس مے پرست نے
پیکر شراب اتا ہے ساغر شراب کا

پی جانا میرے ہاتھ سے مے اک بہانہ تھا
منظور تھا اسی کو اٹھانا حجاب کا

عمال کا گر اپنے ظفر کیجئے حساب
ہر روز معاملہ روز حساب کا

خوں و سے اشک آنکھوں میں جب مل کر گلابی ہو گیا
پھر تو رومال سفید اکثر گلابی ہو گیا

تیرے دامن سے جو ٹپکا خوں شہید ناز کا
خوب گہرا دامن محشر گلابی ہو گیا

تر پسینے میں ہوا وہ جو گلابی پوش آج
بر میں جوڑا اور زیبا تر گلابی ہو گیا

بزم میں دیکھی گلابی تو نے کس کی چشم مست
ساقیا بیہوش کیوں بھر کر گلابی ہو گیا

یاد میں اس کے گل عارض کی اشک خوں سے رات
لی جدھر کروٹ ادھر بستر گلابی ہو گیا

ہو چکی گری گلابی بادہ گلگوں سے بھر
اب تو جاڑا اے پری پیکر گلابی ہو گیا

وہ گلابی آنکھ جو یاد آئی وقت مے کشی
پھر تو میرے حق میں ہر ساغر گلابی ہو گیا

خون کا دعوی کیا جو اس گلابی پوش نے
صاف رنگ کاغذ محضر گلابی ہو گیا

باغ میں چمکا گلاب آیا جنوں پہ جوش پر
چلبہ خوں سے داغ سودا پر گلابی ہو گیا

منہ پہ تا تا وقت خواب اس نے دوپٹہ تو سفید
عکس روئے لالہ گوں سے پر گلابی ہو گیا

وہ ترش ابرو ہوا جو اس کی شوخی پر ظفر
رنگ لالہ باغ میں کٹ کر گلابی ہو گیا

جوش گریہ سے نہ کچھ دامن مژگاں بھیگا
ہے یہی رشک کہ آخر کو گریباں بھیگا

ہو گیا سہم کے یہ خون ترے نخچیر کا خشک
تیر لاکھوں لگے پر ایک نہ پیکاں بھیگا

آب یاقوت سے گلبرگ ہوا ہے سیراب
مئے گلگوں سے ہے بادہ لب خنداں بھیگا

تر زبانی سے ہوا میری شہادت کا گواہ
جب مرے خوں سے ترا خنجر براں بھیگا

ادباں کا مکھاں کا بھی سرگشتی چرخ
میرے اشکوں سے ہمیشہ دم طوفاں بھیگا

پڑ گئی غنچہ سوسن پہ وہیں باغ میں اوس
خال رخ تیرا عرق سے جو مری جاں بھیگا

نہیں معلوم کہاں آج مچائی ہولی
آئے ہے رنگ میں وہ رشک گلستاں بھیگا

لے کے خطنامہ بر آیا تو یہ آیا رونا
آہ سر نامہ سے تا نامہ تھا یکساں بھیگا

پاک دنیا سے رہے اہل صفا دنیا میں
اے ظفر آب میں کب گوہر غلطاں بھیگا

کیا اے ناوک افگن کب دل نخچیر کا کھٹکا
ترا پیکاں سدا سینہ میں میرے تیر کا کھٹکا

پکڑ سکتا ہے دامن کون وارستہ مزاجوں کا
ہوا گر دشت میں کیا خار دامن گیر کا کھٹکا

ہم ان کے گھر میں چوری سے رہے پر دم نکلتا تھا
در ہمسایہ پر ہوت تھا گر زنجیر کا کھٹکا

بنایا شکل نیش ایسا خدا نے اس کی مژگاں کو
کہ اک عالم کو ہے اس عالم تصویر کا کھٹکا

درختوں میں اگر کھٹکا بندھا بلبل کو کیا پروا
اسے ہے باغباں پر اور کچھ تدبیر کا کھٹکا

مرے نالوں سے جگر خوں ہو رگ ہر سنگ سے جاری
نہ ہو اس سنگ دل کو نشتر تاثیر کا کھٹکا

ستمگر تا بمحشر دل میں محروم شہادت کے
برنگ خار جوہر تری شمشیر کا کھٹکا

گریزاں مجھ سے وہ وحشی نگہ یوں ہے کہ جوں آہو
رمیدہ ہووے سن کر پائے آہو گیر کا کھٹکا

کھٹک جاتی ہے ان کے دل میں ایسی بات کہتے ہو
ظفر کیوں نہ ہووے آپ کی تقریر کا کھٹکا

خلش گر ہے جو پاس ہر گل کے کانٹا
کھٹکتا ہے وہ دل میں بلبل کے کانٹا

سمجھتا ہے عکس مژہ وہ نشے میں
کہ ہے درمیاں ساغر مل کے کانٹا

چبھوتی ہے کافر ہر انگشت شانہ
جگر میں گرفتار کاکل کے کانٹا

ادھر کو پھرے آنکھ کاش اس مژہ سے
چبھے نیچے پائے تغافل کے کانٹا

پروئے جو پھول اس نے زلفوں میں اپنی
ہوئے سوکھ کر پھول سنبل کے کانٹا

تجھے بھی خبر ہے کہ او غیرت گل
کوئی ہو گیا غم میں گھل گھل کے کانٹا

ہوا اس قدر گرم بازار وحشت
لگا بکنے کانٹے میں تل تل کے کانٹا

شتر بردباری سے ہے خار کھاتا
نصیبوں میں ہے پر تحمل کے کانٹا

تن زار سے میرے وہ بچ کے نکلا
کہ الجھے نہ دامن میں فرغل کے کانٹا

اک الجھاؤ کا پیچ ہے راہداری
کہ ہے واسطے تختہ پل کے کانٹا

کہو چارہ سازوں سے جلدی نکالو
مرے دل سے یہ غم کا مل جل کے کانٹا

اسیر قفس اڑ چلے تھے چمن میں
پر اٹھتے ہی پنجرا گرا گھل کے کانٹا

ظفر حرص کا ہووے کیونکر نہ کھٹکا
کہ رستے میں ہے یہ توکل کے کانٹا

لے سیہ بختی کہ دل زلف دوتا میں پھنس گیا
اب رہائی ہو چکی کالی بلا میں پھنس گیا

موج نقش بوریا ہی کم نہیں زنجیر سے
زاہد گوشہ نشیں قید ریا میں پھنس گیا

ہے نشاط افزائے گلشن دیکھ کر غنچہ تجھے
اس قدر پھولا کہ تنگی سے قبا میں پھنس گیا

پھر نہ آیا پھر کے اقلیم فنا سے جو گیا
جا کے کیا جانے کہاں ملک بقا میں پھنس گیا

کچھ تو جانا اس نے اپنے غم کے پابندوں کا حال
اک ذرا چھلا جو کل انگشت پا میں پھنس گیا

نعمت دنیا ہے دنیا میں عجب دام فریب
آیا جو مہمان اس مہماں سرا میں پھنس گیا

تھا نہ قابل اس قفس کے طائر گلزار اقدس
پر خدا جانے کہ آ کر کس بلا میں پھنس گیا

ناز و غمزے کے اگر پھندے سے دل چھٹ بھی گیا
تو وہیں پھر دام انداز و ادا میں پھنس گیا

مثل قمری اس سے پوچھو گرمی بازار عشق
اے ظفر جس کا گلا طوق وفا میں پھنس گا

کہوں کیا رنگ اس گل کا اہا ہا ہا اہا ہا ہا
ہوا رنگیں چمن سارا اہا ہا ہا اہا ہا ہا

نمک چھڑکے ہے وہ کس کس مزے سے دل کے زخموں پر
مزے لیتا ہوں میں کیا کیا اہا ہا ہا ا ہا ہا ہا

خدا جانے حلاوت کیا بھی آب تیغ قاتل میں
لب ہر زخم ہے گویا اہا ہا ہا ا ہا ہا ہا

شرار و برق میں کیا فرق میں سمجھوں کہ دونوں میں
ہے اک شعلہ بھبھوکا سا اہا ہا ہا ہا ا ہا ہا ہا ہا

بلا گرداں ہوں ساقی کا کہ جام عشق سے مجھ کو
دیا گھونٹ اس نے اک ایسا اہا ہا ہا ہا اہا ہا ہا ہا

مری صورت پرستی حق پرستی ہے کہوں میں کیا
کہ اس صورت میں ہے کیا کیا اہا ہا ہا ہا اہا ہا ہا

ظفر عالم کہوں کیا میں طبیعت کی روانی کا
کہ ہے امڈا ہوا دریا اہا ہا ہا اہا ہا ہا

وہ بگڑے ایسے کہ پھر کچھ معاملہ نہ بنا
رہی نہ جائے سخن موقع گلہ نہ بنا

چلا نہ قافلہ اشک تا کہ لخت جگر
سر مژہ مرے سردار قافلہ نہ بنا

کہیں ہیں تیرے مریدان زلف کافر کیش
کہ نے بنے گا کوئی ایسا سلسلہ نہ بنا

بلا سے گرچہ وہ ظاہر مفاصلہ سے ہیں
مگر دلوں میں خدایا مفاصلہ نہ بنا

بنائے شیشے ہزاروں ہیں شیشہ سازوں نے
پر ایک بھی مرے دل کا سا آئینہ نہ بنا

دو منزل دل و دیدہ ہیں تیرے رہنے کو
مکان اپنے لیے تو دو منزلہ نہ بنا

ہمیشہ کھائے ہے تو داغ کبک انگاری
ترا سا طائر دل اس کا حوصلہ نہ بنا

ڈرا نہ موت سے مردان عشق کو ناصح
خدا کیواسطے شیروں کو بزدل نہ بنا

جو دل لیا ہے تو عہد وفا پہ قائم رہ
ظفر سے آپ کو تو بدمعاملہ نہ بنا

تیر تیرا جس کے سینہ سے گزر کر جائے گا
آپ جائے گا گزر پر دل میں گھر کر جائے گا

وہ مقام عیش ہے دنیا کہ یاں سے جیتے جی
کون جاتا ہے اگر مر جائے گا مر کر جائے گا

چپکے چپکے نالہ کب سینے سے جائے گا نکل
جائے گا جس وقت یہ سب کو خبر کر جائے گا

تیرا کوچہ وہ گلستاں ہے کہ جو آئے گا اس
اشک خوں سے اپنے گل دامن میں بھر کر جائے گا

امتحاں کرتی محبت کا نہ پروانے سے شمع
گر خبر ہوتی کہ خیرات اس قدر کر جائے گا

تیری ہستی پیش خیمہ ہے یہ تیرا اے حباب
اب تو کوئی دم میں یاں سے تو سفر کر جائے گا

کر گیا گر اک تبسم باغ میں آ کر وہ گل
دیکھنا غنچے کا سو ٹکڑے جگر کر جائے گا

ہے زیادہ دمبدم بحر محبت کا چڑھاؤ
پار کیوں کر دیکھئے یہ دل اتر کر جائے گا

جذبہ دل کھینچ ہی لائے گا اس خود کام کو
کام اپنا ایک دن یہ اے ظفر کر جائے گا

کوئی زخمی جو اس کے تیر مژگاں کا ہوا ہو گا
جیا ہو گا نہ وہ نہ زخم دل اچھا ہوا ہو گا

ترا جو اے ستمگر عاشق شیدا ہوا ہو گا
اسی سے کوئی پوچھو حال اس کا کیا ہوا ہو گا

چلے ہیں حضرت ناصح ترے عاشق کو سمجھانے
خدا جانے وہ اپنے دل میں کیا سمجھا ہو گا

نشے میں دے کیا بہکا ہوا جو گالیاں مجھ کو
کسی کا آج مست ناز بہکایا ہوا ہو گا

تری زلفوں کو چھیڑا ہو گا جس شامت کے مارے نے
یقیں ہے اے بت کافر اسے سودا ہوا ہو گا

ہوئے گر صاحب تدبیر و خوش تحریر کیا حاصل
وہ پیش آئے گا پیشانی پہ جو لکھا ہوا ہو گا

گیا ہو گا جو سوئے کشتگان ناز وہ قاتل
تو کیا ہنگامہ محشر وہاں برپا ہوا ہو گا

بھر آیا ہو گا جس کا دل تری جوش محبت سے
مقرر اس کی چشموں سے رواں دریا ہوا ہو گا

ظفر سب جاگتے تھے شب کو اس کے گھر میں کیا باعث
ترے آنے کا چوری سے مگر کھٹکا ہوا ہو گا

داغ کیا دل کو اے نگار لگا! عشق کے گھر پہ اشتہار لگا
اپنا جوڑا دکھا دکھا کر تو دل پہ کے نہ بار بار لگا
تیرے ہاتھوں سے اے جنوں نہ رہا جیب و دامن میں ایک تار لگا
جو ہوا تیرا کشتہ قامت سرو اس کے سر مزار لگا
ہم کو سیراب کر شہادت سے قاتل اک تیغ آب دار لگا
کچھ اٹھائی ہے عشق نے آفت پھر جو دل ہونے بے قرار لگا
دل پہ عاشق کے ایک تیر لگا آنکھیں ہوتے ہی جب دو چار لگا
خوش ہوا دل میں وہ شکار افگن کر مرے ہاتھ اک شکار لگا

اے ظفر کب سنے ہے وہ میری
اس کو باتوں میں تو ہزار لگا

اس دلربا سے کیجئے گلہ دلبری کا کیا — ہو دل ہی بر خلاف تو شکوہ کسی کا کیا
جب تک کہ تو نہ ہو گا نمک پاش ہر خراش — پائے گا کوئی خستہ مزا خستگی کا کیا
اے ظفر دوست کس کا ہوا تو ہمیشہ دوست — ہو اعتبار ہم کو تری دوستی کا کیا
آئے ہے لب پہ حرف کئی جائے لیکے دم — احوال مجھ سے پوچھے ہے بیطاقتی کا کیا
اس سوچ میں ہے یہ دل بیکس کو دیکھیے — ہو بعد مرگ حال مری بیکسی کا کیا
کہتا ہے مجھ سے پھر دل بیتاب چل وہیں — کیا جانے مدعا ہے اب اس مدعی کا کیا

یک میں نہیں ہے دیدہ بینا کوئی ظفر
وحدت میں اس کی دخل ہے ورنہ دوئی کا کیا

دے دیا دل اور نہیں یہ یاد وہ کس کو دیا — عشق کو کھو دے خدا اس نے جہاں سے کھو دیا
تیر اس ناوک فگن نے جب لیا دل سے نکال — زخم دل نے چارہ گر ناچار ہو کر رو دیا
خواہ وہ داغ جنوں ہے خواہ کوئی اشک خوں — ہم نے سر آنکھوں پہ رکھا عشق تو نے جو دیا
عرصہ یک دم پہ دریا میں ابھرت ہے حباب — ہستی موہوم نے کیا اس کو دم دیکھو دیا
دیکھنا رنگ محبت کیا دکھاتا ہے بہار — تختہ دامن پہ اشک خوں نے لالہ بو دیا
میرے گریے نے نہ دھویا دل کا میرے ایک داغ — اور دل سے یار کے حرف محبت دھو دیا

چاہے دل داری کرے چاہے دل آزاری کرے
اے ظفر اس دلربا کو ہم نے دل اب تو دیا

نیچے آنکھوں کے ترا جوڑا جو دھانی پھر گیا — کشت سبز چرخ پہ گریہ سے پانی پھیر گیا
دل نہ پھرتا تجھ سے گر ہوتی تجھے الفت کی قدر — اے ستمگر باعث ناقدر دانی پھر گیا
کیجئے کیا اعتبار اس کا جو اپنے قول سے — دے کے چھلا قول کا ہم کو نشانی پھر گیا
اس پہ بھی گردم نہ نکلے تو بتا پھر کیا کروں — حلق پہ خنجر تلک اے سخت جانی پھیر گیا
حال دل اس سے جو کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ چپ — سر مرا بس سنتے سنتے یہ کہانی پھر گیا
کتنے دور اس بزم رنگیں میں پھریں یاں لاکھ بار — ساقیا جام شراب ارغوانی پھر گیا
جانب قبلہ جو پھر اکور میں عاشق کا منہ — تیرے کوچے کی طرف اے یار جانی پھر گیا
نام دل کا قلب ہے اور کہتے ہیں پھرنے کو قلب — دل کا کیا پھرنا جب آئی بدگمانی پھر گیا

خط اسے دے کر ابھی آیا تھا قاصد اے ظفر
آفریں ہے لے کے پیغام زبانی پھر گیا

بحر کوزے میں کہاں ہے ہمدم سمٹ کر آ گیا
ظرف دل میں پر محیط غم سمٹ کر آ گیا

تنگ تھا وسعت سے جس کے عرصہ ارض و سما
جی میں کیونکر اے دل آدم سمٹ کر آ گیا

شوق نظارہ اسے کہتے ہیں تیرے آتے ہی
چشم میں سینہ سے میرا دم سمٹ کر آ گیا

زلف کے حلقے میں رخ ہے یا بغل میں رات ہے
سارا نور نیر اعظم سمٹ کر آ گیا

تھا دل صد چاک میں شانہ کے تو ہر خاک تنگ
کیونکہ تار گیسوئے پر خم سمٹ کر آ گیا

کان میں اس کے گہر یا چشمہ خوبی کا آب
ہے بہ رنگ قطرہ شبنم سمٹ کر آ گیا

کشتی دل غرقہ دریائے وحدت جو ہوئی
اک بھنور میں سارا آب یم سمٹ کر آ گیا

دامن صحرائے دل میں گرد باد نالہ سے
اک غبار خاطر عالم سمٹ کر آ گیا

اے ظفر دار قناعت کا ہے صحن اتنا وسیع
جس کے اک کونے میں ملک جم سمٹ کر آ گیا

ہم نے شبدیز قلم کو اپنے جب جولاں کیا
ملک معنی کا قلمرو یک قلم میداں کیا

جوں شرار سنگ ہم کو عشق کی گرمی نے آہ
دفعتہ پیدا کیا پھر دفعتہ پنہاں کیا

دیکھ غافل صانع قدرت کی تو صنعت گری
ایک مشت خاک کو کیا صورت انساں کیا

بار عصیاں لے چلے دنیا سے رکھ کے سر پہ ہم
کیا کہیں اپنے سفر کا ہم نے کیا ساماں کیا

وصف کس کے عارض روشن کا لکھا جائے گا
صفحہ اپنا چرخ نے جو شب کو یوں افشاں کیا

مل گئی ہیں خاک میں کیا جانے کیا کیا صورتیں
چشم نقش پا کو چل کے حسن نے حیراں کیا

اپنی غفلت پر ظفر جائے تاسف ہے کہ آہ
ہم نے سب کچھ جان کر جو آپ کو ناداں کیا

نہیں کھلتا ہے عقدہ اس کی زلف عنبر و افشاں کا
کہ ہے یہ شاخ سنبل یا بنفشہ صحن بستاں کا

دیار ہند ہے یا کشور زنگ و ختن ہے یا
کوئی آتش پرستوں میں ہے یا حافظ ہے قرآں کا

کوئی دام بلا ہے یا ہے قلاب کمند دل
کوئی ہے حلقہ زنجیر یا ہے قفل زنداں کا

سیہ کاروں کا ہے یہ نامہ اعمال پیچیدہ
کہ ہے یہ طالع واژوں کسی مجھ سے پریشاں کا

کوئی ہے لام نستعلیق یا خط چلیپا ہے
کوئی شاخ شکستہ یا چمن ہے عشق پیچاں کا

کوئی شرح مطول ہے کہ ہے والیل کا سورہ
کوئی یا مصرع دلکش ہے آشفتہ کے دیواں کا

پر زاغ سیہ ہے یا وبال جان عاشق ہے
کوئی ہے سلسلہ یا خاندان عشق خوباں کا

یہ سوچ بحر زینت ہے کہ مار گنج خوبی ہے
کوئی یا تازیانہ ہے سمند ناز جاناں کا

شب تیرہ ہے یہ یا اے ظفر شام غریباں ہے
گھٹا ہے یا دھواں یا شعلہ ہے شمع شبستاں کا

کرے ہے ذکر اس کے روبرو بلبل اگر گل کا — تو وہ منہ پھیر کر سنتا ہے پھر قصہ اگر گل کا
لگاتی ہچو بلبل سوزن منقار سے ٹانکے — خدا جانے کیا ہے کس نے سو ٹکڑے جگر گل کا
عدم کو گلشن ہستی سے ہنستے ہنستے جائے گا — کہ جوش خندہ گل ہی ہے اسباب سفر گل کا
ہزاروں کھا کے گل ہم نے بنایا ہاتھ گلدستہ — ہمارے دستہ گل پر عجب عالم ہے ہر گل کا
ترے دست حنائی سے جو کی تھی روکشی اس نے — دھرا انگارہ اس خاطر سے دست شاخ پر گل کا
فغان عاشق کی سنتا حق میں ہے معشوق کے بہتر — دماغ اب نالہ بلبل سے ہو کیونکر نہ تر گل کا

ظفر باد صبا بھی ایک بادی چور ہے دیکھا
اڑا کر لے گئی کیسا چمن سے صبح زر گل کا

جب ترے بیمار کی گردن کا منکا ڈھل گیا — ہم دموں کی آنکھ میں نقشہ کفن کا ڈھل گیا
جان شیریں دیتے ہیں لاکھوں مثال کوہکن — گرچہ جوبن اس بت شیریں دہن کا ڈھل گیا
شام بھی بگڑی تو پھر کیونکر کٹے گی غم کی رات — دن تو یہ ہر طرح سے رنج و محن کا ڈھل گیا
شمع کا کیا منہ ہے جو اس قد سے ہمسر ہو سکے — صاف سانچے میں بدن اس سیمتن کا ڈھل گیا
جائے تحسیں ہے سراپا اس غزل میں اے ظفر — واہ وا کیا خوب مضمون ہے سخن کا ڈھل گیا

خط رخ پہ تیرے آئے نظر گلبدن لگا — ہو کیوں نہ شور دن دیے مہ کو گہن لگا
گلشن میں اس کے جلوہ قامت کے سامنے — مانند بید کانپنے سرو چمن لگا
کروٹ بدل کے سونے سے کیا خاک ہے مزا — چپٹے سے سینہ اور بدن سے بدن لگا
گرنے سے تھم گیا یہ فلک میری آہ سے — دیکھو تو کیا ستوں تہ سقف کہن لگا
پھولا برنگ گل نہ سمایا میں آپ میں — آ کر مرے گلے جو وہ گل پیرہن لگا
کیوں کر نہ اپنا زور بھی ہو کر اب ترا — قسمت سے ہاتھ بوسہ سیب ذقن لگا

طرز سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے
اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا

ہے پسینے میں کہاں وہ خال لب ڈوبا ہوا
نیلوفر کا پھول ہے پانی میں سب ڈوبا ہوا

آئینہ کیا دیکھ تجکو آب خجلت میں ہے غرق
اپنی نظروں میں تو ہے ملک طلب ڈوبا ہوا

گردش چشم بتاں سے کیا ہو دل کو مخلصی
حلقہ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا

دل سے کب بھولے ہے میرے تیرے زلف و رخ کی تاب
دھیان میں رہتا ہوں ان کے روز و شب ڈوبا ہوا

پنجہ خورشید ہے یا رو شفق آلود آج!
دست قاتل یہ نہیں ہے خون میں اب ڈوبا ہوا

خار سا کھٹکے ہے دل میں اس کے مژگاں کا خیال
ہے رگ جاں میں یہ نشتر کیا غضب ڈوبا ہوا

جب نہ دل سے کہا یک بار گی یا بو تراب
بحر عصیاں سے ظفر نکلے ہے تب ڈوبا ہوا

کیا کہوں کیونکہ ترے کوچے میں ہو کر آیا
تجکو پایا جو نہیں خوب میں رو کر آیا

اس میبازی کبھی چوسر کی جو کھیلا کوئی
ماچ زندگی اپنی سبھی کھو کر آیا

آیا مژگاں میرے جیب پہ سو بار سرشک
پر غبار اس کے نہ دل سے کبھی یہ دھو کر آیا

جس سے تو نے بہت خونخوار لڑائیں آنکھیں
تیغ مژگاں سے اسے اپنے تو رو کر آیا

پوچھ خاموشی کو مت میری تو اے غنچہ دہن
دل مرا جانتا ہے مجھ سے جو تو کر آیا

دیدہ تر کا مرے نام نہ لے تو اے دل
کام کو اپنے تو ہے آپ ڈبو کر آیا

پیرہن سے ترے بو آتی ہے خوشبو کی ظفر
ساتھ تو کون سے گلرو کے ہے سو کر آیا

تو آ اس دم کہ ہے وقت سحر اے گلبدن ٹھنڈا
زمیں ٹھنڈی ہوا ٹھنڈی مکاں ٹھنڈا چمن ٹھنڈا

خدا جانے سحر کس کی گلی سے یہ ہوا آئی!
حباب آ سا جو میرا ہو گیا ہے پیرہن ٹھنڈا

برنگ کاسہ یخ بستہ آہ سرد سے میرے
ہوا شب کو مہ کامل سر چرخ کہن ٹھنڈا

جو وہ خورشید رو بھی محفل آرا رات کو ہوگا
تو پھر ہو جائے گا بازار شمع انجمن ٹھنڈا

سحر گر بام پر دیکھے اکڑنا میرے مہ رو کا
وہیں ہو چرخ کج رفتار کا پھر بانکپن ٹھنڈا

حرارت اس قدر سوز محبت کی ہے سینے میں
نہ ہو گا بعد مردن بھی بدن زیر کفن ٹھنڈا

تو مت منہ موڑ اب مجھ کو لگا لے اپنے سینے سے
کہ میرا سینہ سوزاں ہوا اے غنچہ دہن ٹھنڈا

مریض عشق کی تیرے بیاں کیا کیجئے حالت
کہ بس پتھرا گئیں آنکھیں ہوا یکسر بدن ٹھنڈا

ہوا کیوں ایک شب کے واسطے پروانہ سے سرکش
سحر ہو جائے گا اے شعلہ شمع لگن ٹھنڈا

مرا دل تشنہ ہے زلف عرق آلودہ سے کہہ دو
پلا دے اس کو پانی تو سر چاہ ذقن ٹھنڈا

برنگ شمع فس فس کر وہ آتش خو جلاتا ہے
شتاب اے دیدہ پر آب کر میرا بدن ٹھنڈا

سدا دل شعلہ افروز آتش ہجراں سے رہتا ہے
نہیں ہوت ہے یہ [illegible] کبھی اے جان من ٹھنڈا

چلے ہیں رات کو چوری سے ہم اس ماہ کے گھر میں
چراغ ماہ کو کر دے تو اے چرخ کہن ٹھنڈا

ظفر لکھوں غزل وہ اور تبدیل قوافی میں
کہ تا ہو جائے اب بازار ارباب سخن ٹھنڈا

ہماری آہ سے کب داغ سینے کا ہوا ٹھنڈا
چراغ گل نہیں ہوتا صبا سے بھی ولا ٹھنڈا

عرق آلودہ میرے بر سے شب لپٹا جو رشک مہ
داغ سینہ جو تھا سوزاں وہ یکسر ہو گیا ٹھنڈا

پیوں کیونکر نہ آنسو دل میں گرمی سے محبت کی
کہ پانی موسم گرما میں دیتا ہے مزا ٹھنڈا

تپ ہجراں سے آتش پھنک رہی ہے میرے سینے میں
گلے سے تو جو لگ جاوے تو دل ہو مہ لقا ٹھنڈا

رہے تر کیوں نہ اشکوں سے ہماری یک قلم مژگاں
کہ خس خانہ رہے ہے آب سے اے دلربا ٹھنڈا

ہمیشہ عشق میں لالہ رخاں کے داغ کھاتا ہوں
ہزار افسوس دنیا میں نہ دل میرا رہا ٹھنڈا

بدل کر قافیہ لکھ تو ظفر اک گرم وہ مطلع
کہ جس کے روبرو اب شعر ہووے اور کا ٹھنڈا

نہ کیوں کر چشم کو میرے کرے اب اشک تر ٹھنڈا
کہ وہ آ کر رہے گا چاہیے ہے خوب گھر ٹھنڈا

صبا شبنم کو رونے دے زیادہ دیر اب مت کر
جنازہ لے چلی بلبل کا ہے وقت سحر ٹھنڈا

جو اس کے ہجر میں گزری ہے حالت کیا کہوں یارو
غشی سے یہ پڑا رہتا ہے دل دو دو پہر ٹھنڈا

اگر اے رشک مہ تو خانہ دل میں رہے آ کر
فقط سینہ ہو کیا ٹھنڈا کہ ہو جائے جگر ٹھنڈا

ہمارے اشک کے قطرہ میں ہر دم ایسی سردی ہے
کہ جیسے برف کا ہوتا ہے کوزہ سر بسر ٹھنڈا

گرے جو اشک مژگاں سے مرے تن سے لگا لے تو
کہ خس کا عطر ہوتا ہے سنا رشک قمر ٹھنڈا

ظفر کس شعلہ رو نے تیرے نامہ کے کیے پرزے
چلا آتا ہے دم بھرتا ہوا جو نامہ بر ٹھنڈا

مکان دل جو مرا عمدہ تر بنایا تھا
خدا نے آپ سے وہ اپنا گھر بنایا تھا

کل اس نے کی جو علم دل پہ میرے تیغ نگاہ
تو میں نے داغ جگر کو سپر بنایا تھا

رہا جو عشق میں لب خشک چشم تر میرے
خدا نے مجھ کو شبیہ بحر و بر بنایا تھا

کہے تھی شب یہ گل گیر شمع رو رو کر
وہاں سر پہ مرے تاج زر بنایا تھا

مجھے تو بوسہ نہ دے تا ہو تلخ کامی دور
اسی لیے تو تجھے لب شکر بنایا تھا

اسی نے مجھ کو بنایا برنگ مو لاغر
کہ جس نے تجھ کو میاں مو کمر بنایا تھا

بدل کے قافیہ لکھ اور بھی غزل کوئی
قلم اسی لیے تو نے ظفر بنایا تھا

خدا نے جبکہ جمال بتاں بنایا تھا   مژہ کو تیر بھووں کو کماں بنایا تھا
جلے ہے دیکھ کے محفل میں وہ بت بیدرد   الٰہی کیوں مجھے گریہ کناں بنایا تھا
نہ کچھ روزن سینہ کو بند اے جراح   اندھیرے گھر کا اسے ناوداں بنایا تھا
گیا تھا سیر کو گلشن میں کون سا گل رو   صبا نے غنچۂ گل عطر داں بنایا تھا
رہا نہ آ کے وہ ایوان چشم میں میری   مژہ سے میں نے عبث و سائباں بنایا تھا
مثال نقش قدم بیٹھ کر اٹھوں کیوں کر   ازل سے حق نے مجھے ناتواں بنایا تھا
ملی نہ بحر میں ہستی کے ایک دم فرصت   حباب وار عبث یہ مکاں بنایا تھا

غزل اک اور قوافی بدل کے پڑھئے ظفر
اسی لیے تو تمہیں خوش زباں بنایا تھا

خدا نے جبکہ تجھے مہ جبیں بنایا تھا   تو خط سے رخ مہ ہالہ نشیں بنایا تھا
دو چار کیا ترے جھمکوں سے شب ہوئی پرویں   فلک نے ان کا انہیں خوشہ چیں بنایا تھا
جلایا آتش ہجراں سے کیوں مجھے یا رب   اگرچہ شمع شبستاں نہیں بنایا تھا
بہار تو نے نہ دیکھی کہ ہم نے اشکوں سے   مژہ کو شاخ گل و یاسمیں بنایا تھا
برنگ غنچہ رہوں سر بجیب میں کب تک   الٰہی کیوں مجھے اندوہ گیں بنایا تھا

ظفر نہ کیونکہ ہو دل سے غلام قطب الدین
ازل سے معتقد فخر دیں بنایا تھا

پیچ اس زلف کا تھا شب جو ذقن سے لپٹا   بوسہ لیتے ہی میرے سانپ دہن سے لپٹا
یاد کر اس قدموزوں کو چمن میں ساقی   کثرت نشہ سے میں سرو چمن سے لپٹا
لب پاں خوردہ میں اس کے نہیں یہ رنگ مسی   ہے دھواں آتش یاقوت یمن سے لپٹا
شمع ساں عشق میں اس بت کے ہر اک تار سرشک   مثل زنار رہا تیرے بدن سے لپٹا
بے کلی دل کو ہوئی اور بھی کھلتے ہی آنکھ
تیرے دل سوختہ کو پیرہن خاک ہوا
بے سبب رنگ فلک کا نہیں کالا دیکھو

بے کلی دل کو ہوئی اور بھی کھلتے ہی آنکھ
شب جو میں خواب میں اس رشک چمن سے لپٹا

تیرے دل سوختہ کو پیرہن خاک سوا !
نہ تو لپٹا تھا کفن ، نے وہ کفن سے لپٹا

بے سبب رنگ فلک کا نہیں کالا دیکھو
ہے مرادود دل اس سقف کہیں سے لپٹا

رنگ ہے رنگ حنا کو ترے پاؤں سے یار
جا کے لپٹا ہے تو چوری ہی کے فن سے لپٹا

حلقہ چوڑی کا ترے ہاتھ میں بے وجہ نہیں
سانپ رہتا ہے سدا شاخ سمن سے لپٹا

سب پہ روشن ہے کہ عاشق دلسوز اس کا
کیوں نہ پروانہ ، رہے شمع لگن سے لپٹا

دیکھ روتے جو مجھے آیا ظفر رحم اسے ،
ہنس کے وہ میرے گلے زور پھبن سے لپٹا

اشک کو تک دیکھ اے دیدہ تر چھپا
جو ہری بازار میں مت تو یہ گوہر چھپا

دست مژگاں پر نہ رکھ اے چشم یوں لخت جگر
ہیں گے گل لالہ کے یہ ان کے چھڑک کر چھپا

آہ ہوتی ہے لگن آخر و بال سد یہاں
عشق پروانہ سے سیکھے شمع سے سر چھپا

گردش چشم اپنی مت دکھلا چمن میں صبحدم
بھول جائے گی یہ نرگس ساغر زر چھپا

عشق کے بازار میں کہتا ہوں تجھ کو اے ظفر
شیشہ دل کو مے الفت سے بھر کر چھپا

لگے ہے سیر گلشن میں دل اے غنچہ دہن کس کا
ترے فرقت کے مارے کو روشن کس کی چمن کس کا

مری وحشت سے ہمسر ہو سکے دیوانہ پن کس کا
بہ رنگ گل ہے سینہ چاک مثل پیرہن کس کا

سراپا آتش الفت سے مثل شمع جلتا ہوں
نہیں پروایہ عاشق کو کہ جلتا ہے بدن کس کا

خطا ہے گر نہ اس کو نافہ مشک ختن کہیے
خدا جانے نظر میں کھب رہا ہے بانکپن کس کا

تصور میں ہمیشہ جس کے اپنے دم سے لڑتا ہوں
شرر انگیز ہے ناکہ جوہر سو ختن کس کا

زمین سے تا فلک برپا جو اک طوفان آتش ہے
یہ منزل آمد و شد کی ہے اس میں ہے وطن کس کا

مسافر خانہ دنیا میں جو آیا ، ہوا راہی !
زبان تیشہ پر مذکور ہو جز کوہ کن کس کا

عزیزو جان شیریں دی ہے کس نے عشق شیریں میں
لب زخم جگر ہنستا ہے اب زیر کفن کس کا

مہ نو غرق ہے خون شفق میں دیکھ خجلت سے

ظفر اس کے لب رنگیں سے ہم تو کام رکھتے ہیں
کہاں کا لعل رمانی ہے یا قوت یمن کس کا

بیاں کیجئے اگر احوال اپنی شام غربت کا
گریباں تا بدا ماں چاک ہو صبح قیامت کا

نہیں چھٹتا ہے داغ معصیت اشک ندامت سے
برائے شست شو ہوں منتظر باران رحمت کا

برنگ شاخ گل اب بار سے پھول کے بچکے ہے
کروں عالم بیاں میں اس کمر کی کیا نزاکت کا

نہیں کچھ مرقد عاشق پہ حاجت شمع گریاں کی
چراغ چشم آہو ہے دیا مجنوں کی تربت کا

مرقع کو جہاں کے خوب میں نے غور سے دیکھا
نظر آیا کوئی نقشہ نہ ہرگز تیری صورت کا

دکھاؤ تم ابرو کہ تاہم سرخرو ہو ویں
دل اپنا ہے سدا مشتاق محراب عبادت کا

ظفر تشبیہ دوں کیونکر اسے سرو گلستاں سے
کہ اس کا جلوہ قامت نمونہ ہے قیامت کا

ساقی نے جو ساغر مجھے دکھلا کے پلایا
خون لالہ صفت جام میں لالا کے پلایا

کچھ پوچھو نہ بات اس بت بیرحم کی مجھ سے
شربت بھی دم نزع نہ تک آ کے پلایا

میں صدقے اس انداز کے کل بزم میں اس نے
جام مے کشکول مجھے ڈہلکا کے پلایا

بر ترس یہاں تک ہے' وہ خونخوار کہ جس نے
آب دم شمشیر بھی ترسا کے پلایا

میں کیوں نہ پیوں خون دل اپنا کہ کسی نے
پھر ساغر مے اور کو واں جا کے پلایا

گھر اس کے گیا آج جو میں چارہ کا مارا
پانی بھی نہ اک دم مجھے بٹھلا کے پلایا

دل کیوں نہ کباب آتش حسرت سے ظفر ہو
کل ساغر مے اور کو بلوا کے پلایا

جس کا دل شیفتہ زلف گرہ گیر ہوا
وہ گرفتار بلا پائے بہ زنجیر ہوا

اس کمال وار کے ہاتھوں نہ کیوں ہوں قرباں
جو لگا تیر جگر میں سو وہ تصور ہوا

جلوہ فرمانہ ہوا بام پہ وہ رشک قمر
کیا اثر خاک ترا نالہ شب گیر ہوا

اس قدر بحر جہاں میں نہ ابھرا تھا حباب
دم میں برباد ترا نقشہ تعمیر ہوا

تکمہ لعل یہ اے شوخ نہیں زیب گلو
کسی بے جرم کا خون تیرے گلو گیر ہوا

چلیں ابرو نے ترے قتل کیا ایک جہاں
آج ظاہر یہ ترا جوہر شمشیر ہوا

اٹھ گیا منہ سے نقاب آج یہ کس کے کہ صبا
اڑا رنگ رخ گل باغ میں تغیر ہوا

کیمیا ڈھونڈتے پھرتے ہیں ظفر اہل ہوس
دل گداز اپنا کیا جس نے وہ اکسیر ہوا

زخم چھاتا ہے پھنس پھنس کر دل بے تاب کا   کس نے یہ مرہم لگایا اس پہ ہے تیزاب کا
زلف تیری سر بسر ہے موجۂ دریائے حسن   کان میں بالا نہیں حلقہ ہے یہ گرداب کا
تو نے مہتابی پہ چمکایا جو اپنے حسن کو   رنگ پھیکا آسماں پر ہو گیا مہتاب کا
شاخ ہے لیکن نہیں گل اس میں ساقی جلوہ گر   گر نہ ہووے ہاتھ میں ساغر شراب ناب کا
تیرے شعر تر میں ہے وہ آبداری اے ظفر   اس سے روکش ہو سکے کیا منہ دُرِ خوش آب کا

رخ تاباں جو تہ زلف گرہ گیر رہا   کفر و اسلام شب و روز بغل گیر رہا
حلقۂ زلف بہم دیکھ کے اس ابرو سے   موج دریا سے بھنور روز گلو گیر رہا
ہو چکی فصل بہار اور ترا دیوانہ   حیف صد حیف کہ وابستۂ زنجیر رہا
ناوک اندازی مژگاں کو تری دیکھ کے آج   دل کی چھاتی پہ ہے ظالم ہدف تیر رہا
خاک پا یار کی میری ہے مہوس اکسیر   تو مرا سیم عبث درپئے اکسیر رہا
کام مسجد سے رہا اور نہ غرض کعبہ سے   جب تلک مجھ کو خیال بت بے پیر رہا
کوچۂ یار میں ہنگام شہادت طلبی   دم سے ہمدم مرے دم شمشیر رہا
دل تو کیا چیز ہے تریا کہ اثر اس میں نہ ہو   تا فلک نالہ مرا صاحب تاثیر رہا

رستم ہند تجھے کیوں نہ کہے اک عالم
اے ظفر تیرا سخن سب میں جہانگیر رہا

سوئے مژگاں اشک میں کیا چشم تر پیدا ہوا   بال یہ در بخت میں سر بسر پیدا ہوا
پھونک دوں گا دامن چرخ کہن کو میں ابھی   نالہ سوزاں میرے دل سے اگر پیدا ہوا
دور دامن کیوں دکھایا تو نے اے رشک پری   پھر نئے سر سے مجھے دوران سر پیدا ہوا
یاں تلک روئے جدائی میں ترے دن رات ہم   اشک کی جا چشم سے لخت جگر پیدا ہوا
بے قراری سے مری کس نے کیا واقف اسے   کوئی تو غمساز اے یارو مگر پیدا ہوا
شمع محفل نے کہا رو رو کے شب گل گیر سے   کیا وبال سر مرا یہ تاج زر پیدا ہوا

جان شیریں اپنی دے کر کوہکن جاتا رہا
جبکہ ملک عشق میں تو اے ظفر پیدا ہوا

وہ لعل لب ہی نہ برگ گلاب سا چمکا   کہ اس کا رخ بھی آفتاب سا چمکا
کہیں تو ذرے میں وہ آفتاب سا چمکا   کسی کے شیشۂ دل میں شراب سا چمکا
فلک کے منہ لگیں شب ہوائیاں اڑنے   مرا جو نالہ پہ تیر شہاب سا چمکا
نکل کے زلف سے جا اس کے طاق ابرو پر   یہ دل بھی شیشۂ صہبائے ناب سا چمکا
بلور گریہ سے ہر موج آتشیں پہ آہ   ہلال چرخ پہ بن کر رکاب سا چمکا
خرام دیکھ کے شبرنگ ناز کا تیرے   ہلال چرخ پہ بن کر رکاب سا چمکا
صنم خدا کی قسم قشقۂ جبیں تیرا   نظر میں خلق کی لوح کتاب سا چمکا
ہزاروں روپ دکھتا ہ قطرہ سیماب   دلے نہ اس دل پہ اضطراب سا چمکا
ظفر کلام میں تیرے عجب صفائی ہے   کہ ہر سخن ترا در خوش آب سا چمکا

تم کمر بند اب نہ بالائے کمر باندھو کڑا   پڑ سکے ہیں تیغ رکھ بند پر باندھو کڑا
میں کھلیں کلیاں نکلے فصل گل آتی ہے آہ   دیکھ صیاد و نہ تم بلبل کا پر باندھو کڑا
جائیں گے مرہم نہ جڑا جو تم اب مرہم لگاؤ   اس مرے زخم جگر کو کھول کر باندھو کڑا

ہاتھ آئے ہیں عدو اب تو تمہارے آج سب
پشت پر دست ان کا اب تم اے ظفر باندھو کڑا

بہار گریے سے میرے اس قدر سیلاب پانی کا   نظر آنے لگا جو بلبلا مہتاب پانی کا
تڑے کیا ہجر میں روئے کہ ہم اب آپ حیراں ہیں   یہ دور آنکھیں یا سب ہے یا گرداب پانی کا
عجب کیا ہے جو اپنا پارہ دل چشم میں ٹھہرے   جو سچ ہے عاشق ہووے ہے سرخاب پانی کا
تمہارے آب خنجر نے کیا سیراب اب بارے   نہایت تشنہ تھا مرغ دل بیتاب پانی کا
فراق یار میں کھینچے سیل اشک کی دولت   گیا ہے چشمہ بن یہ دیدۂ بے خواب پانی کا

ظفر یہ دیدہ پر آب اپنا کوئے جاناں میں
رہا یوں جس طرح سے باغ میں تالاب پانی کا

اشک خونیں سے مرت جبکہ بہت سر کھینچا   دیدہ تر نے اسے وار مژہ پر کھینچا
گھر پہ مانند کماں وہ بت بد کیش پھرا   پر مرے دل کی کشش نے اسے اکثر کھینچا
نقش ہے موتیوں کے ہار کا سینے پہ تمام   رات تھا کس نے بغل میں تجھے دلبر کھینچا
رو برو کس قدر نازک کے چمن میں لچکی   تو نے خمیازہ جو شاخ گل اھر کھینچا

باغ دنیا میں ظفر سن کے فغاں کو میری
نالہ مرغان چمن نے نہ برابر کھینچا

طائر دل کو اسیر اے بت خود کام بنا   خال کو دانہ بنا زلف کو دام بنا
منتظر جلوہ دیدار کے ہم ہیں تیرے   اپنی بیٹھک تو کوئی یار لب بام بنا
شب رہا تھا کہیں ہے چشم جو مخمور تری   باتیں جھوٹی نہ بس اب ہم سے گل اندام بنا
تیرہ بختوں کا ترے دیکھ بگڑ جائے گا کھیل   دیکھ چہرے پہ نہ تو زلف سیہ فام بنا

اے ظفر فخر دو عالم کے تصدق سے ترا
حسب دل خواہ زمانے میں رہے کام بنا

جبکہ باتوں میں وہ مجھ سے بت مغرور کھلا   میرا دل ایسا کھلا جوں در معمور کھلا
حق کے کہنے سے سردار جو کھینچا تم کو !   عشق کا بھید ہمیں حضرت منصور کھلا
نام ناسور کا ہم جانتے ہرگز بھی نہ تھے   گریہ چشم سے بس پردہ ناسور کھلا
باغ میں غنچہ نگل جیسے کوئی کھلتا ہے '   اس روش سے لب زخم دل رنجور کھلا
بوسہ جب اس سے طلب میں نے کیا یوں بولا   کل کی باتوں پہ تو پھر آج بدستور کھلا
ای باعث سے نہ آیا تھا میں تیرے گھر میں   ہائے آنے کا مرے باتوں میں مذکور کھلا

فضل یزداں سے بس اب دیکھ ظفر تیرے لیے
ایک دو روز میں گنج زر تیمور کھلا !

دلا اس زلف کے کوچے میں گر جانا بھی ہووے گا   بہت مت چھیڑنا شب واں سے پھر آنا بھی ہوویگا
دل پر خوں سے کیونکر چشم میں ہم خون نہ بھر لاویں   جو شیشہ ہوگا مے ہوگی تو پیمانہ بھی ہووے گا
تڑپتا ہوں پڑا میں بستر غم پہ یہ کہہ کہہ کر   خداوندا کبھی اس کا یہاں آنا بھی ہووے گا
جلائے تھے انہیں مجھ پاس وہ اٹھے تو یوں بولے   ابھی جاؤ نہ گھر تک مجھ کو پہنچانا بھی ہووے گا

ظفر اس سے جدا ہو یہ نہیں ہے ممکن اے یارو
جہاں ہوگا وہ شمع بزم پروانہ بھی ہووے گا

جنہوں نے جبکہ دکھلایا ہمیں عالم بیاباں کا — تو پھر اپنی نظر سے گر گیا جلوہ خیاباں کا
جنوں صد آفریں کیا ہی اڑائیں دھجیاں تو نے — رہا پر زانہ دامن کا نہ اک ٹکڑا گریباں کا
نہ زلف مشکیں ہے جو تاب اس روئے روشن کی ! — کب ایسا رات کو ہوتا ہے جلوہ ماہ تاباں کا
نہ آویں کیونکہ نہ گردش میں فلک پر آفتاب و مہ — اگرچہ پھر کر باندھے وہ اک پیچ سرپاں کا
شب و یجور میں اک سانپ سا چھاتی پہ لوٹے ہے — ہوا ہوں جب سے میں آشفتہ یارو زلف خوبان کا

دکھا دلوے اگر تو اپنے انوار صفا میں کو
ظفر کیونکر نہ بازار سخن ہو سرونایاں کا

پھبن دکھائے جو تو اپنی یار سراپا — بلائیں کیونکہ نہ لوں لاکھ بار سراپا
تو آ کے سیر کر اے گلبدن کہ داغوں سے — بنا ہے جسم مرا لالہ زار سراپا
مژہ کہاں ہے میری خونچکاں کہ پھولا ہے — نئی روش سے یہ نخل چنار سراپا
پڑے گی جس پہ نہ مانگے گا وہ کبھی پانی — غضب ہے تیغ نگہ آب دار سراپا
ترے غم فراق میں اے شعلہ روتپ غم سے — ہمیشہ جلتا ہوں میں شمع وار سراپا
ملے ہے صاف بظاہر وہ ہم سے آئینہ — رکھے ہے جی میں پر اپنے غبار سراپا

ظفر جنوں نے مرے جوش عشق میں یکدست
قبائے تن کو کیا تار تار سراپا

کرے وہ تیغ لے کر ہاتھ کو اپنے اگر اونچا یقین ہے ہو سکے اس دم نہ رستم کا بھی سر اونچا
دماغ اس ماہرو کا ہے جو اب عرش معلے پر بنایا چاہتا ہے کاخ گردوں سے بھی گھر اونچا
گرا جو آشنا اس میں نہ نکلا وہ قیامت تک کنارہ عشق کے دریا کا ہے یہ کس قدر اونچا
یل گردوں میں یارو دیکھنا کیا زور بازو ہے اٹھایا خنجر سے اب جو ہے ناملِ قمر اونچا

بھرے کیونکر نہ حاتم سا سخاوت سے تری اب دم
کہ ہے جو مہر دست زر فشاں تیرا ظفر اونچا

اشک آ کر یہ نہیں دیدہ تر سے پلٹا مرو ماں کو وک اجر ہے جو در سے پلٹا
گرد میں اس کے پھرا اور اس پھرے میرے دن رشک خورشید مرا جبکہ سفر سے پلٹا
تھی یہ تا ثیر میرے مطلع بر گشتہ کی ' رات وہ ماہ جو آ کر مرے گھر سے پلٹا
فوج حسرت نے یورش کی تھی دل زار پہ ہائے پھر گری جان پہ آ کھا کے ادھر سے پلٹا

دم گیا و وہیں ظفر اپنا الٹ رات کو آہ
جونہی وہ آ کے ذرا میری نظر سے پلٹا

جس طرف آہ کا شعلہ مرا جھلکا ہوگا ہے یقین خانہ مردم وہاں پھکا ہوگا
قیمت دل میری بازی محبت میں نہ پوچھ یہ وہ سودا ہے کہ ہرگز نہیں چکا ہوگا
خال کا جل کا جو ہے منہ پہ ترے اس کے سوا تیرہ بختوں کو پسند اور نہ تکا ہوگا
کیوں نہ گھڑیال کے مانند رہے گانا لاں جس کا دل ضرب غم عشق سے پکا ہوگا

دیا دھوکا جسے جینے سے لگا اس کا
اس کا دم کیوں نہ ظفر جینے میں رکا ہوگا

میں ہوں وہ سوختہ جاں ان بت گمراہوں جس کا پہنچے ہے دھواں چرخ تلک آہوں کا
خاک ہو کر بھی بگولے کی طرح چین نہیں حال ابتر ہے یہ کچھ تیرے ہوا خواہوں کا
حج اکبر ہو جسے کعبہ دل سے حاصل ہو خیال اس کو بھلا کس لیے در گاہوں کا
جائے گا جبکہ تہ خاک ترا سوختہ جاں گرم ہو جائے گا وہیں سب چاہوں کا

اے ظفر دل سے ہوں میں خاک در فخر الدین
معتقد میں ء گداؤں کا ہوں نے شاہوں کا !

دست صیاد سے ہے کیا پر بلبل ٹوٹا   زیر ہر شاخ ہی آتا ہے نظر گل ٹوٹا
زلف میں پھول پرو کر جو دکھائے اس نے   رشک سے وو ہیں چمن میں گل سنبل ٹوٹا
زاہد گر سر کاسہ بکف آتا ہے نظر   حرص کے ہاتھ سے ہے پائے توکل ٹوٹا
آ کے در پہ سے مرے پھر گیا وہ غیر کے گھر   عہد و پیماں تھا جو مجھ سے وہ بالکل ٹوٹا
قلزم چشم سے اشک بہے جاتے ہیں   دل کے ٹکڑوں سے بندھا تھا جو یہاں پل ٹوٹا
آج دل محتسب شہر کا میخانے میں   سنتے ہی دور سے آوازہ قلقل ٹوٹا

صدمہ پہنچا وہ ظفر دل پہ نشے میں اپنے
دست ساقی سے جونہی جام پر از مل ٹوٹا

زلف کا کب سے پڑا رخ پہ سرا سر پیچ آ   کھائے ہے مار سیہ گلشن میں گل پہ پیچ آ
ڈر ہے کس کا کہ جو چھپ چھپ کے اڑاتا ہے پتنگ   کیوں لڑاتا نہیں لوگوں میں تو دلبر پیچ آ
جو کوئی بھولا ہے باتوں پہ تری او ظالم   کھائے ہیں عشق میں اس نے ترے اکثر پیچ آ
چاند برابر گھر آیا نہیں ' سوجھا مجھ کو !   جب پڑا اودی رومالی کا وہ سر پہ پیچ آ
نکل آتا ہے ابھی ظلمت شب سے خورشید   زلف کا رخ سے ذرا اپنے اٹھا کر پیچ آ
ہوتا گر خواہش دنیا میں نہ غلطاں پیچاں   تو نہ دیتا کبھی دارا کو سکندر پیچ آ

پیچ ہے منی نہ دار میں تیرے وہ ظفر
جس کے اب فکر میں کھاتے ہیں سخنور پیچ آ

ہوا نصیب میں کو وصل یار کا ہوا   ولے محال ہے بوس و کنار کا ہوا
کیا تو ضبط فغاں رات ہم نشیں لیکن   عجب ہے دل پہ میرے اختیار کا ہوا
ہوائے ظلمت گیسو تری صریحاً ہے   یہ گل ہمارے چراغ مزار کا ہوا
ہمارے مرگ تحیر کی یہ نشانی ہے   برنگ آئنہ یہ انتظار کا ہوا
کسی کو بہر عیادت بلایا چاہتے ہیں !   نہیں ہے خالی از علت بخار کا ہوا

بغیر وصل گل اندام اے ظفر مجھ کو
خزاں ہے آنکھوں میں میری بہار کا ہوا

نمود کیوں نہ دکھائے چراغ سے دریا   کہ خالی اب نہیں الفت کے داغ سے دریا
اٹھا چمن سے نہ باز خزاں جنازہ گل   بہے گا دیدہ مرغان باغ سے دریا
ہوا ہے شیخ جی کو تو بے طرح سے زکام   بہا کرے ہے تمہارے دماغ سے دریا
بہے جو خوں صفت میرے داغ دل سے شریک   کہا کہ اللہ سے ہے کیوں دل کے داغ کے دریا
پڑے یہ چھلکے میں رہا ترا کر تو نے آج   رواں کیا ہے یہ گویا ایاغ سے دریا

برنگ ساقی بدمست ہے نظر میں مری
ظفر حباب کے ہر ایک داغ سے دریا

کب اشک سرمہ رخ نازنین سے چھٹا   یہ بھنورا آ کے گل یاسمین سے چھٹا
اٹھا سکے ہے مجھے کون اس کوچہ سے   مثال نقش قدم میں زمین سے چھٹا
پڑا جو سایہ زلف اس کے ہاتھ پہ تو کہا   کہاں سے سانپ میری آستین سے چھٹا
مثال غنچہ شگفتہ اس نے ہنس کے کہا   دیا ہے آپ کو میں فخر دین سے چھٹا

ظفر نے دل سے پوچھا کیوں تو دیا ہے
مگر تو ہے کسی پرنقش سے چھٹا

ڈس گیا کاکل کا تیری جس کالا ہو وے گا   اس کو چھوڑا ہی نہ ہوگا مار ڈالا ہووے گا
ذکر اس دست حنائی کا نہ لاؤ و ہمدم   ورنہ جاری خون کا چشموں سے نالا ہووے گا
رخش بیتابی پہ ہوگا جبکہ میرا دل سوار   ساتھ اس کے دردوغم کا اک رسالا ہووے گا
عقل چکر میں جو آئی حلقہ گرداب کی   کان میں اس لجہ خوبی کے بالا ہووے گا
حلقہ زلف اس کے رخ پر جس طرح سے ہے پڑا   گردمہ شب کو اسی صورت سے ہالا ہووے گا
خار صحرا کے جنوں کی پوچھتے ہو کیا خراش   جانا اس کے مزے پاؤں کا چھالا ہووے گا

فیض سے استاد کے ہم کو یقین ہے اے ظفر
شعر عالی پر مرا ہر شعر بالا ہووے گا

ہے قبا پر تری چھلکاری کے گلشن کا بوٹا   دیکھ کر کیوں نہ ہو پژمردہ چمن کا بوٹا
آستیں پر مرے ہر تار سرشک خوں سے   کاڑھا کیا سوزن مژگاں نے چکن کا بوٹا
گل ہی سے عارض گلگوں کو نہیں کچھ تشبیہ   قدر موزوں بھی ہے اس غنچہ دہن کا بوٹا
دیکھ وہ زلف و خط و عارض و دنداں ہیں مچل   سنبل ولالہ و ریحان و سمن کا بوٹا

کیا عجب طرہ دستار سر مہر ہو کر
اے ظفر یار کے پاؤں کے چمن کا بوٹا

مر جائے یا کچھ ہو، کسے دھیان کسی کا   دنیا میں نہیں کوئی میری جان کسی کا
یہ سنگ دلی اپنی بتو چھوڑ دو للہ   دل توڑتے ہو کس لیے ہر آن کسی کا
ہوتی ہے عشق کی آتش مجھے ڈر ہے   گھر پھونکے نہ یہ آتش سوزان کسی کا
ہے عشق کی منزل میں یہ حال اپنا کہ جیسے   لٹ جائے کہیں راہ میں سامان کسی کا
سوجھے ہے مجھے رونے سے دن رات کہ اک دن   گھر دیں گے ڈبو دیدہ گریان کسی کا
ہے زلف و رخ یار کہ قائل کوئی ہرگز   ہندو نہ کسی کا نہ مسلمان کسی کا

اب قافیہ و بحر ظفر پھر غزل لکھ
ہٹ جائے نہ اس سمت سے پھر دھیان کسی کا

نہیں دیکھے بہتر ستانا کسی کا   کڑھانا کسی کا کڑھانا کسی کا
مجھے یاد آتا ہے نفس نفس کے یارو   رولانا کسی کا رولانا کسی کا
کبھی تو سنا کر ذرا گوش دل سے   فسانا کسی کا بہانا کسی کا
مجھے یاد کرکے آنسو بہانا   بہانا کسی کا بہانا کسی کا
نہ سمجھا تو ناصح کہ مدت سے میں ہوں   دوانا کسی کا دوانا کسی کا
عزیزو مرے آگے جز ذکر دلبر   نہ لانا کسی کا نہ لانا کسی کا
نہ ہووے گا دل تیر مژگاں بن اس کے   نشانا کسی کا نشانا کسی کا
نہ ملا کرو میری جانب سے اب تم   لگانا کسی کا لگانا کسی کا

قوافی بدل کر ظفر پڑھ غزل تو
رہے تا نہ آگے ٹھکانہ کسی کا

جلاتی نہ دل مفت لے کر کسی کا   کہا بھی تو مان اے ستمگر کسی کا
نہ کیوں تنگ ہو کش کش سے قفس میں   نہ باقی رہا ایک شہ پر کسی کا
بھلا ہووے کس رو سے اب غنچہ روکش   کہاں منہ ہے اس کے برابر کسی کا
دل میں اس کا ملے کس طرح میرے دل سے   کہ بس کب چلے ہے کسی پر کسی کا
جو مژگاں کا عالم ہے اب اس کے ہمدم   نہ دیکھا کوئی ایسا خنجر کسی کا
یہ جی چاہتا ہے کہ سر ہی سے ماریں   اٹھا کر ہم اس در سے پتھر کسی کا

بدل بحر اور قافیہ کو ظفر تو
کہ خوش ہووے دل شعر سن کر کسی کا

کیا حال دل اس سے کریں اظہار کسی کا   سنتا ہی نہیں ذکر وہ نہار کسی کا
گر ہم ہیں گنہگار تو کر خاک کا پیوند   پردہ نہ اٹھا چرخ ستمگار کسی کا
جو آئینہ اب حیرت دیدار سے تیر   رہتا ہے کھلا دیدہ خونبار کسی کا
رونے کا رہے گا یہی عالم تو پھر ایک دن   گھروے گا ڈبو دیدہ خونبار کسی کا
پابند ہو گر لاکھ بلا میں تو بلا سے   پر زلف میں دل ہو نہ گرفتار کسی کا
ہاں تو بھی خبر برق صفت آن کے لینا   پہلو میں تڑپتا ہے دل زار کسی کا

مستغنی کونین ہی رکھ اپنے ظفر کو
محتاج نہ کر حیدر کرار کسی کا

ظفر وہ دشمن جاں قدر دان دل نہ ہووے گا — نہ دینا دل بہ بت کعبہ کچھ حاصل نہ ہووے گا
جسے ہے ورک فن عشق میں غافل نہ ہووے گا — اے گر لاکھ قاتل کیجیے قاتل نہ ہووے گا
جو وہ سرمست ساقی رونق محفل نہ ہووے گا — نشہ ہوگا مجھے البتہ پر کامل نہ ہووے گا
جھکاوے گا وہی محراب بیت اللہ میں سر کو — جسے زاہد خیال ابروئے قاتل نہ ہووے گا
گلی میں یار کی اشکوں کے روپے تو بھی چل اے دل — ابھی تو قافلہ پہنچا سر منزل نہ ہووے گا
کئی بوسے مقرر کر کیے دینے مجھے تم نے — تو کیا صاحب حساب دوستاں در دل نہ ہووے گا
میانہ میں خط و رخسار کے تو غور سے دیکھا — کچھ اپنا ہوگا باقی آپ کا فاضل نہ ہووے گا

ظفر تو نام لے مشکل کشا کا اور پڑھ مطلع
بدلنا قافیہ اب کچھ مشکل نہ ہووے گا

ہے ترے ہاتھوں سے عاشق کا گلا کاٹا ہوا — اور پھر پوچھے ہے تو یہ کیسا غرانا ہوا
سہم کر اس ناتواں کا ہوگیا بس دم ہوا — صدا قلقن تیرے ناوک کا یہ سنانا ہوا
دے کے دل اس زلف کو ہم نے نہ دیکھا فائدہ — بلکہ اس سودے میں ہم کو ہم نشیں گھاٹا ہوا
کھینچے ہے دامن مرا خار جنوں جب دشت میں — پوچھے ہے آہوں سے مجنوں کیا یہ جھرانا ہوا

ہونٹ چاٹے ہے ہمیشہ اس مزے سے اپنے وہ
وہ لب شیریں ظفر جس کا کہ ہے چاٹا ہوا

چھوڑو دو لوگوں میں کورے بازوؤں کا ناپنا — ناپنا ہے گا تو ڈورالے کے نیلا ناپنا
آشناؤ جوش پہ آنے دو سیل اشک کو — پاٹ پھر دریا کا اور دامن ہمارا ناپنا
بخت کی کوتاہی سے کوتاہ سب نکلے کمند — پہلے تھا ناظر سے اس کا کوٹھا ناپنا
ہے ابھی اٹھتی جوانی شوخ جامہ زیب کی — قطع میں خیاط دامن اس کا نیچا ناپنا
عشق نے اس زلف و خط کے سب ہمیں سکھلا دیا — ریسمان آہ سے کشت فلک کا ناپنا
ٹھیک آیا جسم پہ پیراہن عریاں تنی — ورنہ پڑتا جامہ سینا قطع کرنا ، ناپنا

اس زمیں میں اے ظفر تو اور بھی لکھ اک غزل
روبرو تیرے زمیں شعر کا کیا ناپنا

والا گر تو اسیر حلقہ گیسو نہووے گا
تو کھٹکا جان کا تجھ کو سریک مو نہووے گا

اے آنے دے ساقی کچھ پھر بادہ پیمائی
مزا کیا خاک ہوگا گرچہ وہ گلرو نہووے گا

رگ مجنوں میں ناحق نیشتر کو کیوں ڈبوتا ہے
کر اے فصاد اس میں بوند بھر لو ہو نہووے گا

دل بیتاب کو تسکین نہ ہوگی میرے پہلو میں
جو وہ آرام دل اب آکے ہم پہلو نہووے گا

مثال آئینہ جو ہوگا حیران دیکھ کر تجھ کو
تو اس کے دیدہ پر آب میں لوہو نہووے گا

مرا قاصد پھر آیا لے کے خط کیوں کوئے جاناں سے
یقین ہے خط کے دینے کا انھیں قابو نہووے گا

بدل کر قافیہ کم کر ردیف اک اور پڑھ مطلع
مقابل اے ظفر کوئی زیادہ گو نہووے گا

جہاں اے بلبلو ذکر مے گلرنگ ہووے گا
وہاں پھر رنگ محفل کا نہ کیوں بدرنگ ہووے گا

ترے رخسار میں اے سادہ رو اب اس صفائی پر
تجھے آئینہ دیکھے گا تو وہ بھی دنگ ہووے گا

مژہ کے نیزہ بازوں سے ہے طفل اشک کو جرت
یہ لڑکا یوں نظر آتا ہے خانہ جنگ ہووے گا

عیاں ہے لخت دل مژگاں پہ میرے کیا تماشا ہے
کہیں پیدا نیستاں میں گل اورنگ ہووے گا

دیا ہووے گا جس نے عاشقی میں جان شیریں کو
نشان کوہکن چھاتی پہ اس کی سنگ ہووے گا

میری آنکھوں میں اس کے سبز خط کی جو ہے کیفیت
تجھے ساقی نصیب ایسا نہ جام بنگ ہووے گا

کھلیں جس جا گل معنی تمہارے اے ظفر اس جا
نہ کیوں کر قافیہ غنچے کا بولو تنگ ہووے گا

نزلہ شبنم سے گرا دل پہ ترے گل ٹھنڈا
نالہ کھینچے ہے تاسف سے جو بلبل ٹھنڈا

تپ دوری سے جو میں مر کے ہوں بالکل ٹھنڈا
تب کلیجا ہو ترا مست تغافل ٹھنڈا

دل سیپارہ کے شیرازے کو باندھے ہے و لے
کہیں قرآں نہ کرے ہندوئے کاکل ٹھنڈا

ہے کہاں مرغ تکلم چشم میں زیر ابرو
مرغ آبی نے مکاں ڈھونڈا ترا پل ٹھنڈا

نم پہ بوسے کے وہ گرم ہوئے تھے لیکن
کیا تدبیر سے ان کو بہ تامل ٹھنڈا

اس کے بے شربت دیدار نہ ہوگی تسکیں
پانی بے شورہ کے ہرگز نہو ل جل ٹھنڈا

ابر کیا عشق کی آتش نہ مستعد سے بجھے
کر چکا دل کو پلک اشکوں کا تسلسل ٹھنڈا

رہنے دے آنکھوں سکھ اب اور کلیجے ٹھنڈک
گرم جھلا نہو جب تک کہ سر گل ٹھنڈا

کیا ہی گھبرائے ہیں وہ رات کو جس وقت چراغ
ہوگیا لگ کے مرا دامن فرغل ٹھنڈا

کھا گیا جلتا ہوا لقمہ شعلہ گل گیر
تل ہے گرمی نہ کیا وقت تناول ٹھنڈا

یارو نالہ نے دی پھونک مرے دلیں آگ
کون کہتا ہے کہ برگ قرنفل ٹھنڈا

جوشش گرم ظفر دیکھ ترے مضموں کی
ہوگیا بس سخن طالب آمل ٹھنڈا

تن پہ ہر زخم بسان گل خوش رنگ کھلا
دست طفلاں سے جنوں اور نہ بس سنگ کھلا

کان میں جھمکے ہیں یاقوت کے وہ پہلوئے زلف
شاخ سنبل میں عجب یہ گل اورنگ کھلا

دل شگفتہ ہے دم سیرو سے اپنا ایسا
جس کے آگے نہ سحر غنچہ دل تنگ کھلا

بخت اس دور میں ساقی مرے ایسے پھوٹے
تھیں کے تکتے ہی جام سے گل رنگ کھلا

موسم گل کی خبر سن کے قفس میں صیاد
آ کے کریال میں ہر مرغ خوش آہنگ کھلا

لخت دل ریز مژہ ہے یہ کہاں دیدہ ترا !
طرفہ تر پھول کنول کا ہے لب گنگ کھلا

زلف جاناں ہے ظفر اک بلا ہزر کی گانٹھ
ایسے کالے کو نہ تو صاحب فرہنگ کھلا

تو خیال زلف کو اے دل نہ بس اتنا چڑھا
وہ چڑھا سر پہ تو اتنا جان لے کالا چڑھا

تو اتر جائے گا نظروں سے ابھی خورشید و
نالہ سوزا اپنا گرفلک پہ جاچڑھا

کاسہ گردوں ابھی بہتا پھرے گا جوں حباب
جو ش گریا سے مرے اے چشم گردیا چڑھا

کشور دل میں اٹھے ہے غلغلہ بھونچال کا
تو بھوؤں کو اپنے غصے سے جو ہے لیتا چڑھا

خاک میں کس کو ملاوے پھونک دے کس کس کا گھر
باؤ کے گھوڑے پہ وہ آتش کا پرکالا چڑھا

عاشق گل خوردہ تیرا ہے جہاں مدفون ہوا !
اس کے مرقدپہ نہ ہرگز جزگل لالہ چڑھا

ہر روش پہ سیر گلشن آنکھ میں ہے مثل خار
اپنی نظروں میں ہے جب سے وہ گل رعنا چڑھا

کاش خالق نے کیا ہوتا مجھے مانند خاک
تیرے نقش پاکو جوں گل سر پہ میں لیتا چڑھا

سر اٹھا سکتے نہیں تم آج مستی میں ظفر
بادہ الفت کا تم کو اب نشہ اچھا چڑھا

حیف جوں غنچہ نہ اپنا دل پہ یاس کھلا
ہر گل زخم جگر اس کے سدا پاس کھلا

صبح گلشن میں جو گل سونگھ تیری باس کھلا
اس کو شبنم نے دیا بادہ الماس کھلا

شانہ ساں اے دل صد چاک تو وہ الجھی ہے
ہاتھ میں اپنے نہ کر مرنے کا وسواس کھلا

دل دلگیر ہے جوں غنچہ تصویر مرا !
یارب اس کے نہیں کھلنے کی مجھے آس کھلا

چمن دہر میں حیراں ہوں صبا دیکھ کے میں
کیونکہ بن پانی رہے ہے گل قرطاس کھلا

میں ہوافسردہ کسی کا تو برنگ غنچہ
دے ہے تاثیر دم صاحب انفاس کھلا

مار ڈالیگی تجھے زلف سیاالفت مت کر
دیکھ کالے کو نہ بس اے دل پرپاس کھلا

رہبری دشت میں کر خضر سے کہہ دوں گا میں
غوطہ دریائے محبت میں نہ الیاس کھلا

کیا فقط گریہ سے چشم تر پہ پانی پھر گیا
ایک پل میں ایک جہاں کے گھر پہ پانی پھر گیا

لمعہ خورشید عالمتاب سے دریا میں صبح
کیا طلائی موج کے خنجر پہ پانی پھر گیا

دیکھ کر دنداں کی آب و تاب تیری رشک مہ
دامن ساحل میں ہر گوہر پہ پانی پھر گیا

سامنے اس کے عرق آلودہ چہرے کے نسیم
شرم سے کیا لالہ احمر پہ پانی پھر گیا

خالی پیشانی پسینے میں جو وہ آیا نظر !
آسماں پہ صاف ہر اختر پہ پانی پھر گیا

چشمہ حیواں خجل ہے لب سے اسے کے کیا ظفر
بلکہ دیکھا تو لب کوثر پہ پانی پھر گیا

تیرا رخسار و عرق کیا ہے نعیم و دریا
اشک و چشم اپنی بھی ہے در یتیم و دریا

دل سوزاں میں تیرے یاد خلیل و آتش
چشم پرنم میں تصور ہے کلیم و دریا

ساقیا مے کے نشے میں مجھے خواہش آئے ہے
گلشن باد صبا باد نسیم و دریار

بحر مواج تو ہے اس کی جبیں اور یہ چین
پر ہے چینی سے عیاد ماہ دونیم و دریا

دیکھ کر آئینہ میں عکس دہن یہ بولے
کس نے دیکھا ہے بہم حلقہ میم و دریا

صف مژگاں کو ترے دیکھ کے اے لمعہ حسن
دل کو آتی ہے نظر فوج غنیم و دریا

چاندنی کے ہے جبھی دیکھنے کا لطف ظفر
ساقی و بادہ ہو اور ساغر سیم و دریا

عشق جس دم مجھ کو یار آتشیں روکا دیا
نالہ سوزاں نے سینہ میں مرے لوکا دیا

ڈر نہیں جلا و کچھ تیغ ستم کا اب تری
خم دکھا جب اس نے ہم کو اپنی ابرو کا دیا

کیوں نہ ہم قاصد کے منہ کی لیں بلائیں و سیدم
جس نے لا پیغام وصل اب ہم کو مہرو کا دیا

شمع کی حاجت نہیں گور غریباں پہ جنوں
تربت مجنوں پہ تپش ہے چشم آہو کا دیا

قشقہ سیندور ہے یا قتل کر عشاق کو
تو نے ماتھے پہ ہے ٹیکا ان کے لہو کا دیا

تیرہ بختوں کو پریشانی ہوئی ایک اور بھی !
ناراس نے توڑ کر جب اپنے گیسو کا دیا

جو غیر کا ترے گھر میں پلنگ بچھے گا تو اپنی چھاتی پہ یاں فرش سنگ بچھے گا
غریق بحر خجالت نہ کیوں ہو زاہد خشک مصلا اپنا سرآب گنگ بچھے گا
پلا مجھے مے گلگوں اس ابر میں ساقی چمن میں غاشیہ سبزرنگ بچھے گا
اگر ہے قصد ہم آغوشی اب تجھے گلرو بچھونا تیرے لیے بیدرنگ بچھے گا

ظفر کو خواب نہ آوے گا فرش مخمل پر
بغیر تیرے اگر شوخ و شنگ بچھے گا

کیا وصف جبیں میں کہوں اس ماہ جبیں کا — اک تختہ سراسر ہے وہ فردوس بریں کا
یا صبح ہے یا آئینہ یا ہے ید بیضا — یا صفحہ رخسار کسی شوخ جبیں کا
یا مشتری و زہرہ ہے یا مہر درخشاں ! — یا جلوہ پرنور ہے یہ ماہ مبیں کا
یا تختہ بلوریں ہے کہ لوح یہ سیمیں — یا صفحہ سادہ کسی انمول نگیں کا

کیا زور زمین شعر کی یہ تو نے نکالی !
ہے وصف ظفر اس میں بیاں اس کی جبیں کا

ہے ہماری خاک پر تیرا سراغ نقش — شمع مرقد سے یہ بہتر ہے چراغ نقش پا
گل نہیں چھاتی پہ میرے نقش پائے عشق میں — جلوہ گر ہے لالہ رو یہ دیکھ باغ نقش پا
قدق پائے ہوا ہے جس کے اک عالم شہید — ہر گل ورنگ سا اس کا ہے داغ نقش پا
ٹپکے ہے مستی تری رفتار سے وہ مست ناز — نشہ بخش دو جہاں ہے ہر ایاغ نقش پا

ہے زمیں پر نقش پائے صاحب لولاک ، پر
اے ظفر اس کا فلک پر ہے دماغ نقش پا

فلک پہ مہر نے پیدا بہت فروغ کیا پر اس کے رخ سے جو دعویٰ کیا دروغ کیا
سرہانے مرقد قمری کے عشق نے شب عرس چمن میں سرو کو استادہ مثل توغ کیا
دیا جو عشق نے شوربہ سرشک ہمیں تو نوش جاں اسے ہم نے مثال دوغ کیا
شکوہ عشق میں کام آئے دونوں نالہ و آہ کیا علم اسے ہم نے تو اس کو طوغ کیا

کل اک حریص نے تخفیف وقت پر خواری
عجب کیا ظفر آروغ پر اروغ کیا

مری جانب سے غیروں نے لگایا کچھ نہ کچھ ہوگا نہ آیا وہ تو اس کے دل میں آیا کچھ نہ کچھ ہوگا
تیری تیغ ستم کے جو مزے سے زخم کھاتے ہیں مزا ان کو محبت نے چکھلایا کچھ نہ کچھ ہوگا
خبر جب لائی ہوگی اس گل خنداں کے آنے کی تو گلشن میں صبا نے گل کھلایا کچھ نہ کچھ ہوگا
لڑے ہیں میکدہ میں آج جو یوں شیشہ و ساغر کرشمہ چشم ساقی نے دکھایا کچھ نہ کچھ ہوگا
نہ ڈھونڈا اور نہ پایا ہم نے کچھ اس بحر ہستی میں وگرنہ جس نے ڈھونڈا ہوگا پایا کچھ نہ کچھ ہوگا
میرے خط کے جواب میں بن پڑھے پرزے کیے قاصد کسی نے میری جانب سے پڑھلایا کچھ نہ کچھ ہوگا
سنا میں نے کئی ان کو بھی ساری رات آنکھوں میں کسی نے میرا فسانہ سنایا کچھ نہ کچھ ہوگا
بتاں کرتے جوں ہیں ظلم و ستم پر چاہتا ہوں میں کبھی انصاف بھی اس کا خدایا کچھ نہ کچھ ہوگا
بنا کر قصر کیا نازاں ہے، یہ تو سوچ اے منعم کہ پہلے بھی کسی نے یاں بنایا کچھ نہ کچھ ہوگا
الم ہو رنج و غم ہو داغ ہو یا درد ہو دل میں دل آزار دول سے دل ہم نے لگایا کچھ نہ کچھ ہوگا

کہا ہوگا نہ گرچہ صاف حال دل ظفر اپنا
پر ان کو رمز والوں نے جتلایا کچھ نہ کچھ ہوگا

مزار کوہکن اب سوہ باغ پتھر کا رکھے ہے دیکھ کے شیریں چراغ پتھر کا
کرے جو خال صنم سے ہمارے چشمی تو بن ہی جائے مقرر وہ زاغ پتھر کا
یہ دل ہی ہے کہ رکھے جس میں عشق کی آتش وگرنہ رکھوں تو شق ہوا جاغ پتھر کا
نہ مرتا کوہکن آخر تو کھر تراشیریں بناتا کوہ سے پاکر فراغ پتھر کا
بتوں کی سنگ دلی نقش کالحجر ہے ہمیں یہ نقش ہے مٹ نہیں سکتا ہے داغ پتھر کا
تولے کے شیشہ دل اس روش نہ پھر بلبل کہ فرش سنگ بھی ہے صحن باغ پتھر کا
ادا و ناز اٹھانے کو تیرے سنگیں دل کہاں سے لائے کوئی اب دماغ پتھر کا
سبھوں کو جام مرصع میں دے ہے ساقی مے ہمیں فقط یہ بلوریں ایاغ پتھر کا

ظفر کا یہ سخن گریہ سنے تو بن جاوے
ہر ایک شاعر نازک دماغ پتھر کا

دھیان و دنداں پہ ترے آٹھ پہر ہے اپنا سے   بن گیا تارنگہ سلک گہر ہے اپنا
مہر خشاں نہ فقط داغ جگر ہے اپنا   سینہ چاک بھی مانند سحر ہے اپنا
موج زن تا بہ گلو ہے جو وہ آب ودم تیغ !   چوں حباب لب جو کاسہ سر ہے اپنا
زخم سینہ پہ چھڑکتے ہیں سدا اشک نمک   کم نم واں سے نہیں دیدہ تر ہے اپنا
ہم وہ ہیں دہر میں نخل گل آتشبازی   کہ جو شعلہ ہے وہی برگ و ثمر ہے اپنا
تیغ کھینچے ہے جو موج نگہ یار ادھر   یاں بھی ہر داغ جگہ شکل سپر ہے اپنا

غیر کا کس لیے یاں شکوہ بیجا کیجے
اپنے قابو میں نہیں دل ہی ظفر ہے اپنا

مرغ دل میں تیرے مژگاں نے ہے لیکر کانٹھا   جیسے چنگل میں ہو شاہیں نے کبوتر کانٹھا
جائے حسرت ہے کہ ہے تار رگ جاں سے مرے   کفش پا کو نہ کسی نے ترے لیکر کانٹھا
نفس تند سے باہم ہے دم سرد مرا   میں نے اس غیر کو اس طرح ششکر کانٹھا
ہم سے ہر بات پہ اکڑے ہیں تو یوں اوظالم   نہیں معلوم تجھے غیر نے کیونکر کانٹھا

کشمکش سے یہ اسیروں کے وہ ٹوٹا کہ ظفر
رشتہ دام کو صیاد نے پھر کر کانٹھا

خال زیبا ہے ترے چاہ زنخدان میں کیا   نیلو فر ہے یہ کھلا چشمہ حیوان میں کیا
چرخ وار کان میں کیا انس و بنی جان میں گیا   سب میں ہے تو ہی سو تیرے ہے' اعیان میں کیا
توڑ زنجیر کو دیوانہ بھاگا ہو کہیں   دیکھ غل ہے پڑا خانہ' زندان میں کیا
زینت ظاہری جن کو ہے وہ ہیں خالی ہاتھ   کوئی بتلاوے کہ ہے پنجہ مرجان میں کیا
دور ہو جاتی حسد سے ہے محبت دیکھو   حال یوسف کا ہو صحبت اخوان میں کیا
روش حلقہ زنجیر ہے گو چشم غزال   پہ تیرا وحشی ہو پابند بیاباں میں کیا
اس کو منظور ہ پھر آن دکھاتی اپنی   دیکھے حال مرا ہوتا ہے اک آن میں کیا
کیا عجب جنبش مژگاں سے ترے مرجاؤں   مرتا ہے ٹکے کا مارا کہ ہے نسیان میں کیا

اس کے رخسار پہ رہتا ہے خط سبز ظفر
پرطاؤس رکھا دیکھو ہے قرآن میں کیا

کچھ نہ تنہا پاس سے وہ دلربا چمپت بنا
ساتھ اس کے ہمدم دل بھی مرا چمپت بنا

غم نہیں گر پاس سے وہ مہ لقا چمپت بنا
پر مرے پہلو سے دل سا آشنا چمپت بنا

ایک بادی چور ہے جھوکا ہوا کا عندلیب
صبح گلشن سے زرگل کو اڑا چمپت بنا

کھینچ کر نالہ پس دیوار میں جو چھپ رہا
بولے دیکھو تو کوئی وہ ہی ہے یا چمپت بنا

فرصت نظارہ ہے کس کو کہ مانند حباب
بحر ہستی میں جہاں کی چشم وا چمپت بنا

کل سمجھ لوں گا ظفر اس سے جو وہ آئے گا ہاتھ
آج دھوکا دے کے مجھ کو کیا ہوا چمپت بنا

قاتل اب ڈھونڈے ہے اس عاشق بیجان میں کیا
جب گئی جان تو باقی رہا انسان میں کیا

فرق اب تجھ میں ہے اور یوسف کنعان میں کیا
کچھ جز صل علی ہے خط ریحان میں کیا

خط رخسار کا تیری نہیں اشتباک حرف
نہیں معلوم لکھا ہے خط ریحان میں کیا

روش پاکو ہے ہر جادہ جنوں نے تیرے
ہاتھ مارے ہیں کہیں دشت کے دامان میں کیا

بھوں کی جنبش سے تمہاری کہیں بھونچال نہ آئے
نکلو میدان میں تم بیٹھے ' ہو والان میں کیا

ہوگء جس سے کہ مسجود ملائک تہ خاک
نہیں معلوم کہ وہ چیز ہے انسان میں کیا

نالہ بلبل کا جو سنتا نہیں وہ گلشن میں
پارہ شبنم نے بھر اگل کے کہیں کان میں کیا

جو کہ گلیں میں ظاہر میں وہ ہیں خالی ہاتھ
کوئی بتلاوے کہ ہے پنچہ مرجان میں کیا

ہر لب زخم سے کشتے جو دعا دیتے ہیں !
قاتل آیا ہے کہیں قتل کے میدان میں کیا

مے کے بھٹکے نظر آئے تو لگے پوچھنے مست
آفتاب آیا ہے ساقی کہیں میدان میں کیا

جلوہ گر نوراسی کا نظر آتا ہے ظفر
چرخ وارکان میں کیا انس و بنی جان میں کیا

آپ نے خوب کیا کاٹ کے گر سر پھینکا
پر مری لاش کو کیوں کوچے سے باہر پھینکا

تیرے گھر جاتے ہی بیتابی دل نے جوں برق
کہ زمیں پہ مجھے اور گاہ فلک پہ پھینکا

روش برگ خزاں دیدہ گلی سے اس کی
اے صبا تو نے ہمارا تن لاغر پھینکا

ہوں میں وہ سنگ کہ ہقان فلک نے مجھ کو
گردش دہر کے گوپن میں پھرا کر پھینکا

دل سوزاں کو مرے لے تو لیا اس نے ظفر
لیک جب جلنے لگا ہاتھ میں لے کر پھینکا

کب پس گوش ترا طرہ کا گل الٹا
باد کے جھوکے سے پھر شاخ پہ گل الٹا

لب جو دیکھ کے ساقی نے کہا جام حباب
پی کے مستوں نے مگر یہ قدح ل الٹا

جنبش دست مژہ سے یہ عیاں ہے کہ مجھے
پھیر چاہے ہے تری چشم تغافل الٹا

گل کو روبرو کے کیا شرم سے تو نے پانی
روش شبنم کو گئی دیتے تو بلبل الٹا

کھائی لکنت جو زباں نے تری مخموری میں
دم جو شیشے کا ہنسی سے دم قلقل الٹا

بند محرم ہنسی میں جب ٹوٹا مجھ پہ غصے سے ایک غصہ ٹوٹا
مانگ کا گوہر ای کی کب ٹوٹا اک ستارا ہے وقت شب ٹوٹا
تیرے ہاتھوں سے میرا شیشہ دل روش وانہ عنب ٹوٹا
کیا کہوں اپنی گردش قسمت جام مے ہو کے لب بلب ٹوٹا
بادہ خون دل کہاں دیکھے ساغر دل تو سب کا سب ٹوٹا
خاک میں دشت زر پہ باندھوں ناک کر سر کو توال اب ٹوٹا

تیغا دیوان خانے میں اس کے
اے ظفر آج کیا سبب ٹوٹا

مرا کھیل سنبھلا سنبھالا بگاڑا کسی کا تھا کیا میں نے ڈالا بگاڑا
مرے کاسہ سر میں کیوں بھر دیا خوں یہ تم نے اچھا پیالا بگاڑا
گئے تھے کہاں دھبے کس جا لگے ہیں نیا کل کا اوڑھا دوشالا بگا
مرے ساتھ کھاتے ہیں کردیا کس کو بناتے بناتے نوالہ بگاڑا
کھینچا وہ نہ مانی سے بالے کا نقشہ بنا کر کئی بار مالا بگاڑا
قلم نے ترے سر کا عمامہ مجنوں جنوں کو لگا کر اچھالا بگاڑا

بنا کام اپنا ظفر کب کسی سے
کہا ہم نے جس کو بنالا بگاڑا

پہلے تو ہاتھوں سے وہ ڈوڑا چکی کا ناپا اور ای دورے سے ہے پھر اپنا ناپا

نعش لاغر کی مر یصندوق کا کیا ناپا سور کے پر لے کے تم لکڑی کا تختہ ناپا
آئے ہے وہ سرو کے سایہ میں صدقے داد گر تو برابر قد کے اپنے سبز کپڑا ناپا
سینہ پہ چوڑی کا گل اپنے مجھے کھانے دو پھر شعلہ جوالہ سے پر کار لیا ناپا
گن کے اشتر کے قدم فرسنگ کا کرکے حساب قیس ہے راہ زمین نجد کا کیا ناپا
تنگ نکالو طوق الفت ہائے صیاد ازل گردن قمری کا پہلے چاہیے تھا ناپا
گریہ وزاری کا میری آہ لکھتا ماجرا کوزے میں دریا ہے لانا آسمان کا ناپا
آئے گی کسی کام اے منصور یہ دار و رسن طول معراج محبت کا ہے کتنا ناپا
قسمہ قسمہ کردیا بس کاٹ کر عاشق کی کھال وہ فرنگی زاد کلکتہ جو سیکھا ناپا
موج جادہ کی ہے پٹی فصد مجنوں کو بہت اے جنوں کس واسطے و امان صحرا ناپا

محرم راز اس نے جانا تو کہا اس نے ہمیں
اے ظفر لے کر میری محرم کا گوشہ ناپا

عجب کیا چشم میں خوں اشک سے جانا نہ جم جانا
ہے گلرنگ کا یخ سے اگر پیمانہ جم جانا

جہاں ساقی کے ہونا جام چشم مست کا چرچا
یقیں ہے شرم سے اس جائے پر اصلانہ جم جانا

بلا ہے سرزمیں دلچسپ وادی محبت کی !
سر ہر گام ہے پاؤں دل دیوانہ جم جانا

دکھا کر خال بینی سرو سیم اندام کہتا تھا
کہ دیکھو شمع سوئی پر ہے یوں پروانہ جم جانا

اٹھایا غیر کو محفل سے تو نے جی گیا عاشق
بغیر از جاں لیے ورنہ یہ چھاتی کا نہ جم جانا

تمہارے عارض گلگوں پہ جیسی خال زیبا ہے
نہیں سیلاب سے یوں خاک میں ہے دانہ جم جانا

ہوا اس در پہ نقش کا بجراب غیر سنگیں دل
ظفر پہلے ہی گرچہ وہ اکھڑ جانا نہ جم جانا

آنسوؤں سے سینہ کے یوں گھاؤ پر پانی چڑھا
جیسے ہو دریا میں ڈوبی ناؤ پر پانی چڑھا

کھینچے گا نقاش نقشہ کس کے روئے زرد کا
اس قدر زرکا دیا جو تاؤ پر پانی چڑھا

کشتگاں کو کون دیوے آن کر مقتل میں غسل
دے برس کر ابر اس سقراؤ پر پانی چڑھا

کوچہ جاناں میں مردم جوش زن ہے چشم تر
بند بند ہواؤ کر پلی ہواؤ پر پانی چڑھا

آج گریہ سے میرے دریا چڑھا ہے ورنہ کل
یوں تو ٹاپو خشک تھا اور پاؤں پر پانی چڑھا

مستعد ہے جنگ پر غیروں کے کہنے سے ظفر
ہے یہ مرغ بتیا کس چاؤ پر پانی چڑھا

بولے وہ جب ہم نے شب کو نالہ پر حسرت بھرا
یوں جتاتی چاہ تو بھی ایک ہے فطرت بھرا

سوزباں سے غنچہ کرتا ہے پریشانی بیاں
یہ خدا جانے کہ دل ہے کس کا سو حسرت بھرا

بھرتا تھا سنگ جراحت جس جراحت میں مرے
واں نمک کان ملاحت تو نے ہے شدت بھرا

کھینچی جب تصویر زخمی کی ترے بہزاد نے
رنگ کی جا خون اس نے دیدے کو رنگت بھرا

دیکھنا اے حضرت عشق آنسوؤں کے جوش کو
ہم نے دامن موتیوں سے آپ کی دولت بھرا

دھجیاں ہوکر اڑا دامن وے ناٹکا کبھی
سوزن خارمغیاں سے نہاے وحشت بھرا

یاد چشم مست میں بیہوش ہیں کس کو خبر
زہر ساقی نے بھرا ساغر میں یا شربت بھرا

سیر گل گشت چمن سے کام کچھ ہم کو نہیں
اے ظفر اس گل کا جس دن سے دم الفت بھرا

تن گل خوردہ کو عاشق کے جو کفنایئے گا
تھان اچھا کوئی پھلکاری کا منگوایئے گا

دل کو سمجھائے مرے کہ وہ یہ ناصح سے کوئی
ہم کو کیا مشفق من آن کے سمجھایئے گا

تم کنارا جو لگے کرنے یہ معلوم ہوا
اب کنارے ہی مجھے گور کے پہنچایئے گا

جب کہا میں نے کہ ہے سبزہ خط آپ کا زہر
بولے کیا کام تمہیں اس سے تم کھایئے گا

کتنے دل الجھے ہوئے ہیں کہیں کھل کر نہ گریں
زلف کو اپنی سمجھ کر ابھی سلجھایئے گا

ڈر کے وہ آہ شرر بار سے کہتے ہیں مری
دیکھئے گا کہیں اب آگ نہ برسایئے گا

جب کہا میں نے کہ ہو تم تو کوئی آتش خو
تو وہ کہنے لگے ہاں آپ نہ جل جایئے گا

دو گے تم دامن مژگاں کو گر اپنی جنبش
اور بھی آتش دل کو میری بھڑکایئے گا

جب کہ میں نے کہ آجائیں جو دو بوسہ زلف
ہنس کے کہنے لگے ہاں شام کو آج آیئے گا

اے ظفر لائے ہو تم چھین کے چھلا ان سے
خیر تو ہے کہو گل کیا کہیں اب کھایئے گا

شعلہ حسن تو اوروں کو دکھا کے مارا
تو نے ظالم ہیں بے آگ جلا کے مارا

سوتے تھے چین سے ہم خواب عدم میں لیکن
شور ہستی سے ہمیں آہ جگا کے مارا

کیونکہ انکار پہ بوسے کے نکل جائے نہ دم
تو نے تو ناز سے گردن کو ہلا کے مارا

مرحا عشق کہ تو نے مجھے مجنوں کی طرح
الفت لیلی و شاں میں ہے گھلا کے مارا

چین سے گھر میں پڑے کرتے تھے باتیں دل سے
وحشت عشق نے دے ہم کو اٹھا کے مارا

نالہ بھی کرنے نہ پائے کہ نکلتی حسرت
ہم کو اے عشق گلا تو نے دبا کے مارا

یاد میں مرتے تھے ہم فخر جہاں کی آپ ہی
اور فارغ نے وہ تصویر دکھا کے مارا

آنکھوں آنکھوں میں ہمیں اس بت بیدرد نے آہ
تیغ سے ناز کے خنجر سے ادا کے مارا

طرز نظارہ میر ان سے ہے کچھ مت پوچھو
مرغ دل پہ مرے اک دام پھرا کے مارا

نازیکیوں نہ مری خاک سے ہو روئیدہ
مجکو اس شوخ نے ہے ناز دکھا کے مارا

صفغر سن کی ہیں یہ باتیں کہ جو وہ روٹھ گئے
ہم نے زانوں پہ جونہی ہاتھ اٹھا کے مارا

ہے کفن چادر مہتاب سے میرا لازم
کہ مجھے جلوہ نے اس ماہ لقا کے مارا

داد دیجئے ظفر اس غمزہ پنہانی کی
جس کو مارا اسے کافر نے جتا کے مارا

تو جو مہتابی پہ کل رات کھڑا گاتا تھا
دائرہ مہ بھی لیے ساتھ کیے جاتا تھا

بندھ گئی تھی یہ ہوا گانے کی تیرے کہ مرا
ساتھ ہر تان کے جی تھا کہ اڑا جاتا تھا

کیا ہوں رقص کا عالم عجب انداز کے ساتھ
ساتھ ٹھوکر کے تری ٹھوکریں دل کھاتا تھا

ہاتھ کو ہاتھ پہ تو رکھ کے گا جب چلنے
اتھ ہم ملتے تھے دل تھا کہ ملا جاتا تھا

کیا کہوں عالم چشمک کو بلا آتش دل
جنبش دامن مژگاں سے وہ بھڑکاتا تھا

دامن اپنا تو اٹھا چلتا تھا اس ناز کے ساتھ
گھیرا دامن کا مجھے گھیر کے لے آتا تھا

آنکھ چاہت کی ظفر کوئی بھلا چھپتی ہے
اس سے شرماتے تھے ہم ہم سے وہ شرماتا تھا

تیرا صید ناز جو لو ہو میں ہے ڈوبا ہوا
تیر برقِ چشم کا پہلو میں ہے ڈوبا ہوا

کیوں نہ پھولے نرگستاں میری آنکھوں کے تلے
دل خیالِ نرگسِ جادو میں ہے ڈوبا ہوا

رشک سے اس قامتِ رعنا کے یارو کیا عجب
مثلِ سایہ سرو آب جو میں ہے ڈوبا ہوا

آشناؤ کیا کروں تدبیر نکلے کس طرح
دل تو چاہِ غبغبِ گل رو میں ہے ڈوبا ہوا

دیکھ کر اس کو ہوا تھا میں جو غرقابِ شرم
اب تلک سر کاسۂ زانو میں ہے ڈوبا ہوا

لوگ کہتے ہیں کہ پانی میں نہیں خس ڈوبتی
میرا ہر موئے مژہ آنسو میں ہے ڈوبا ہوا

رات کس گل کو لگایا تھا گلے ہم نے ظفر
پیرہن جو عطر کی خوشبو میں ہے ڈوبا ہوا

تم ایک بوسہ دو اور دل کا میرے لو سودا
بتاؤ تو غنچہ دہن رکھو کو مگر سودا

بلائیں زلف کی لیں میں نے وہ لگے کہنے
پھر ان دنوں میں ہوا شاید آپ کو سودا

نہیں حکیم و مالیخولیا جنوں ہے
ہمارے عشق کو کہتا ہے یار جو سودا

جبیں کے بوسے پہ دیتا ہوں مانگ کو دل کو
غرض ٹھہرتا ہے کش کا دوستو سودا

کیا ہے اس کے خطِ سبز نے مجھے مجنوں
بہار آئی ہے کیوں جوش میں نہ ہو سودا

جنوں کے جوش نے تن میں تمہارے مجنوں کے
بنایا بلغم و صفرا و خون کو سودا

ظفر بھی شعر و سخن میں ہے ایک ہی استاد
تم اپنے وقت کا رو اسے کہو سودا

یہ آسماں غلام ہے کس مہ جمال کا
پہنے پھرے ہے کان میں بالا ہلال کا

رکھا ذقن پہ یار نے کیوں دانہ خال کا
ہے ہیضہ ہما پہ عجب ہوا دال کا

انبوہ خال و خط سے ترا صفحۂ عذار
گویا کہ فال نامہ ہے یہ دانیال کا

دل سکھی چمن زلف کی بیعت گزیں ہوا
کوئی اسے مرید کہو کوئی بال کا

ہوتا ہے چودھویں کو ہمیشہ خسوفِ ماہ
جو دن کمال کا ہے وہی ہے زوال کا

عبرت کے ہے قبر سکندر کو دیکھنا
یارو کچھ اعتبار نہیں ملک و مال کا

بارش سے مرے ابرِ مژہ کی عجب نہیں
موسم رہے تمام برس برشگال کا

ہے آئنہ رخوں کا تصور جو آنکھ میں
ہے آ رہا نظر مجھے عالم مثال کا

منہ ہم نے چپٹ چپٹ لیا شب کو اے ظفر
یاد آیا ان کے گال پہ رکھنا جو گال کا

نہ ہر گز درد دل سے میں کراہا
غرض پوشیدہ الفت کو نباہا

محبت کے یہ معنے ہیں کہ میں نے
وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا

عیاں ہے صفحۂ رخ پہ ترے خط
کہ ہے تنخواہ بوسوں کا سیاہا

فقیروں سے تو پوچھو لذتِ عشق
اہاہا، اہاہا، اہاہا

ظفر کو باز رکھ اعمالِ بد سے
خطا بخشا، کرم گارا، الٰہا

صرفت الھوئی لہو و لعب
فاہا، تم آہا، تم آہا

ظفر ہے عرض یہ ہی فخرِ دیں سے
کہ شاہا دین پناہا تکیہ گاہا

جس گھڑی مشق ستم کیجے گا پہلے سر میرا قلم کیجے گا

تم پہ ہے حضرت دل سایہ زلف پڑھ کے واللیل کو دم کیجے گا
واہ واہ پیر مغاں واہ کر اب دختر رز کو حرم کیجے گا
گر ہے یہ سوچ تبسم تحجر چاک غنچے کا شکم کیجے گا
کام عاشق کا تو مر جانا ہے آپ کچھ اس کا نہ ہم کیجے گا

ق

خط جسے چاہو لکھو تم لیکن اتنا بندے پہ کرم کیجے گا
وہ جو القاب لکھا ہے مجھ کو وہ کسی کو نہ رقم کیجے گا
اے ظفر دل کو وہ لیں گے بقسم ان کی باور نہ قسم کیجے گا
یعنی دل لے کے نہ دیں گے وہ تمہیں لاکھ گر چشم کو نم کیجے گا

دل انھیں دے کے تم اپنے دل پر
اپنے ہاتھوں سے ستم کیجے گا

دل میں اس قامت موزوں کا جو مضمون ہے بھرا تم نے جانا کہ بھرا دل سے وہ موزوں ہے بھرا

مطلع ثانی

تو نے گر بزم میں جام مے گلگوں ہے بھرا اے اشک سے دیدہ ہم نے بھی رشک سے آنکھوں میں یہاں خوں ہے بھرا
تر میرا کہاں ہے لبریز معجزہ عشق سے یہ کوزے میں جیحوں ہے بھرا
غم لیلے نے لٹا کر اسے مارا شاید خاک صحرا میں جو یک سرتن مجنوں ہے بھرا
کشتہ مژگاں کا ترے دشت میں مدفون ہے کیا اس قدر کانٹوں سے جو دامن ہاموں ہے بھرا
چین ملتا ہی نہیں عشق کے آواروں کو بغض کیا جی میں ترے گردش گردوں نےبھرا
خاک رو رو کے کرے کوئی جی اپنا خالی لاکھ حسرت ہے ہمارا دل محزوں ہے بھرا
کون ہو تجھ سے چار آن کے ظالم کر بلا تجھ میں زہر اے نگہ چشم پر افسوں ہے بھرا

درم داغ کی دولت سے مرے سینے میں
اے ظفر دیکھ کر گنجینہ قاروں ہے بھرا

یہ چشم تر سے دم گریہ خون ناب بہا کر پانی کوچے میں رنگین جوں شہاب بہا

مطلع ثانی

ہمارے آگے نہ آنسو تو اے سحاب بہا وگر بہاوے تو یونہی درخوش آب بہا

مطلع ثالث

ہماری آنکھوں سے جس وقت خون ناب بہا پھرے گا گنبد افلاک جوں حباب بہا
ہمارے ہاتھ سے اک جام نوش کر ظالم لگا کے لب سے گرمیاں پہ مست شراب بہا
ستارے آئے نظر آفتاب پر ہم کو عرق جو رخ پہ ترے رشک آفتاب بہا

کھلا اگر کبھی واعظ پہ ایک نکتۂ عشق   یقین ہے دیوے گا دریا میں ہر کتاب بہا
نہ جانی آنسوؤں کی قدر حیف دیدہ تر   یہ مفت تو نے دیے گوہر خوش آب بہا
سر اپنا بیچتے ہیں اک نگاہ پر عاشق   بکی ہے اس کا بس اے شوخ پر حجاب بہا

ظفر برائے گی امید وصل اس گل سے
کنار آب پہ لا کے گل شتاب بہا

تڑی اس زلف کافر کو صبا نے تھا الٹ مارا   طمانچہ اس نے تیرے منہ کو کیوں الٹا الٹ مارا
ملا کوہ محبت کو بکسی کے جب پسینے سے   تو پھرا چار اپنے سر پہ ایک تیشا الٹ مارا
نہ نکلا مطلع ابرو کا تیرے مطلع ثانی   کر دیوان ہلالی ہم نے سارا الٹ مارا
جو گھوڑے پہ ہوا کے تھا غرور شہسواری میں   زمیں پہ اس کو اس گردوں نے دے پٹکا الٹ مارا
پچھولامت سمجھا اس کو ساقی محبت نے   مرے سینے پہ ساغر بھر کے ہاں دیکھ الٹ مارا

ظفر عالم میں بدمستی کے کس کو ہوش اپنا ہے
جہاں پایا اسے چھیڑا جہاں دیکھا الٹ مارا

جب تلک سینے میں دم تھا نالہ آتشناک تھا   پر جو دیکھا صاف جل کر ہوگیا دل خاک تھا

مطلع ثانی

دیکھ کر حالت مری گردوں نہ کر غمناک تھا   کہکشاں سے رات کو اس کا گریباں چاک تھا
جو گیا دریائے الفات میں وہ ڈوبا آخرش   دل جو میرا پیر کر نکلا بڑا پیراک تھا
لہلہائے کیوں لب جو پہ نہ سرو آب جو   دفن یاں اس کا شہید قامت چالاک تھا
گردشِ چشم بتاں سے اس نے یہ سیکھے ہیں طور   ورنہ دانا کب بھلایوں گنبد افلاک تھا
تھا شہیدوں کا ترے ماتم سحر گلشن میں کیا   جو سحر ہوتے ہی بلبل گل گریبان چاک تھا

جو نہ کہنا تھا کہا جھٹ منہ پہ اس سفاک کے
سچ تو یوں ہے ہاں ظفر بھی ایک ہی بیباک تھا

ہووے تمہارے در تک اپنا کہاں سے انا   جب اک قدم ہے مشکل اس ناتواں سے آنا
بیمار غم کو تیرے دیکھ آئے سب اطبا   عیسیٰ کا ایک باقی ہے آسمان سے آنا
کوئے عدم کو جاکر کوئی پھرا نہ ہرگز   دشوار ہے نہایت شاید وہاں سے آنا
للہ کر نہ دیجو برباد خاک عاشق   آہستہ اے صبا تو کوئے بتاں سے آنا
اک آن پہ ہے سودا عاشق کے جنس دل کا   فرماتے آپ کیوں ہیں ناحق زباں سے آنا
کیا داخل ہے کر آویں وہ اک کشتگاں پہ !   آنا کبھی جو شاید دامن کشاں سے آنا

دم اے ظفر ہوا تھا اپنا بھی رات جوں ہی
خوشبو کا اس کی زلف عنبر فشاں سے آنا

تراش کوہ سے کیا کوہکن پتھر بنا دیتا   اگر ہوتا سلیقہ کا تو شیریں گھر بنا دیتا
صدف کا سا اثر ہے صاف نقش پائے جاناں میں   کہ ہے اشک چکیدہ کو مرے گوہر بنا دیتا
اگر میں جانتا بن کر زمیں سے لالہ نکلے گا   تو اپنے کاسہ سر کو ترا ساغر بنا دیتا
اگر تصویر مانی کھینچتا اس میرے قاتل کی   تو اس تصویر کے بھی ہاتھ میں خنجر بنا دیتا
نہ پوچھو دل میں میرے کچھ خلش اس نوک مژگاں کی   کہ ہر مو کو بدن پہ سے مرے نشتر بنا دیتا
تصور دیدہ تر میں مرے اس روئے تاباں کا   گہر کو اشک کے ہے دانہ اختر بنا دیتا
عزیز و عاشقی میں پاس کیا ہے دین و ایماں کا   کہ یہ وہ کام ہے مومن کو بھی کافر بنا دیتا
وفور گریہ خونی ہمارا داغ سینہ کو   ڈبو کر خون میں لالہ احمر بنا دیتا

ظفر عکس لب شیریں مرے اس حور طلعت کا
سدا ہے چشمہ آئینہ کو کوثر بنا دیتا

جگر کے ٹکڑے ہوئے جل کے دل کباب ہوا   یہ عشق جان کو میرے کوئی عذاب ہوا
کیا جو قتل مجھے تم نے خوب کام کیا   کہ میں عذاب سے چھوٹا تمہیں ثواب ہوا
کبھی تو شیفتہ اس نے کہا کبھی شیدا   غرضکہ روز نیا اک مجھے خطاب ہوا
پیوں نہ رشک سے خوں کیوں کہ دم بدم اپنا   کہ ساتھ غیر کے وہ آج ہم شراب ہوا
تمہارے لب کے لب جام نے لیے بوسے   لب اپنے کاٹا کیا میں نہ کامیاب ہوا
گلی گلی تیری خاطر پھرا بچشم پرآب   لگا کے تجھ سے دل اپنا بہت خراب ہوا
تری گلی میں بہائے پھرے ہے سیل سرشک   ہمارا کاسہ سر کیا ہوا حباب ہوا
جواب خط کے نہ لکھنے سے یہ ہوا معلوم   کہ آج سے ہمیں اے نامہ بر جواب ہوا
منگائی تھی تری تصویر دل کی تسکیں کو   مجھے تو دیکھتے ہی اور اضطراب ہوا
ستم تمہارے بہت اور دن حساب کا ایک   مجھے ہے سوچ یہ ہی کس طرح حساب ہوا

ظفر بدل کے ردیف اور تو غزل وہ سنا
کہ جس کا تجھ سے ہر اک شعر انتخاب ہوا

جگر کا دود سیاہی میں گر سحاب بنا   تو دل کا داغ بھی ناخن میں آفتاب بنا
یہ جوش اشک رہا زیر خاک بھی اپنا   کہ جو مزار کا گنبد تھا وہ حباب بنا
جلالیا دل جو ترے شعلہ نگاہ نے رات   فلک پہ نالہ مرا ناوک شہاب بنا
دل شکستہ کی تو میرے کچھ درستی کر   خدا کا گھر ہے بنانا بڑا ثواب بنا
ہوئی نہ پاؤں تلک اس کے دسترس افسوس   ہمارا دیدہ نہ کیوں حلقہ رکاب بنا
کیا تھا کشتہ مجھے کس کی چشم مست نے آہ   کہ میری خاک سے ہے ساغر شراب بنا
جو میرا اختر بخت سیہ دکھتا ہے   تو خال لو کوئی کاجل کا اک شتاب بنا
نہ پہنچان کان ملاحت تمہارے کانوں تک   اگرچہ اشک مرا گوہر خوش آب بنا

ظفر جو لکھنا ہے احوال دل تجھے اپنا
تو ایک رقعہ سے کیا ہووے گا کتاب بنا

ایک پیالہ رات مے کا بند ستوالا   مہ کو کہتا ہے نشہ میں روئی کا گالا اڑا
آشناؤ دل مرا چاہ ذقن میں گر پڑا ! !   ورنہ یہ تو رز میں دریا اڑا تا لا اڑا
سوز الفت نے خدا جانیے دی کس گھر کو آگ   آسماں پر جائے ہے آتش کا پر کالا اڑا
تیری آنکھوں تو بلا ہیں دل کو چھوڑیں ہیں کوئی   گر بچیں مژگاں سے پھر لیوے دنبا لا اڑا
روبرو تیرے رخ روشن کے اے خورشید رو   مثل شبنم رشک سے رنگ گل لالا اڑا
لے دل صد چاک کو اپنے ہوا خواہوں کے تو   اپنی کاکل میں لگا کر اس کو منجھالا اڑا
دامن مجنوں لاغر خار نے تھا جا تو کیا   آخرش ہو کر بگولے میں تہ و بالا اڑا

اس کے گھر جانے کا مانع وہ جو ہوا تھا ظفر
شکر للہ اب وہ بارے روکنے والا اڑا

مارا عاشق کو تو کیا کام تمہارا نکلا   ہمیں کیا کام برا نام تمہارا نکلا
روش نکہت گل سیر کو گھر سے باہر   پھر قدم سرو گل اندام تمہارا نکلا
سارے منہ تکنے لگے گھر میں تمہارے دشمن   منہ سے قاصد کے جو پیغام تمہارا نکلا
صدقے شوخی کے وہ دل لے کے مرا پوچھتے ہیں   کیوں جی کم تھا دل ناکام تمہارا نکلا
نیند پھر شب کو کہاں آپ کی زلفوں کی قسم   ذکر یاں جبکہ سر شام تمہارا نکلا

پختہ پایا نہ ذرا اطراز محبت میں اسے
یہ خیال اے ظفر اب خام تمہارا نکلا

قاروں اٹھا کے سر پہ سنا گنج لے چلا   دنیا سے کیا بخیل بجز رنج لے چلا
منت تھی بوسہ لب شیریں کر دل مرا   مجھ کو سوئے مزار شکر گنج لے چلا
ساقی سنبھالتا ہے تو جلدی مجھے سنبھال   ورنہ اڑا کے پاں نشہ بنج لے چلا
دوڑا کے ہاتھ چھاتی پہ ہم ان کی یوں پھرے   جیسے کوئی چرا کے ہوا رنج لے چلا
چوسر کا لطف یہ ہے کہ جس وقت پو پڑے   ہم برچار بولے تو برپنج لے چلا

جس دم ظفر نے پڑھ کے غزل ہاتھ سے رکھی
آنکھوں پہ رکھ ہر ایک سخن سنج لے چلا

اشک کا قطرہ فقط کیا صاف گوہر سا بنا   بلکہ لخت دل بھی ہے یاقوت احمر سا بنا
صبحدم گلشن میں آیا میکشی کو کیا وہ گل   ہر گل لالہ جو ہے یک دست ساغر سا بنا
گل سے بھی نازک بدن اس کا ہے لیکن دوستو   یہ غضب کیا ہے دل پہلو میں پتھر سا بنا
دشت میں بھی تیرے مجنوں کی تگر تدبیر ہے   خار وادی جنوں جو تیز نشتر سا بنا
یکا گریباں ہے بنا اس ماہ کا شکل ہلال   بلکہ تکمہ بھی گریباں کا ہے اختر سا بنا
در پہ اس پردہ نشیں کے آہ وقت انتظار   چشم کا حلقہ ہمارے حلقہ در سا بنا
کیا عجب خال سویدا گر جلے مثل سپند   سوزش الفت سے دل اپنا ہے مجمر سا بنا
عشق نے کیا جانیے کیا دل میں بھڑکائی ہے آگ   اب جو سینے میں مرے ہر داغ اخگر سا بنا

اے ظفر منظور تھا اس چشم کو عاشق کا قتل
اس لیے ہر سوئے مژگاں اس کا خنجر سا بنا

تو عبادت کو گر نہ جائے گا تیرا بیمار مر نہ جائے گا
لگے رنجیں گر وہاں جا سوس بندہ کیا دیکھ کر نہ جائے گا
سر سے جائے گی کب ترا سودا جب تلک میرا سر نہ جائے گا
تو بلاتا ہے غیر کو گھر میں ایسی باتوں سے گھر نہ جائے گا
قاصدا اشک کے سوا میرے کوئی واں نامہ بر نہ جائے گا
ساتھ اپنے کوئی بھی زیر زمیں غیر داغ جگر نہ جائے گا
ایک کالی بلا ہے نصف تری جو کہ دیکھے گا ڈر نہ جائے گا
لے چکے لوگ خوں بہا میرا کیا وہ قاتل مکر نہ جائے گا
شوق بوسہ رہا اگر دم نزع دم لبوں پر ٹھہر نہ جائے گا
گرچہ مرجائے گا ترا بیمار تو نہ جائے گا پر نہ جائے گا

تو اگر جائے گا تو ساتھ ترے
سایہ ساں کب ظفر نہ جائے گا

عشق میں استادیاں تک آپ کا مفتوں ہوا وحشت میں شاگرد اس کا آن کر مجنوں ہوا
حشر تک واں سے گل اورنگ سے اوگتا رہا کشتہ فندق تمہارا جسم جگر مدفوں ہوا
ایک شب وہ ماہ وش آیا نہ مہماں میرے گھر واہ اتنا بھی نہ تجھ سے گردش گردوں ہوا
جی نہیں لگتا جدائی میں تو مطلق شعر پر آہ کا مصرع ولایہ کس طرح موزوں ہوا
ہاتھ میں تیرے لگائی شب جو مہندی غیر نے رشک سے ہے لالہ دیاں بھی یہ دل پرخوں ہوا
اڑ گئی نیند آنکھ سے سنتے ہی بس اے قصہ خواں تیرا افسانہ مرے حق میں عجب افسوں ہوا
جام برکف گل ہے اور غنچہ سبو بردوش ہے کیا چمن میں آج پھر دور مے گلگوں ہوا
سرخ تھیں آنکھیں نشے سے ان میں پھر کاجل دیا دیکھیے وہ آج کس کے در پے شبخوں ہوا
دل کا یہ عالم ہوا لیتے ہی بوسہ خال کا جس طرح بیہوش کوئی کھاکے ہوا فیوں ہوا

جو کہ ہے قسمت میں ہوا ہوگا آخر کو وہی
اے ظفر کیا شکوہ اس کا یوں ہوا یاوں ہوا

اشک آستیں پہ میری مژگاں سے جھڑ کے پہنچا اس طفل نے تو پکڑا انگلی پکڑ کے پہنچا
ہے ضعف سے اٹھانا مجھ کو قدم بھی مشکل میں اپنے ہمرہوں تک کیونکہ بچھڑ کے پہنچا
کوئی گھڑی تو مجھکو آرام وصل میں دے اے فکر ہجر ابھی تے مجھکو نہ دھڑ کے پہنچا
یاں تک ہوں ناتواں میں پکڑو جو دامن اسکا جھٹ ہاتھ سے الگ ہو میرا اکھڑ کے پہنچا
سیلاب اشک اپنا اس یار کی گلی تک پہنچ تو سیکڑوں کے ہاں پاؤں پڑ کے پہنچا
گر صلح اس سے ہوتی یہ رنگ تو یہ نہ ہوتا اس حال کو عزیزو میں اس سے لڑ کے پہنچا
رعنائی میں ہے قامت تیرا کوئی قیامت کب سرو بانکپن کو تری اکڑ کے پہنچا
آیا جو یاد مجھکو اس کا گلے لگانا ! ! ! میں گور کے کنارے بس دم اکھڑ کے پہنچا
طے راہ عشق ہووے آسان کب کسی سے منزل پہ جو کہ پہنچا پاؤں رگڑ کے پہنچا
پھاڑا صبا گلوں نے اپنا جو یوں گریباں ہے کیا پیام ایسا گلشن میں تڑ کے پہنچا

پکڑا جو ہاتھ اس کا میں نے ظفر ہنسی سے
کس کس طرح چھڑا لیا اس نے پکڑ کے پہنچا

وہاں دل نہ لگاتا جو کوئی اور سا ہوتا
پہنچے نہ کٹاتا جو کوئی اور سا ہوتا

مہندے ترے پاؤں میں ہو اور خون بھرا دل
کیا رنگ دکھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

زلفوں کو دیا چھوڑ مجھے منہ تھا تمہارا
میں ٹھیک بناتا جو کوئی اور سا ہوتا

میں ہی تھا جو خاموش رہا سن کے تری بات
دو چار سناتا جو کوئی اور سا ہوتا

انصاف تو کر تو کہ مری طرح سے تیر
کب ناز اٹھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

کچھ قدر مری تو نے ستمگار نہ جانی
چھاتی سے لگاتا جو کوئی اور سال ہوتا

میں تنا کہ لیا بوسہ خط سبز کا تیرے
یوں زہر نہ کھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

اے شمع ترے جلتے ہی پروانے نے جاں دی
یوں جی نہ جلاتا جو کوئی اور سا ہوتا

دیں گالیاں تو نے ہمیں اور ہم نہ گئے دیکھ
منہ بھی نہ دکھاتا جو کوئی اور سا ہوتا

تیرا اس کا لگا دل میں نہ کی آہ بھی میں نے !
کیا شور مچاتا جو کوئی اور سا ہوتا

دل دے کے ظفر ہم نے کہا کچھ بھی نہ اس کو
سو فیل وہ لاتا جو کوئی اور سا ہوتا

بوسہ ظفر نہ مانگو کیا فائدہ اڑے کا
دل پھر لو نہیں تو سودا گلے پڑے کا

قبر شہید الفت لبریز ہے لہو سے
جانے دو کھولنا اب اچھا نہیں گڑیکا

کیا شیشہ قدح سے چلتا ہے کام میرا
ساقی تجھے قسم ہے منہ کھول دے گھڑیکا

چلے میں تم جبیں کے رہنے دو خال ابرو
میزان حسن میں یہ پاسنگ ہے دھڑیکا

ہالا نہیں فلاک پر ہے گرد ماہ شب کو
شاید کہ عکس ہے یہ اس پاؤں کے کڑیکا

نازک ہیں تیرے پہنچے حیران ہوں کہ ان سے
اٹھے گا بوجھ کیونکر اے سیم تن چھڑیکا

غیر از خدا ظفر یاں کوئی نہیں ٹھکانا
منعم کا اور گدا کا چھوٹے کا اور بڑے کا

دے میرے ہاتھ پہ گل غنچہ وہاں چھلے گا
بس نشانی کو یہ کافی ہے نشاں چھلے کا

جو گلے میں ترے عالم ہے عیاں چھلے کا
گردن شیشہ میں وہ لطف کہاں چھلے کا

اللہ اللہ رے نزاکت تری نازک اندام
بوجھ انگلی کو ہو معلوم گراں چھلے کا

حلقہ زن دیکھ نشے میں جو خط جام کو رات
تو ہوا بادہ پرستوں کو گماں چھلے کا

طوق قمری کے گلے میں نہیں شاید کہ ہے عکس
تری انگشت کے اے سردرواں چھلے کا

نیشکر کی سی ہوں پوریں جو تری انگلی کی
ہووے کس طرح سے شیریں نہ وہاں چھلے کا

ہالہ ماہ نہیں کوئی نمونہ ہے عیاں !
یہ تمہارے مگر اے ماہ رخاں چھلے کا

اے ظفر حلقہ گیسوئے پری رخ کے سوا
کام انگشت میں شانہ کے کہاں چھلے کا

جسے سمجھا تو کھٹکا شب کو دروازے کے پٹکا تھا
خدا جانے وہ سر کو کس نے در پہ تیرے پٹکا تھا

چمن میں شاخ سنبل کے لیے میں نے کئی بوسے
بندھا جو دھیان آنکھوں میں ترے گیسوں کی لٹکا تھا

گرایا خاک پر اے چشم طفل اشک کو ناحق !
کہ کرتا نیزہ مژگاں پہ میرے کام نٹ کا تھا

سزا ہے اے دل کج فہم جھٹنا تو بلا میں ہو !
تری شامت تھی کیوں تو جا لگے ان زلفوں میں لٹکا تھا

نہ کر دریا کشوں سے ساقیا اتنی تنک ظرفی
دیا ایک شیشہ مے اور مجھے درکار مٹکا تھا

مگر یہ گری فریاد بلبل کا اثر تھا کچھ !
لگا جس سے کہ طفل غنچہ کو گلشن میں چٹکا تھا

ظفر دل لے گیا تجکو گلی میں اس پری وش کی
وگرنہ اب تلک تو وہاں فرشتہ بھی نہ پھٹکا تھا

سر بستر تیری نگاہوں نے جگر کو چھانا
کثرت تیر نے آخر کو سپر کو چھانا

دل گم گشتہ نہ ہاتھ آیا بہت سا ہم نے
جو صبا خاک در رشک قمر کو چھانا

اس لطافت سے ہے سرخی ترے رخ پر گویا
صافی نور میں رنگ گل تر کو چھانا

پہنچے ترے لب و دنداں کی حلاوت کو کہاں
ہم نے سو بار اگر شیر و شکر کو چھانا

آبداری ترے دنداں کو جو دی خالق نے
چار نور میں خوب آب گہر کو چھانا

خاک چھانا کیا مدت وہ ترے کوچے میں
تو نے باتوں میں کہ جس خاک بسر کو چھانا

کرکری ہووے گی بد لوگوں کی شیخی ساری
امتحاں کر کے اگر میں نے ظفر کو چھانا

برائے بوسہ جو میں نے اسے ہنسی سے کہا
تو کیا کہوں مجھے کیا اس نے بے رخی سے کہا

ارادہ ہے جو میرے قتل کا تجھے قاتل
تو کھینچ تیغ کہ میں نے بھی ہاں خوشی سے کہا

پھرائیے دل عشاق کو جان دی اپنی
ولے نہ درد دل اپنا کبھی کسی سے کہا

قسم خدا کی تجھے قاصدا کہ یہ پیغام
نہ آفریں بھی کبھی تونے دل دہی سے کہا

اٹھائے لاکھوں ستم تیرے دے کے دل ہم نے
کہا ہے یار نے یا تو نے اپنے جی سے کہا

صدا نہیں یہ چٹکنے کی ، غنچۂ گل نے
لبوں کو دیکھ کے کچھ تیری بیکلی سے کہا

ہمیشہ کرتے رہے غیر کی طرف داری
کبھی نہ آپ نے اک حرف منصفی سے کہا

بھر آئے چشم اجل میں بھی یک بیک آنسو
تمہارے کشتہ نے کچھ ایسا بیکسی سے کہا

ظفر وہ دشمن جاں ہے اسے نسمجھو دوست
ترے جتانے کو یہ ہم نے دوستی سے کہا

بھویں بنا کے جو اپنی وہ مہ جمال آیا
نظر یہ رشک سے پھر چرخ پر ہلال آیا

کچھ ایسا ساغر صہبا کا شب خیال آیا
کہ پیار کاسۂ مہ پر مجھے کمال آیا

بغل سے لے کے وہ دل لوں بجائے مے تعلیں
کہ جیسے ہاتھ کسی کم بغل کے مال آیا

سوال بوسہ کریں کس اروش کہ اے جی
برنگ غنچہ پھلائے ہوئے وہ گال آیا

نمود رگ ہے نزاکت سے یوں گلو میں ترے کھلا یہ ہم پہ تو
کہ جوں صراحی بلوری میں ہووے بال آیا

اے بحر حسن دیکھ کے زلف
کہ ماہی گیر ہے کاندھے پہ لے کے جال آیا

تمہارے خال کے کھنے کی جو ہوئی بری
شریک فاتحہ ہونے کو خاص خال آیا

دکھا نہ جذبہ عشق اپنا دیکھ اے بلبل
یہ بیٹھے بیٹھے ترے جی میں کیا خیال آیا

روش پہ لوٹے ہے گل اس روش ہوا سے آج
کہ بن سرو دیے جیسے کسی کو حال آیا

جو کچھ نہ کہنا تھا وہ کہہ دیا ظفر اس سے
بخار اس دل کی وہاں ساری میں نکال آیا

لاغری سے حال اپنا کیا کہوں کیا ہوگیا　　میں زمیں پہ نقش پائے مور گویا ہوگیا
جل گیا گل کا جگر اس رونے آتش ناک سے　　قطرہ شبنم نہیں ہے یہ پھپھولا ہوگیا
اپنے زخمی سے ترقی کو تو جو بولا جنگ جو !　　ٹوٹے یوں زخموں کے ٹانکے اک تڑاقا ہوگیا
جبکہ دریا میں پڑا ساقی کا عکس تاب رخ　　ساغر خورشید اک حلقہ بھنور کا ہوگیا
آہ تھی میری کہ افعی اثر کے کاٹا چرخ کو　　زہر اس کا یہ چڑھا اس کو کہ نیلا ہوگیا
حسن جو تیرا دو چند آیا نظر تو شرم سے　　ماہ کامل جوں مہ یک ہفتہ آدھا ہوگیا
پشت لعل لب پہ جب نکلا زمرد فام خط　　ساغر یاقوت پہ گویا مینا ہوگیا
کھل گیا سارا جہاں گردوں پہ احوال زمیں !　　چشم کے مانند جب پاؤں کا چھالا ہوگیا
نشہ ترشی سے گھٹے ہے یہ الفت کا نشہ　　ترش ہونے سے تیرے یہ اور دونا ہوگیا

ہے یہ وحشت بھی بلا سوزی کہ تجھکو اے ظفر
ہر قدم پہ نیش کژدم خار صحرا ہوگیا

جو دیکھے رشک چمن کے بدن میں تنگ قبا　　نہ پہنے رشک سے غنچے چمن میں تنگ قبا
بغل میں لے کے تجھے تنگ شوخ سیمیں تن　　خوشی سے کیونکہ ہو اپنے تن میں تنگ قبا
سپاہی کو نہیں زیبا ہے پیرہن ڈھیلا　　پھبے ہے ہاں بدن تیغ زن میں تنگ قبا
نہ کیونکہ جامہ فانوس میں تجلی ہو شمع　　جو زیب بر ہو ترے انجمن میں تنگ قبا
جنوں کے ہاتھ سے میں گھر میں ہو رہا ہوں تنگ　　مرے ہے ہاتھ سے دیوانہ پن میں تنگ قبا

گلو ں اوس سی پڑ جائے اے ظفر گر ہو
عرق سے تر بہ نازک بدن میں تنگ قبا

جس وقت نظر کوئی وہاں اور ہے آتا　　اس وقت مرے دل میں گماں اور ہے آتا
میرے دل نالاں کے جو نالوں سے ہو نالاں　　کیا کوئی یہاں نالہ کناں اور ہے آتا
اے یاس و الم جاؤ مرے خانہ دل سے　　مہمان کوئی اب تو یہاں اور ہے آتا
جوں جوں لب شیریں سے مجھے دے ہے تو دشنام　　اک تجھکو مزا پہتہ وہاں اور ہے آتا

بولے وہ ظفر غیر سے سن کر مری فریاد
لو آج تو اک گرم فغاں اور ہے آتا

عارض پہ تیرے رنگ حنا گلبدن لگا　　ہو کیوں نہ شور دن دے مہ کر گہن لگا
گلشن میں اس کے جلوہ قامت کے سامنے　　مانند بید کانپنے سرو چمن لگا
کروٹ بدل کے سونے سے کیا خاک ہے مزا　　چپٹے سے سینہ اور بدن سے بدن لگا
گرنے سے تھم رہا ہے فلک میری آہ سے　　دیکھو تو کیا ستون پہ سقف کہن لگا
دم لینے کس کو دے ہے کہ دنبال عاشقاں　　پھرتا ہے بہر قتل وہ شمشیر زن لگا
پھولا بہ رنگ گل نہ سمایا میں آپ میں　　آ کر مرے گلے جو وہ گل پیرہن لگا
کیونکہ نہ اپنا روز خوشی ہو کہ اب ترا　　قسمت سے ہاتھ بوسہ سیب ذقن لگا
حیراں ہو خال گوشہ ابرو کو اس کے دیکھ　　ہے نیلوفر بداغ غزال ختن لگا

طرز سخن کا اپنی ظفر بادشاہ ہے
اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا

نیلو فر رہتا ہے جو پانی میں ڈوبا ہوا — یوں ہے اس رخ کے عرق میں خال اب ڈوبا ہوا
آئینہ کیا دیکھ تجکو اللہ اب حجاب میں ہے غرق — اپنی نظروں میں تو ہے لک طلب ڈوبا ہوا
گردش چشم بتاں سے کیا ہو دل کی مخلصی — حلقہ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا
دل سے کب بھولے ہے میرے اسکے زلف ورخ کی تاب — دھیان میں رہتا ہوں جس کے روز شب ڈوبا ہوا
پنجہ خورشید یا رو شفق آلودہ آج — دست قاتل یہ نہیں ہے خوں میں اب ڈوبا ہوا
پھانس سی کھٹکے ہے جی میں اسکی مژگاں کا خیال — ہے رگ جاں میں یہ نشتر بے سبب ڈوبا ہوا

دل سے جب کہتا ہے اپنے دمبدم یا بوتراب
بحر عصیاں سے ظفر نکلے ہے تب ڈوبا ہوا

گل صد برگ جو گل تونے اٹھا کر پھینکا — میں نے جانا دل صد پارہ کو دلبر پھینکا
اس ستمگر نے مجھے ٹکڑے جو کر کر پھینکا — تو کہیں پاؤں کہیں ہاتھ کہیں سر پھینکا
سوز عشق نے ساتھ آہ کے مانند سپند — مجر سینہ سے دل کو مرے باہر پھینکا
میکشی کرکے جو گلشن سے چلا وہ بدمست — توڑ کر گل کا صبا نے وہیں ساغر پھینکا
حرف مطلب کے قریب آیا جو میں باتوں میں — اس نے پھر دور مجھے بات بنا کر پھینکا
چھوڑا صیاد نے تجکو تو عجب حال کیا — پھٹکے پر نوچ کے اور توڑ کے شہپر پھینکا
ذبح کے بعد مرے وہ جو بہت پچھتایا — توبہ کی قتل سے اور ہاتھ سے خنجر پھینکا
باغ میں اور بھی خوش رنگ ہوئی گل مہندی — اس نے مہندی کو جو پاؤں سے چھڑا کر پھینکا
گنجفہ میں مرا سر دیکھ کے اس قاتل نے — درقبازی شمشیر ہے اکثر پھینکا
گل بازی کی طرح تو نے مجھے عالم مزیں — یاں سے واں، واں سے یہاں چرخ ستمگر پھینکا

ق

کیا کہوں کیسا وہ گھبرائے ہیں بیٹھے بیٹھے — میں نے شب گھر میں جو ان کے کوئی کنکر پھینکا
اٹ کے بھاگے بھی کہہ کر کوئی ہاں جاؤ شتاب — دیکھو کس نے ہمیں دیوار پہ پتھر پھینکا

ق

کچھ نہ پوچھو دل بیتاب کا میرے احوال — میں نے پہلو سے نکال اس کو جو باہر پھینکا
پاؤں پہ اس بت سفاک کے وہ یوں تڑپا — کرکے جیسے ذبح کسی نے ہو کبوتر پھینکا

دل کو بن جائے وہاں چین نہیں آنے کا
اے ظفر چل کے اسے یار کے تو گھر پھینک آ

تیرے پنجے کو کہاں پنچہ مرجاں پہنچا
جب نہ فندق کو ترے لعل بدخشاں پہنچا

نامہ بر میرا کہاں دیکھو عزیزاں پہنچا
جائے جس جانہ فرشتہ وہاں انساں پہنچا

اس کی پشت لب جاں بخش پہ نکلا خط سبز
خضر گویا کہ سر چشمہ حیواں پہنچا

بخیہ گر کون تھا جو چاک جگر کو سیتا
خوب بروقت تو اے ناوک جاناں پہنچا

چھوڑتا حشر تلک بھی نہ تجھے اے قاتل
ہاتھ بسمل کا نہ پرتا سرداماں پہنچا

غم میں اس پردہ نشیں کے ہے مرا ناک میں دم
اور صدمہ نہ مجھے اے غم جاناں پہنچا

آتش عشق سے جلتا ہے مراخانہ دل
جلد پانی کہیں اے دیدہ گریاں پہنچا

بھاگتا ہاتھ چھڑا کر تمہیں ہوتا معلوم
گرمرے ہاتھ میں آجاتا مری جاں پہنچا

دیکھئے صبح تری کون سے دن ہوتی ہے
میں تو مرنے کے قریب اے شب ہجراں پہنچا

دیکھتا شوق کے پاؤں تلک اس قاتل کے
سرمرالڑھ کے مثال در غلطاں پہنچا

اے ظفر پہنچے مرا ہاتھ کب اس دامن تک
ضعف سے جو نہ مرے تابہ گریباں پہنچا

جب استخواں سے یہ سوفار تیر کا ٹھہرا
تو مرغ تیر ترا طائر ہما ٹھہرا

عجب ہے سوز محبت سے دل مرا ٹھہرا
کہیں بھی آگ پہ سیماب ہے بھلا ٹھہرا

نہ ہاتھ تیغ زنی سیکھی ذرا ٹھہرا
ہماری جاں کو بلا کو وہ دوسرا ٹھہرا

یہ کس کی چشم کی گردش نے اس کو دی گردش
کہ آسماں نہ گردش سے اک ذرا ٹھہرا

دکھاتے جنبش مژگاں ہو دم بدم اپنی
گلے پہ کیا مرے خنجر ہے پھیرنا ٹھہرا

گئی نہ مر کے بھی میرے نصیب کی گردش
کہ سنگ قبر مرا سنگ آسیا ٹھہرا

نہ جاسکا کوئی جب یار تک مراقاصد
تو پیک اشک کا ناچار پہنچنا ٹھہرا

حرام میں نہیں حرمت بلا سے پیر مغاں
نکاح دختر رز سے کہیں مرا ٹھہرا

قلم نہ ٹھہر سکا پردم کتابت شوق
بہت یہ چاہا لکھوں ہاتھ کو ذرا ٹھہرا

ہر ایک دیکھ کے صورت کو میری ہنستا ہے
الٰہی میں کوئی دیوار قہقہا ٹھہرا

کبھی دکھاتا ہے صورت ہمیں برسویں دن
غرض وہ مہر لقا چاند عید کا ٹھہرا

تمہاری آنکھوں کی بیمار جو ہوئی نرگس
گیا چمن میں نہ پھر اس سے بے عصا ٹھہرا

بنایا سرمے کا حل اس نے چشم میگوں پہ
عجب ہے کشتی مے پر بھی ناخدا ٹھہرا

صفائی کیا کہوں میں اس کے روئے سادہ کی
ظفر یہ پائے نگہ جس پہ ہے ذرا ٹھہرا

گورکج فرواغ ہے اپنا
داغ اپنا چراغ ہے اپنا

کون کنج حزن میں ہے ساز
ایک دل سوز داغ ہے اپنا

اشک خونی ہیں بادہ گلگوں
دیدہ پرخوں ایاغ ہے اپنا

وعدہ وصل ہے جو اس گل سے
آج دل باغ باغ ہے اپنا

ڈھونڈتا ہے خدا کو تو زاہد
ہم کو قصد سراغ ہے اپنا

جب سے اس مہ جبیں کے عاشق ہیں
آسماں پر دماغ ہے اپنا

اے ظفر کیجے سیر و سعت دل
کہ یہی باغ وراغ ہے اپنا

ہم روئے ایسا تو نے جو ہم کو رلا دیا　　پانی میں ایک دکھائی فلک بلبلا دیا
اس شعلہ خو سے بزم جہاں میں لگا کے لو　　مانند شمع آپ کو ہم نے گھلا دیا
ہے خاک راہ یار چشمکی بھی کیمیا　　یہ عشق نے بتا ہمیں اک چٹکلا دیا
ایسا نہ ہو کہ غیر پہ کھل جائے مدعا　　قاصد نے میرا خط اسے جا کر کھلا دیا
سب یار کوچ کر گئے میری کھلی نہ آنکھ　　غفلت نے کیا کہوں مجھے کیسا سلا دیا
تم نہ کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں　　ہم نے تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا دیا

کھینچا جو نقش کلک تصور سے یار کا
نقاش چیں کو ہم نے ظفر چین بلا دیا

جگر سے یوں دھواں ہے بار بار اٹھا ہوا آتا　　کہ ہو جس طرح سے ابر بہارا اٹھا ہوا آتا
سریر سلطنت پر بیٹھتے آتا ہے ننگ اس کو　　ترے کوچے سے ہے جو خاکسار اٹھا ہوا آتا
پڑا ہے خاک پر ظالم تو کیا جب سر اٹھاتا ہے　　زمیں سے سوختہ دل داغدار اٹھا ہوا آتا
جلا کر شمع ساں جس کو اٹھایا تو نے محفل سے　　وہی جاں سوختہ دل داغدار اُٹھا ہوا آتا
خرام ناز سے تیرے سر رہ تیرے عاشق پر　　نظر ہے ایک فتنہ اے نگار اٹھا ہوا آتا
اڑاتا خاک آتا ہے ترا دیوانہ صحرا میں　　بگولا سا جو ہے یہ اک غبار اٹھا ہوا آتا

خدا جانے بھڑکتی ہے ظفر کیا آگ سینہ میں
کہ دم کے ساتھ ہے شعلہ سا یار اٹھا ہوا آتا

مرا دشمن اگرچہ زمانہ رہا ترا تو بھی دوست یگانہ رہا
نہ تو اپنا رہا نہ بگانہ رہا جو رہا سو کسی کا فسانہ رہا
مرا سینہ و دل مرا جان و جگر ترے تیر نگہ کا نشانہ رہا
رہی کثرت داغ بدولت غم مرے پاس ہمیشہ خزانہ رہا
گیا موسم گردش ساغر مے نہ وہ دور رہا نہ زمانہ رہا
رہیں خانہ خرابیاں جس کے لیے وہ رقیب کا رونق خانہ رہا

ظفر اس کی تو زلف میں دل ہے مرا
مرے پاس بلا سے رہا نہ رہا

منہ نظر آوے نہ کیونکر آنکھ میں اس یار کا　　آنکھ اپنی بن گئی ہے آئنہ دیدار کا
صفحۂ قرآں پہ کھینچے ہے اک جدول سیاہ　　مصحف رخ پر وہ سایہ زلف کا ہر تار کا
پاس ابرو کے مرصع کار پٹکے میں کہاں　　ہے میاں قبضہ جڑاؤ یار کی تلوار کا
زخم دل کو صاف کرتا ہے خیال خط سبز　　چارہ گر مرہم نہ رکھے بے فائدہ نگار کا
دیکھتا جھانکتا کہیں وہ مہروش شاید کہ ہے　　اختر صبح قیامت روزن اس دیوار کا

محو حیرت کیوں نہ ہو وہ اے ظفر آئینہ وار
دیکھنے والا ہو جو اس آئینہ رخسار کا

دے دیا دل اور نہیں یہ یاد وہ کس کو دیا
عشق کو کھودے خدا اس نے جہاں سے کھو دیا

تیرا اس ناوک فگن کا جب لیا دل سے نکال
چارہ گر کے سامنے زخم جگر نے رو دیا

خواہ وہ داغ جنوں تھا خواہ کوئی اشک خوں
ہم نے سر آنکھوں پہ رکھا عشق تو نے جو دیا

دین و ایماں، جاں و دل، ہوش و خرد صبر و قرار
اک جگہ پر ہم نے کیا کیا تم کو دیکھو تو، دیا

عرصہ یک دم پہ دریا میں ابھرتا ہے حباب
ہستی موہوم نے کیا اس کو دم دیکھو دیا

میرے گریے نے نہ دھویا دل سے میرے ایک داغ
اور اس کے دل سے اب حرف محبت دھو دیا

دیکھنا رنگ محبت کیا دکھاتا ہے بہار
تختہ دامن پہ اشک خوں نہ لالہ بو دیا

اب دل آزادی کرے وہ خواہ دلداری کرے
اے ظفر اس دلربا کو ہم نے دل اب تو دیا

ہاتھ قاتل تری تلوار کا ایسا چھوٹا
سارے جھگڑوں سے جہاں کے ترا شیدا چھوٹا

چھٹ گیا ہاتھ سے دامن دم بسمل تیرا
پر ذرا خوں ترے دامن سے نہ میرا چھوٹا

عکس چشم اس کا نظر آئے ہے یوں آئنے میں
جیسے تالاب میں ہو کوئی تو اڑا چھوٹا

نوک مژگاں نے تری ایسا ڈبویا نشتر
رگ جاں سے مرے فوارہ لہو کا چھوٹا

سوزش غم ہے تماشا کوئی آتشبازی
نالہ کیا سینے سے نکلا مرا چکا چھوٹا

نہیں تلووں سے ملے دیدہ تر تو نے کیوں
رنگ مہندی کا کف پا سے اتارا چھوٹا

کو بکو چھوٹے مرے واسطے لاکھوں جاسوس
مجھ سر پر کوچہ جاناں کا نہ جانا چھوٹا

اڑ کے جا سکتا نہیں تا سر دیوار چمن
دام صیاد سے چھوٹا بھی تو میں کیا چھوٹا

آخرش لے ہی لیا تیغ نے لب کا بوسہ
اے ظفر یہ نہ لب زخم سے لپکا چھوٹا

جبکہ شب دیز قلم قرطاس پر جولاں کیا
تب قلم و میں سخن کا اک قلم میداں کیا

چشم بینا ہے تو دیکھو ہے تجلی طور کی
دل میں اپنے جو شہر ہر سنگ نے پنہاں کیا

تو نے یارب کس رخ روشن کی لکھنے کو ثنا
صفحہ چرخ پر انجم سربسر افشاں کیا

مل گئی ہیں خاک میں ہیہات کیا کیا صورتیں
چشم نقش پا کو مثل آئینہ حیراں کیا

دیکھ غافل صانع قدرت کی تو صنعت گری
ایک مشت اک کو کیا صورت انساں کیا

جلوہ فرما جب یہاں دیکھا اسی کو ہر طرف
رتبہ دیر و حرم کو ہم نے پھر یکساں کیا

آشنائی کر کے پیدا تم نے بحر عشق سے
عزم رفتن سیر کی مشکل و غلطاں کیا

بار عصیاں لے چلے ہم سر پہ دھر سوئے عدم
خاک اے ہمدم سفر کا ہم نے اب ساماں کیا

اپنی غفلت پہ ظفر جائے تاسف ہے کہ آہ
ہم نے سب کچھ جان کر پھر آپ کو ناداں کیا

صبحدم کیا ترے کوچے میں میں ہو کر آیا
تجھکو پایا جو نہیں خوب میں رو کر آیا

اس سے بازی جو لگا کھیلنے میں چوپڑ کی
مایہ زندگی اپنی کو بھی کھو کر آیا

چھڑ گئی شیخی تری روبرو میرے اے اشک
تو غبار اس کے نہ دل سے کبھی دھو کر آیا

جس نے تجھ سے بہت خونخوار لڑائیں آنکھیں
تیغ مژگاں سے اے اپنی تو دو کر آیا

پوچھ خاموشی کو مت میری تو اے غنچہ دہن
دل مرا جانتا ہے مجھ سے تو جو کہ آیا

چشم کا نام نہ لے لڑنے کا اب تو اے یار
کام کو اپنے تو ہے آپ ڈبو کر آیا

پیرہن سے ترے بو آتی ہے خوشبو کی ظفر
ساتھ تو کون سے گلرو کے ہے سو کر آیا

پان کھا کر سرمہ کی تحریر پھر کھینچی تو کیا
جب مرا خوں ہو چکا شمشیر پھر کھینچی تو کیا

اے مہوس جبکہ زر تیرے نصیبوں میں نہیں
تو نے محنت بھی لیئے اکسیر پھر کھینچ تو کیا

گر کھینچے سینہ سے ناوک روح تو قالب سے کھینچ
اے اجل جب کھنچ گیا وہ تیرے پھر کھینچی تو کیا

کھینچتا تھا پاؤں میرا پہلے ہی زنجیر سے
اے جنوں تو نے مری زنجیر پھر کھینچ تو کیا

داری پہ اس نے کھینچا جب سر بازار عشق
لاش بھی میری لئے تشہیر پھر کھینچی تو کیا

کھینچ اب نالہ کوئی ایسا کہ ہوا اس کو اثر
تو نے اے دل آہ پرتاثیر پھر کھینچی تو کیا

چاہئے اس کا تصور ہی سے نقشہ کھینچنا
دیکھ کر تصویر کو تصویر پھر کھینچی تو کیا

کھینچ لے اول ہی سے دل کی عنان اختیار
تو نے گرائے عاشق دلگیر پھر کھینچی تو کیا

کیا ہوا آگے اٹھائے گر ظفر احسان عقل
اور اگر اب منت تدبیر پھر کھینچی تو کیا

مر جایئے یا کچھ وہ کے دھیاں کسی کا
دنیا میں نہیں کوئی مری جان کسی کا

ملنے کا تجھے رہتا ہے ارمان کسی کا
لیتا ہے جو نہیں نام کسی آن کسی کا

ٹکڑا نہیں اے دست جنوں ایک بھی چھوڑا
داماں سے لے تا بگریباں کسی کا

یہ سنگ دلی اپنی تم اب چھوڑ دو اتنی
دل توڑتے کیوں ہو بتو ہر آن کسی کا

اے لالہ رخاں تن مرا گلخوردہ ہے جیسے
ایسا نہیں یک دست گلستان کسی کا

ہوتی ہے بری عشق کی آتش یہی ڈر ہے
گھر پھونک نہ دے آتش سوزان کسی کا

طے منزل عشق اس سے یہ کب ہوسکے یارو
لٹ جائے سر راہ جو سامان کسی کا

الطاف و کرم غیروں پہ رہتا ہے تمہارا
تم جانتے ذرہ بھی نہیں مان کسی کا

سوجھی مجھے رونے سے ہے دن رات کی واللہ
گھر دینگے ڈبو دیدہ گریان کسی کا

زلف و رخ جاناں سے جو ہے دوستی واللہ
ہندو نہ کسی کا نہ مسلمان کسی کا

تیرے تپ غم میں یہ سدا پہنچی ہے نوبت
پھر کیوں کہ بجا ہووے اب اوسان کسی کا

اب قافیہ و بحر ظفر پھر غزل لکھ
ہٹ جائے نہ جانب سے ترے دھیان کسی کا

دلا دور سے دیکھ جانا کسی کا
نہ جانا کسی کا، نہ جانا کسی کا

عزیزو مرے آگے جزو ذکر دلبر
نہ لانا کسی کا، نہ لانا کسی کا

نہ سمجھا تو ناصح کہ مدت سے میں ہوں
دوانا کسی کا، دوانا کسی کا

نہ ملا کرو میری جانب سے اب تم
لگانا کسی کا، لگانا کسی کا

مجھے یاد آتا ہے قفس قفس کے یارو
رولانا کسی کا، رولانا کسی کا

برا ہی سمجھ دل میں اچھا نہیں ہے
ستانا کسی کا، ستانا کسی کا

کبھی تو سنا کرو ذرا گوش دل سے
فسانا کسی کا، فسانا کسی کا

ترے حق میں اچھا نہیں ستمگر
کڑھانا کسی کا، کڑھانا کسی کا

مری کیونکہ خاطر نشاں ہو کہ دل ہے
نشانا کسی کا، نشانا کسی کا

مجھے یاد کرکرکے آنسو بہانا !
بہانا کسی کا، بہانا کسی کا

قوافی ظفر پھیر کر پڑھ غزل تو
رہے تا نہ آگے ٹھکانا کسی کا

نہ دل توڑ یو اے ستمگر کسی کا   کہا بھی تو مانا کیا کر کسی کا
نہ کیوں تنگ ہوں کشمکش سے قفس کی   نہ باقی رہا ایک شہپر کسی کا
بھلا ہووے کس رو سے اب غنچہ روکش   کہاں منہ ہے اس کے برابر کسی کا
دل اس کا ملاؤں میں کن دل سے کیونکر   کہ بس کب چلے ہے کسی پر کسی کا
کمر کا جواب اس کی عالم ہے ہمدم   نہ دیکھا کوئی ایسا خنجر کسی کا
یہ جی چاہتا ہے کہ سر ہی سے ماریں   اٹھا کر ہم اب در سے پتھر کسی کا

بدل بحر اور قافیہ کو ظفر اب
کہ خوش ہووے دل تا سراسر کسی کا

الفت کا ملا ہم کو مزا یار کسی کا   بیجا کبھی ہوتا نہیں اقرار کسی کا
گر ہم ہیں گنہگار تو کر خاک کا پیوند   پردہ نہ اٹھا چرخ ستمگار کسی کا
جو آئینہ اب حیرت دیدار سے تیرے   رہتا ہے کھلا دیدہ بیدار کسی کا
رونے کا رہے گا یہی عالم تو پھر اک دن   گھر دے گا ڈبا دیدہ خونبار کسی کا
شانہ سے نہ حل کیونکہ کرے اب وہ سراسر   دل زلف بتاں میں ہے گرفتار کسی کا
تک یوں ہیں خبر برق صفت آ کے لیا   پہلو میں تڑپتا ہے دل زار کسی کا

مستغنی تو کونین سے رکھ اپنے ظفر کو
محتاج نہ کر حیدر کرار کسی کا

عشق نے دس دم دیار دل میں آ ہو کا دیا   نالہ سوزاں نے سینے میں مرے لوکا دیا
ڈر نہیں جلاد کچھ تیغ ستم کا اب تری   خم دکھا ہی اس نے ہم کو اپنے ابرو کا دیا
کیوں نہ ہم قاصد کے منہ کی لیں بلائیں دمبدم   جس نے لا پیغام وصل اب ہم کو مہرو کا دیا
شمع کی حاجت نہیں گور غریباں پہ دلا   تربت مجنوں پہ بس ہے چشم آہو کا دیا
قشقہ سیندور ہے یا قتل کر عاشق کو آہ   تو نے ماتھے پہ ہے ٹیکا اس کے لہو کا دیا
تیرہ بختوں پہ پریشانی ہوئی اک اور بھی   تار اس نے توڑ جو ہیں اپنے گیسو کا دیا

اعتبار صبر و طاقت خاک میں رکھو ظفر
فوج ہندوستان نے کب ساتھ ٹیپو کا دیا

ساغر جو بکف اے بت مے نوش سنبھالا   تو نے مگر اس دور میں اب ہوش سنبھالا
دل ہووے نڈھال آہ بھلا کیونکہ ہم ہمدم   قاتل نے تو تیغے کو سردوش سنبھالا
کیفیت چشم بت بدمست کو اب دیکھ   کچھ ہوش نہ تو نے دل بے ہوش سنبھالا
ساقی نہ حباب اس کو سمجھ موج نے یہ آب   رکھ کاسہ گرداب سردوش سنبھالا
شب ہالہ مہ چرخ پہ کھاتا ہی رہا چرخ   بالا جوالت تو نے سر گوش سنبھالا
اس صید فگن نے مرے اس اہوئے دل پر   کل چھوڑ کے ہرگز نہ سیہ گوش سنبھالا

گرتا تھا ظفر رات کو وہ نشہ مے سے
پر میں نے اسے ہو کے ہم آغوش سنبھالا

جو تارِ اشک نہیں چشم سے یہاں ٹوٹا　　الٰہی نوح کا طوفان ہے کہاں ٹوٹا
سکے گا پھر نہ کسی سے یہ رشتۂ الفت　　کبھو جو ہاتھ سے تیرے اے بدگماں ٹوٹا
نہیں جو غیر سے کی تو نے شب ہم آغوشی　　تو کیونکہ بند قبا پھر یہ میری جاں ٹوٹا
قلم کرے گا سر باغباں وہ رشکِ چمن　　جو اس کے ہاتھ سے بلبل کا آشیاں ٹوٹا
نہ ٹانکا لگ سکا زرگر سے بھی صبا اس میں　　جو تیرے ہاتھ سے غنچے کا عطر داں ٹوٹا
جہاز چشم تباہی میں آگیا جوں ہی　　مژہ کا بار مخالف سے بادباں ٹوٹا
ہمارا شیشۂ دل گر کے تیرے ہاتھوں سے　　ہزار حیف ہے محفل کے درمیان ٹوٹا
تمام بادہ کشی خاک میں ملی ساقی　　بس اپنے حق میں یہ اک کوہ ہے گراں ٹوٹا

خیال خال رخ اس کے کا دل کو کیا ہے ظفر
یہ ہوگا دانہ پہ ہے مرغ بوستاں ٹوٹا

بعد خط ملنے کا قاصد نے جو پیغام دیا　　سر قلم اس کا کیا اس نے یہ انعام دیا
دل دکھائی جو تہ زلف سیہ فام دیا　　غم دیا اور درد دیا تحفۂ ناشام دیا
خاک آرام مرے دل کو دل آرام دیا　　دل لیا ایک تو اور دوسرے سے الزام دیا
طپش دل کو لگی آگ کہ یارب جس نے　　بعد مردن بھی تہ خاک نہ آرام دیا
رشک مہ کی کہوں کیا اپنے شرارت کہ سحر　　چرخ خورشید فلک کو بہ لب بام دیا
یاد بھولی ہے کب اس چشم کی گویاروں نے　　کبھی نرگس کو دکھایا کبھی بادام دیا
خم کے خم پی گئے یاران سبوکش لیکن　　ہم کو اس دور میں ساقی نے نہ اک جام دیا
قطرہ اشک زمیں پر نہیں مژگاں سے گرے　　نخل الفت نے ہمیں یہ ثمر خام دیا
جوں جرس کی دل مجنوں نے جو فریاد سدا　　جانے ناقے کو جو لیلیٰ نے نہ یک گام دیا
جیب و دامن میں جو باقی نہ رہے گا کچھ بھی　　نظر آئے یہ اس آغاز کا انجام دیا
تو سدا چاہا کرے اور بیٹھے جاؤں میں　　خوب اے دستِ جنوں تو نے مجھے کام دیا

اے ظفر دیکھو کہ اس آہ رسانے اپنی
گنبد کہنۂ افلاک کو کیا تھام دیا

یوں تو جانا تمہیں منظور جہاں ہو جانا　　پہ جو آنا ہو ادھر سے تو یہاں ہو جانا
آنسوں کا مری آنکھوں سے رواں ہو جانا　　اور مرا راز نہاں سب پہ عیاں ہو جانا
دوستی کے ہیں سب انداز تمہارے معلوم　　پہ کہیں تم نہ مرے دشمن جاں ہو جانا
مژہ یار کو کیا جانے سکھایا کس نے　　جگرو دل میں مرے تیرو سناں ہو جانا
دے دیا ہم نے دل اس جان جہاں کو اپنا　　تھا نصیبوں میں جو رسوائے جہاں ہو جانا
عشق دم باز اگر ہو تو عجب کیا جوں نے　　استخواں کا مری لبریز فغاں ہو جانا
یوں تو پروانہ بھی جل جائے ہے پر مشکل ہے　　عشق میں میری طرح سوختہ جاں ہو جانا
دیکھتے جاؤ مری جان ہے جاتی کیونکر　　ابھی بالیں سے مرے جاتے کہاں ہو جانا
رو سیاہی ہے فقط نام و نشاں کی خواہش　　اے نگیں چاہئے بے نام و نشاں ہو جانا
گھر سے عاشق کے نہ جانا تھا خفا ہو کے تجھے　　کر ترا جانا اور اس کو خفقان ہو جانا

ہم کو دکھلائے ہے ہر لحظہ جمال جاناں !
دل کا صاف اپنے ظفر آئینہ ساں ہو جانا

کیا بلا دل میں ہوئی سوزش پنہاں پیدا   ہے دم سرد میں بھی آتش سوزاں پیدا
رہی افسوس سدا طوق بگردن قمری   کو ہوا سروچمن صورت سوہاں پیدا
اس کے ہونٹوں میں اگر پان کی سرخی ہو نمود   کان الماس میں ہو لعل بدخشاں پیدا
رہ گئے ٹوٹ کے جو پاؤں میں خار سردشت   چشم پر آبلہ ہوگئیں مژگاں پیدا
خاکی پہ کشتۂ مژگاں کی اگر ہو گلبن   جائے غنچہ سر ہر شاخ ہو پیکاں پیدا
حلقۂ زلف میں بالے کے کہاں ہیں موتی   دہن مار سیہ میں ہوئے دنداں پیدا
اس کے رخسار خط کی کہوں کیا تعریف   کہیں اس خط کا جہاں میں نہیں قرآں پیدا
اشک مژگاں پہ ہے سو نیزے چڑھاتا پانی   چشم تر کوئی یہ لڑکا ہوا طوفاں پیدا
نہ گئی سوزش خار الم خاک میں بھی !   میری تربت پہ ہوئے نخل مغیلاں پیدا

کون تھا بار امانت کا اٹھانے والا !
گرچہ دنیا میں نہ ہوتا ظفر انساں پیدا

داب سرکس کا تم اور ہاتھ دباؤ کس کا   سب دخل آپ کے ہیں، تم کو دباؤ کس کا
اپنے کوٹھے پہ جو کی آپ نے دیوار بلند   دیکھا اے پردہ نشیں تم نے دکھاؤ کس کا
ہوئے ہم چشم مرے اشک رواں دریا سے   دیکھیے دو میں زیادہ ہو بہاؤ کس کا
رکھتے ہیں سینکڑوں وہ سوزن مژگاں لیکن   کوئی پوچھے کہ سا آپ نے گھاؤ کس کا
رات دن رہتے ہو تم خانۂ دل میں میرے   گھر تمہارا نہیں تو ہے یہ بتاؤ کس کا
اس قدر آج جو بگڑا ہے مرا دل مجھ سے   نہیں معلوم کہ دیکھا ہے بناؤ کس کا

اے ظفر کرتے ہیں سب ان سے لگاوٹ لیکن
کس کا لگا ہو وہاں اور لگاؤ کس کا

لے جاؤ جی اگر تم بیٹھے ہووے کے دھرا   پہ کوئے دوستی میں واں پھر قدم نہ دھرا
ملتا نہ تو عدو سے ہم کو پڑے گا مرنا   ایسا ستم نہ کرنا ظالم خدا سے ڈرنا
جاتی ہے گلی میں اس غیرت چمن کی   برباد خاک میری پر اے صبا نہ کرنا
جب تک نہ کشتی، مے ہاتھ آئے اپنے ساقی   دریائے رنج و غم سے ہو پار کب اترنا
چھپ چھپ کے تم ہو جاتے گھر غیر کے ہمیشہ   ہم جانتے ہیں ناحق ہے آپ کا مکرنا
بحر جہاں میں غافل ہستی پر ایک دم کی   مثل حباب دریا کیا چاہیے ابھرنا
مر جائیں گے بلا سے پر تیرا دم بھریں گے   ہم تو سمجھ چکے ہیں مرنا اب اور بھرنا
قینچی کی طرح ظالم تیری زبان ہے چلتی   کچھ بیٹھے بیٹھے میرے حق میں نہ گل کترنا

کیا کیا ہوا پریشاں دل اے ظفر ہمارا
یاد آیا اس کے رخ پر جب زلف کا بکھرنا

جوش آب گریہ سے ہر موئے مژگاں گل گیا   ہے یہ کیا سیلاب جس سے سب نیاں گل گیا
پہلے اشک شور پہنچے تو گلی کچھ آ گئیں   بہ کے جب آئے گلے تک سب گریباں گل گیا
مجھ سے جب دست و گریباں یار کے در پر ہوا   یا الٰہی کیوں نہ اس دم دست درباں گل گیا
فصل گرما میں ہو تو اتنا کس سے ہم بغل !   پیرہن تیرا پسینے سے مری جاں گل گیا
دیکھیے کیا ہو کہ تختہ تختہ کشتی کا مری   بحر بے پایاں میں ہے اے شور طوفاں گل گیا
آبلوں سے پائے مجنوں کے جو ٹپکا آب گرم   جل گیا کوئی کوئی خار مغیلاں گل گیا

اے ظفر افسوس واں ہرگز گلے اپنے نہ ڈال
گوشت سب شوراب حسرت سے مریاں گل گیا

ہم نے سبھی کو عشق میں بدظن بنا لیا   تھا دل جو دوست اس کو بھی دشمن بنا لیا
مشق ستم رہی وہی اس کی کہ جب تلک   ہر استخواں کو میرے نہ قط زن بنا لیا
دعوی تھا ایک عمر سے اسلام کا ہمیں   اس بت نے ایک دم میں برہمن بنا لیا
آنکھوں نے تیری سحر کیا اک نگاہ میں   دیوانہ مجکو اے بت پر فن بنا لیا
قصر بہشت تجھ کو مبارک ہو زاہدا   ہم نے تو کوے یار میں مسکن بنا لیا
اللہ رے تیری سنگ دلی تو نے اپنا دل   پتھر بنا لیا کہ آہن بنا لیا

بگڑا مزاج دیکھئے کیسی ہے ظفر
منہ اس نے یوں جو پھیر کے چتون بنا لیا

بے ضبط فغاں راز نہاں ہو نہیں سکتا   اور تجھ سے دلا ضبط فغاں ہو نہیں سکتا
بے طاقتی دل سے یہ عالم ہے کہ اب تو   اشک آنکھ سے بھی میری رواں ہو نہیں سکتا
سر تا بقدم شمع صفت گو کہ زباں ہوں   پر سوز غم عشق بیاں ہو نہیں سکتا
جب تک وہ خفا مجھ سے ہیں سن لو یہ طبیبو   کچھ میرا علاج خفقاں ہو نہیں سکتا
ہم چشم مری چشم سے ہو ابر تو کیوں کر   اس طرح وہ خوننابہ فشاں ہو نہیں سکتا
کیا جانے بلا کیا ہے ترا غمزہ کہ جس سے   جانبر کوئی اے آفت جاں ہو نہیں سکتا
جب تک نہ قلم شہپر عنقا سے بنائیں   تحریر ترا وصف دہاں ہو نہیں سکتا
بدنام تو عشاق ہیں سب عشق میں لیکن   مجھ سا کوئی رسوائے جہاں ہو نہیں سکتا

سودائے محبت میں ظفر سود ہے لیکن
جب تک کوئی سودائے جہاں ہو نہیں سکتا

میں ہوں وہ تفتہ جاں جو لگے پشت کو ہوا   بھڑکائے دل میں آتش زردشت کو ہوا
رنگیں کرو لہو سے مرے اپنی انگلیاں   بتاؤ رنگ فندق انگشت کو ہوا
غنچے چمن میں گانٹھ کا پورا ہے پر صبا   جب تک کھلی نہیں ہے ذرا پشت کو ہوا
کرتی ہے تیری تیغ تبسم سے باغ میں   ہر صبح تازہ طرز زد و کشت کو ہوا

چل بہشت اس ادا سے وہ کہتا ہے اے ظفر
ہوتی ہے جان سنتے ہی چل بہشت کو ہوا

آبلہ داغ میں ہے یہ سر سینہ اونچا   کہ جڑا خاسہ خاتم میں نگینا اونچا
رفعت جاہ کو ہے ہمت عالی درکار   اونچے کوٹھے کے لیے چاہئے زینا اونچا
سربلندی کے لیے ذوق ہے ہاں عجز و نیاز   کیونکہ جھک جائے کہ ہے گنبد مینار اونچا
پوچھ پستی و بلندی زمانے سے یہ حال   کہ سر مہر ہے نیچا سر کینا اونچا
چشم کو سرمیں لی جائے سب اعضا سے بلند   دیکھ ہے مرتبہ مردم بینا اونچا
گوش زد چرخ دنی کے ہو مری کیا فریاد   کہ نہایت ہی یہ سنتا ہے کمینا اونچا

ہم نشیں ہو سکے زردار کا مفلس کیونکر
اے ظفر چاہئے اونچے کا قرینا اونچا

جس کھلکھلا کے ساقی گل فام ہنس پڑا
شیشے نے قہقہے کیے اور جام ہنس پڑا

غنچے کا منہ ہے کیا کہ تبسم کرے گا پھر
گلشن میں گروہ شوخ گل اندام ہنس پڑا

نداں کی تاب دیکھ کے انجم ہوئے خجل
وہ مہ جبیں جو شب کو لب بام ہنس پڑا

کچھ تو خوش آئیں مجھ کو تری بدزبانیاں
میں سن کے تیرے منہ سے جو دشنام ہنس پڑا

تھا غنچے دل گرفتہ نہایت ہی باغ میں
پر کچھ دیا صبا نے جو پیغام ہنس پڑا

سیراب آب تیغ سے ہو کر برنگ گل
ہر ایک زخم عاشق ناکام ہنس پڑا

جس رات ٹھہری آنے کی اس برق وش کی یاں
گھر کا مرے چراغ سرشام ہنس پڑا

بارش کے وقت چمکے ہے بجلی بھی کیا ہوا
رونے پہ مرے گروہ دلآرام ہنس پڑا

کیا بات یاد آگئی اس کو اے ظفر
وہ یک بیک جو سن کے مرا نام ہنس پڑا

وہ نہ آیا یار لائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا
اس کا آنا بن بلائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

ضبط میں کرتا تھا نالہ تاز ہوا فشائے راز
چشم نے آنسو بہائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

تو نہ تھا دلبر اس سے ہوگیا بیزار دل
کون تجھ کو جتائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

وصل ظاہر تو نہ ہوتا تھا نہیں اس کا نصیب
خواب میں وہ چھپ کے آئے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

عشق کا حاصل نہ تھا ہم کو مزا بے زخم دل
زخم بھی لو ہم نے کھائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

صبر گر ہوتا نہ میں رسوائے خلق
کہتے ہیں اپنے پرائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

دے کے اس بیدرد کو دل ہوں ظفر میں دردمند
واہ دکھ بیٹھے بٹھائے یوں نہ تھا تو یوں ہوا

کوچے میں ترے تنہا ہر شب مجھے ہو جانا
دو چار گھڑی اپنا دل کھول کے رو جانا

بے طرح مجھے آنکھیں ہر لحظہ دکھاتے ہو
نشتر کہیں مژگاں کے دل میں نہ چبھو جانا

وہ تم سے ملے جس کی تقدیر میں جلنا ہو
دل دے کے تمہیں ہم نیا ہے شعلہ رخو جانا

کہتے ہو کہ جاتا ہوں مانع نہیں میں لیکن
احوال جو ہے میرا تم دیکھ لو جانا

زنجیر بپا دیکھا جب موج سے جوہر کی طرح
دیوانہ ترا ہم نے پھر آئنہ کو جانا

اے بے خبرو ' دنیا یہ مزرع عقبےٰ ہے
جز تخم نکوئی تم کچھ اور نہ بو جانا

قطعہ

اے حضرت دل جاؤ گر زلف کے کوچے میں
تو مجھ کو بھی ساتھ اپنے دنیا سے نہ کھو جانا

اس شوخ پری رو کی تم دیکھتے ہی صورت
سودائی نہ بن جانا دیوانہ نہ ہو جانا

نیند آئے ظفر کیونکر یاد آئے جو شب مجھ کو
سر رکھ کے سر زانو اس یار کے سو جانا

دیا ہے جس نے وہاں تک خیال کو پہنچا
مرے خیال میں ہے وہ کمال کو پہنچا

مشابہت ہے اسے نعل نقش پائی سے
فلک پہ رتبہ اسی سے ہلال کو پہنچا

بہت ہوا مہ کنعاں کا شہرہ خوبی
ولے نہ یار کے حسن و جمال کو پہنچا

ہوائے گل نے جو بہکا دیا مجھے صیاد
چمن میں توڑ کے میں وہیں جال کو پہنچا

تجھے بھی رنج جو پہنچا کسی سے خوب ہوا
اذیت اور دل پہ ملال کو پہنچا

ہر ایک کرتا ہے احوال پہ مرے افسوس
غم فراق سے میں ایسے حال کو پہنچا

کیا تصور بوسہ اگر کبھی میں نے
تو صدمہ اس گل خوبی کے گال کو پہنچا

پہنچ چکا ہے مرا وقت آج اے قاصد
جو تو نہ لے کے نوید وصال کو پہنچا

کیا ہے تو نے ظفر گرچہ دل کو یار کی ملک
تو اپنے پاس نہ رکھ اس کے مال کو پہنچا

پوچھے یاروں سے کہتا یار کیا تھا کیا ہوا
آج تک کھلتا نہیں اقرار کیا تھا کیا ہوا

نالے کرتے کرتے گو مر جائیں اس کوچے میں ہم
وہ نہ پوچھے غل پس دیوار کیا تھا کیا ہوا

دیکھ تو آئینے میں اپنے خط عارض کو تو
تیرا عالم اے پری رخسار کیا تھا کیا ہوا

پھرتا جس نازنیں سے یہ ہے پتلا خاک کا
پوچھتا بعداز فنا وہ نار کیا تھا کیا ہوا

کرتے تھے اخلاص دل لینے کو سو دل لے چلے
کیا بتاؤں میں کہ ان کا پیار کیا تھا کیا ہوا

ہوگیا جو کچھ کہ ہونا تھا مری تقدیر میں
کیا کہوں میں تجھ سے اے غمخوار کیا تھا کیا ہوا

حال دل سن کر وہ بگڑے تھے مجھے امید لطف
ہائے میں سو چارہ دم اظہار کیا تھا کیا ہوا

چھپتی ہے شیریں کوئی تاثیر خون کوہکن
دیکھ رنگ لالہ کہسار کیا تھا کیا ہو

کیا برا ہے درد فرقت دو ہی دن میں دیکھ لو
حال تیرا اے ہم دل بیمار کیا تھا کیا ہوا

سرکشی کرتا ہے کیا کیا اپنی ہستی پر حباب
دیکھنا یک دم میں یہ پندار کیا تھا کیا ہوا

لے گیا وہ نیم غمزہ میں جو دل کو اے ظفر
ہوگیا حیران میں یک بار کیا تھا کیا ہوا

مرا تو حال ہوا آپ کی فرقت میں یوں ہی تھا
مجھے شکوہ نہیں تم سے مری قسمت میں ہی تھا

رقیب اشفاق پر ان کے اگر نازاں ہیں ہونے دو
کہ ان کا ڈھنگ ہم سے بھی نئی شفقت میں یوں ہی تھا

نہ بولے منہ سے کچھ غیروں میں ہم اچھا کیا ہم نے
ہمیں خاموش رہنا لازم اس صحبت میں یوں ہی تھا

اڑائی خاک ہم نے خوب تھی مجنوں کیا طاقت
کہ وہ تو گیا اس وادی وحشت میں یوں ہی تھا

پذیرا عرض غیروں کی ہوئی اس طرح کیا باعث
گزارش کرتا بندہ بھی تو واں خدمت میں یوں ہی تھا

تم اچھے وقت آپہنچے وگرنہ ہم تو مر جاتے
ارادہ ہو چکا اپنا غم فرقت میں یوں ہی تھا

دل بیمار جب ہم نے کہا تھا کر علاج اپنا
کہ آیا فرق کچھ تیری ابھی طاقت میں یوں ہی تھا

نہ تھی جائے گریز اے دل اگر تجھ کو محبت میں
تو آیا تو ارے دیوانے اس آفت میں یوں ہی تھا

دکھا کر غیر کو صورت مجھے کیوں رشک سے مارا
کہ میں تو مر رہا دیدار کی حسرت میں یوں ہی تھا

ظفر تم دیکھتے ہو جس طرح آئینہ کو حیراں
کل ان کو دیکھ کر میں بھی رہا حیرت میں یوں ہی تھا

کیا کہوں دل مائل زلف دوتا کیوں کر ہوا
یہ بھلا چنگا گرفتار بلا کیونکر ہوا

جن کو محراب عبادت ہو خم ابروے یار
ان کا کعبے میں سجدہ ادا کیونکر ہوا

دیدہ حیراں ہمارا تھا تمہارے زیر پا
ہم کو حیرت ہے کہ پیدا نقش پا کیونکر ہوا

نامہ بر خط دے کے اس نوخط کو تو نے کیا کہا
کیا خطا تجھ سے ہوئی اور وہ خفا کیونکر ہوا

خاکساری کیا عجب کھودے اگر دل کا غبار
خاک سے دیکھو کہ آئینہ صفا کیونکر ہوا

جن کو یکتائی کا دعوی تھا وہ مثل آئینہ
ان کو حیرت ہے کہ پیدا دوسرا کیونکر ہا

تیرے دانتوں کے تصور سے نہ تھا گر آب دار
جو بہا آنسو وہ در بے بہار کیونکر ہوا

جو نہ ہونا تھا ہوا ہم پر تمہارے عشق میں
تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا

وہ تو ہے ناآشنا مشہور عالم میں ظفر
پر خدا جانے وہ تجھ سے آشنا کیونکر ہوا

عشق کے میدان میں رستم کا منہ پھر جائے گا
تیغ غم کے سامنے ضیغم کا منہ پھر جائیگا

منہ لگے گا وہ جہاں کے جو لگے کا تیرے منہ
تو اگر پھرے گا منہ عالم کا منہ پھر جائیگا

دیکھ لینا تو کر تیرے قبلہ در کی طرف
گور میں بھی عاشق بیدمر کا منہ پھر جائیگا

جب دنیا نے جہاں مارا طمانچہ حرص کا
حق کی جانب سے وہیں آدم کا منہ پھر جائیگا

پھیرنے کے منہ نہیں اے شعلہ خو ہم سخت جاں
بلکہ تیری تیغ آتش دم کا منہ پھر جائیگا

کھائے گا ہم کو کہاں تک فرقت جاناں کا غم
دیکھ لینا کھاتے کھاتے غم کا منہ پھر جائیگا

ہوگا وہ فروختہ جس دم تو اس کے روبرو
اے ظفر کیا نیر اعظم کا منہ پھر جائیگا

عارض پہ اس کے حلقہ خط مشک سود کا
ہالہ بھی گرد ماہ ہے آہوں کے دود کا

رکھتا ہے لاغری سے فلک کیا اسے حقیر
مثل ہلال شوق ہے جس کو نمود کا

فرصت پہ ایک دم کی حباب اتنی سرکشی
تو اعتبار سمجھے ہے کیا اس وجود کا

عیسائی اس کے ہونٹھ ہیں موسائی اس کا خط
ترسائیوں سے خلط ہے گویا یہود کا

یوسف کو مول لے کے زلیخائی کی ہے آپ
سودائے عشق میں ہے زیاں نام سود کا

دریا میں نیلوفر کو جو دیکھ نہو تو دیکھ
عالم ہمارے گریہ سے چرخ کبود کا

وضع بے خلاف سے یاروں کی بھی حذر
ہوں میں فریب خوردہ جو لطف حسود کا

اے واقف مذاق سخن ہے یہ وہ مثل
پھونکے ہے چھاچھ کو بھی جلا جو ہے دود کا

گر آرزوئے دولت کونین ہے ظفر
کافی ہے تیرے واسطے پڑھنا درود کا

روئے جو دل کھول کر ٹکڑے جگر ہونے لگا
اور اگر رونے کو روکا درد سر ہونے لگا

ہوگئے و اور بھی ہم سے کشیدہ واہ واہ
تیرا اے دل کش کشش الٹا اثر ہونے لگا

کچھ خبر قاصد نے دی ایسی کہ سنتے ہی جسے
دل سے میں مجھ سے مراد بیخبر ہونے لگا

زلف کو چھیڑا صبا نے اس میں کیا میری خطا
مجھ سے برہم کس لیے تو اس قدر ہونے لگا

ہم نہ کہہ کر اپنا حال دل دیا سب کو رلا
ہر طرف رومال پہ رومال تر ہونے لگا

مجھ سے عالم اپنے حسن حیرت افزا کا نہ پوچھ
آپ حیراں آئینہ تو دیکھ کر ہونے لگا

کوچہ جاناں میں جانا ہی پڑے گا ہو سو ہو
کیا کروں بیتاب دل پھر اے ظفر ہونے لگا

جام و سبو خم سے نہ بھر ایک اس میں اس کا ایک اس میں کا
قطرہ چکھادے ساقی پہ ایک اس میں کا اس میں کا

جیسے چشم میں آنسو ہیں کب ہوتے صدف میں ایسے ہیں
دیکھو بچشم غور گہرا اس میں کا ایک اس میں کا

باغ جہاں میں جو ہیں دونوں نخل جفا و نخل کرم
نام نیک و بد ہے ثمر ایک اس میں کا ایک اس میں کا

پایا جوں سیپارہ قرآں ہم نے دل سی پارہ کو
آیا ورق جب پیش نظر ایک اس میں ایک اس میں کا

حال دل و احوال جگر کیا آہ جتا دیں اپنا ہم
بھیج دیں ٹکڑا اس کو مگر ایک اس میں کا ایک اس میں کا

گہر پا کے جگر کیا زلف میں سیماب سا دمکا   دل عاشق بھی بکھر کر لک شب تاب سا دمکا
صفا دیکھ اس کے دنداں کی چمن میں عارض گل پر   نہ ہر یک قطرہ شبنم در خوش آب سا دمکا
لب دریا جو اپنی موج میں گانے لگا ساقی   دل پر ریش جس میں سے نخل شاداب سا دمکا
شگاف سینہ اپنا روزن دیوار گلشن ہے   حباب بحر . تار موج پر مضراب سا دمکا
تصور میں جو اس روئے عرق آلودہ کے روئے   سر شک چشم اپنا گوہر نایاب سا دمکا
خجالت سے چھپایا ابر میں خورشید نے منہ کو   تو چہرہ زیر زلف جب مہتاب سا دمکا

ظفر اس شمع رو کی لگ رہی ہے لو ہمیں ہر دم
چراغ صبح کب داغ دل بیتاب سا دمکا

کیا فقط گریے سے چشم تر پہ پانی پھر گیا   دیدہ دانستہ سب کے گھر پہ پانی پھر گیا
تیر ناوک تیرا کھا کے مرغ دل کیونکر اڑے   آب پیکاں سے ہر اک شہپر پہ پانی پھر گیا
لمعہ خورشید عالمتاب سے دریا میں صبح   کیا طلائی موج کے خنجر پہ پانی پھر گیا
دیکھ کر دنداں کی تیرے آب تاب اے رشک مہ   دامن ساحل سے گوہر پہ پانی پھر گیا
سامنے اس کے عرق آلودہ چہرے کے نسیم   شرم سے کیا لالہ احمر پہ پانی پھر گیا
خالی پیشانی پسینے میں جو وہ آیا نظر   سقف گردوں کے ہر اک اختر پہ پانی پھر گیا

چشمہ حیواں خجل ہے لب سے اس کے کیا ظفر
بلکہ دیکھا تو لب کوثر پہ پانی پھر گیا

رشتہ آذہ سے ہم نے بھی دل و جاں ٹانکا   لگ سکا تجھ سے نہ اے سوزن مژگاں ٹانکا
دیکھ کر تار نظر سے ہی سراسر جراح   زخم دل پر تو لگا اب مرے یکساں ٹانکا
لخت دل یوں ہے گلوگیر مرے اے ہمدم   جیسے یاقوت کا تکمہ گریباں ٹانکا
ٹکڑے اس کے کیے ایسے جنوں نے یکدست   جہاں پیوند لگے اور نہ مری جاں ٹانکا
دے گیا ہاتھ سے کیا داغ جدائی دل پر   زور گل تو نے یہ اے رشک گلستاں ٹانکا
دل جگر چاک ہیں سینے سے بھلا کیا حاصل   کر وہیں ادھرا وہاں تو نے اگر یاں ٹانکا
دھجیاں اٹکیں دامن کی و لے دشت میں آہ   تو نے کب سوزن ہر خار مغیلاں ٹانکا

روبرو تیرے نہیں تاب جو بولے کوئی
اے ظفر تو نے عجب روئے سخنداں ٹانکا

در ردیف بائے موحدہ

غزل فارسی

نیست از انجم شب تاب چراغان شب   سحر از خندہ نمایاں شدہ دندان شب
شب ہم ازا کا کل مشکیں تو سودا دارد   کہ شداز کا ہکشاں چاک گریبان شب
دل زشوق رخ و زلف تو چناں گشت غریب   کہ نہ سامان سحر ماندو نہ سامان شب
زلف شب رنگ برخسار تو پیچیدہ بہ روز   صبح عشاق سیہ بخت بدامان شب

صبح ہجرش ظفر آوردبلا روز سیاہ
بوددر منزل آں ماہ کہ مہمان شب

جب تلک ہوش نہ تھا کرتے تھے وہ کام خراب   ہوش جب کام کا آیا تو کیا نام خراب
شیطنت سے کرے انسان تو سب کام خراب   کیا تماشا ہے کہ شیطان کا ہوا نام خراب
اس مہ منزل خوبی کا نہ پایا کہیں گھر   مثل خورشید پھرے صبح سے تا شام خراب
دیکھیے دنیا کو جو اول سے کوئی آخر تک   پائے آغاز سے وہ اور بھی انجام خراب
گر نہیں آئینہ تو دل ہی کو تو دیکھ اپنے   عمر بے شغل نہ کر غافل خود کام خراب
دیکھ صیاد اسیروں کو نہ بھڑکا اپنے   خوں فشانی سے کریں گے قفس دوام خراب
تیری آنکھوں سے کرے قصد جو ہم چشمی کا   تو بکیں کوڑی کے دو دو یہ ہوں بادام خراب
گردش چشم کا ساقی کے کرشمہ دیکھا   خوب مستوں میں پھر ادپر تلک جام خراب
چھڑتے ہیں وقت سخن اس کی زبان سے موتی   کیوں زبان کتا ہیدے دے کر وہ دشنام خراب
کیا خرابی ہے کہ آتا نہیں وہ خانہ خراب   عشق میں جس کے ہے سب راحت و آرام خراب

راہ حق پر ہو قدم اور ظفر ترا دامن
واہ قصد حرم و جامہ احرام خراب

کیا ہم سے کیا نباہ کیا خوب   صد آفریں ان کو واہ کیا خوب
آئے نہ قرار پر وہ شب کو   تا صبح دکھائی راہ کیا خوب
ہو غیر کے گھر میں روز جاتے   ہاں آتے ہوگاہ گاہ کیا خوب
اوروں سے اشارے کیوں جی کرتے   ہم پر نہیں اک نگاہ کیا خوب
مژگاں سے رکھے ہے چشم بد دور   وہ ترک سیہ نگاہ کیا خوب
ہر صبح ہے سر برہنہ خورشید   پرزر ہے تری کلاہ کیا خوب
ظلمات کہوں میں یا شب تار   ہے زلف تری سیاہ کیا خوب
کیا کیا نہ ستم دکھائے تو نے   اے عشق ستم پناہ کیا خوب
بوسہ جو طلب کیا شب اس سے   بولا نہ وہ رشک ماہ کیا خوب

ق

دولاب نمط پھرا وہ ہر روز   کھینچے گیا دل سے آہ کیا خوب

گاہے نہ کیا ظفر کو لاؤ ! ! ! !
بس دیکھی تمہاری چاہ کیا خوب

صبر جاوے تو نہ کر اس کا دل زار عقب   فوج جگر بستہ کا کیجے نہ زنہار عقب
ابھی چھا جائے گی آنکھوں میں میری تاریکی   پھینک شانے سے نہ تو موئے سر اے یار عقب
کان تک اس کے پہنچ کر میں کر دل کیونکر بات   آگے دس پانچ ہیں اس شوخ کے دو چار عقب
نعش برداروں کا کیوں پاؤں نہیں اٹھتا ہے   کیا جنازے کے مرے ہے وہ ستمگار عقب
جب اکیلا کبھی اس کوچے میں میں جاتا ہوں   چپکے چپکے چلے آتے ہیں تب اغیار عقب
تو جدھر جا بیٹھا اٹھ کر تو یقیں ہے ہم بھی   مثل سائی کے رہیں گے ترے دلدار عقب
ہے فقط مردمک دیدہ عاشق کافی   شب سیہ اپنی لگا اے بت خونخوار عقب
شدت ضعف سے تا قافلہ پہنچا نہ گیا   صورت نقش قدم رہ گئے دو چار عقب

گو چلا ہے ترے کوچے سے ظفر پہ ظالم
دیکھتا جائے ہے منہ پھیر کے ہر بار عقب

تیغ سے ہیں کیا سان پہ ہر دم سنگ و آتش، آہن آب
آئے تیرے قبضے میں ہم سنگ و آتش آہن آب
کوہ میں چشمہ تیشہ شرارہ دیکھ تو اے فرہاد تجھے
ہیں یہ دکھاتے کیا کیا عالم سنگ و آتش، آہن آب
دیکھا دم گل گیر کو گریاں شمع تہ فانوس بلور
آپس میں ہیں جیوں ہمدم سنگ و آتش آہن آب
سنگ طفلاں شورش ہجراں آبلہ و زنجیر بپا
رکھتے جنوں میں ساتھ یہ ہیں ہم سنگ و آتش آہن آب
کیا ہی لوہا لاٹھ غزل تو نے لکھی ہے واہ ظفر
ہوتے ہیں یوں آہ رقم کم سنگ و آتش آہن آب

تیغ ابرو کی ہے یوں سینہ بدحال پہ ضرب   خانہ جنگی میں لگے تیغ کی جوں ڈھال پہ ضرب
لال بے وجہ نہیں منہ ہے چمن میں گل کا   سیلی بادصبا سے ہے لگی گال پہ ضرب
جنبش آہ سے صدمہ ہے یہ دل پہ ہر دم   متصل جیسے لگے درہم ٹکسال پہ ضرب
گل مرے ہار کے ہرگز نہ خزاں سے ٹوٹے   کر سکے کون بھلا صاحب اقبال پہ ضرب
یوں فغاں کرتا ہے دل چوٹ سے اب الفت کی   اٹھی ہے جیسے صدا لگتے ہی گھڑیال پہ ضرب
ہجر میں ہم کف افسوس یہاں ملتے ہیں   بزم عشرت میں وہاں تال کے ہے تال پہ ضرب
تیغ سی لے کے نکلتی ہے ہر جو موج سرشک   خوبرو روکتے ہیں ہم سر رومال پہ ضرب

ہوش اڑ جائیں ظفر رستم داستاں کے وہیں
گر ترے ہاتھ سے میداں میں پڑے ڈھال پہ ضرب

چشم پرنم کیا اٹھاوے خاک اب رستم کا رعب   جب نیستاں پہ پڑا ہو دیدہ پرنم کا رعب
سانپ رسی کو سمجھ کر ہم دہل جاتے ہیں آپ   پڑ گیا ہے جب سے دل میں کاکل پرخم کا رعب
کاسہ سر میں مرے پندار ہو تو کیونکہ ہو   خوف کچھ فغفور چیں کا اور کچھ وہ جم کا رعب
کیوں نہ ہو آئینہ ابرو دیکھ کر وہ آب آب   ہے حلب میں بھی تری اس تیغ آتش دم کا رعب

خاک پائے حیدر کرار ہے تو اے ظفر
بندھ سکے گا تیرے آگے خاک اب رستم کا رعب

نہ کہو یہ کہ ہیں یہ دیدہ پر آب حباب سے   ہو سکے کیونکہ بھلا ساغر خوش آب حباب
میکشی کے لیے کیونکر نہ ترے رشک چمن   صورت جام بلوریں ہو سر آب حباب
تیغ ابرو سے تری سوچ ہی کیا کانپے ہے   سر پہ رکھ خود بھی پھرتا ہے بگرداب حباب
لمعہ مہر سے کیا پاٹ پہ دریا کے نسیم   صبحدم چمکے اس شکل گل کمخواب حباب
یاد کر لب کو ترے ہیں جو لب جو رویا   اشک خونیں سے بنے دانہ عناب حباب

چشم پر اشک سے کب ہو مری ہم چشم ظفر
گر رکھے مثل صدف گوہر خوش آب حباب

چشموں سے رواں کیوں نہ ہو مژگاں کے تلے آب   جاری رہے ہے سرو گلستاں کے تلے آب
ہے عشق کا دریا دل پر سوز میں پنہاں   حیراں ہوں کہ ہے آتش سوزاں کے تلے آب
پنہاں ہے تہ خط وہ کہاں حسن کا دریا   جھلکے ہے پڑا سبزہ ریحاں کے تلے آب
سوز غم پروانہ میں جاری یہ ہوئے اشک   تھا شب قدم شمع شبستاں کے تلے آب

کس پائے برہنہ کا ظفر آبلہ پھوٹا
صحرا میں جو ہے خار مغیلاں کے تلے آب

شام شفق دکھاتے نہیں جان کیا سبب   مل کر مسی جو کھاتے نہیں پان کیا سبب
تصویر یار تو نہیں آنکھوں کے سامنے   رہتا ہوں شکل آئنہ حیراں کیا سبب
شانے سے پوچھ اے دل صد چاک اسکی وجہ   برہم ہے اس کی زلف پریشان کیا سبب
کیا جانے کس کے عشق میں مجنوں ہوا ہے یہ   رہتا ہے چاک گل کا گریباں کیا سبب
یارب میں داغ کھا کے سراپا تمام شب   جلتا واں مثل سرو چراغاں کیا سبب
اے چشم یہ تو چشم نہ تھی تجھ سے مجھ کو تو   برپا کرے ہے نوح کا طوفان کیا سبب
طفل سرشک تو تو مرا نوردیدہ ہے   مژگاں کا میری چھوڑ ہے داماں کیا سبب
چاہت سے تھا نہ دل تو کبھی آشنا مرا   پھر کیوں ہے غرق چاہ زنخداں کیا سبب

پہلو سے جا ظفر کے نہ اٹھ کر تو میری جاں
کیوں بیٹھتا نہیں ہے تو اک آن کیا سبب

دل تیرا کس لیے نہ ہو شوخ و شنگ آب   ورنہ پیارے ہوتے ہیں گرے سے سنگ آب
روتی نہیں ہے شمع پڑی حال دیکھ کر   آتش کا ہو گیا یہ نہ زہرہ پلنگ آب
خط سے نہ کم ہو کیونکہ رخ یار کی چمک   جاتی رہے ہے آئینہ کی زیر زنگ آب
یوں خط سبز کے ہیں تصور میں اشک سبز   کائی سے جس طرح کہ بدل جائے رنگ آب
عارض پہ تیرے ہو عرق افشاں کبھی جو زلف   پھر جائے یک بیک سر ملک فرنگ آب
میں تشنہ لب ہوں جام شہادت کا ہمدمو   آئے ہے مجھ کو پیتے ہوئے مارو تلخ آب
مژگاں میں خل دل ہے کہاں تیر نیستاں   آتا ہے دیکھو پینے کو بالائے گنگ آب
تو جلد جام حلقہ جوہر سے دے مجھے   اس اپنی آب تیغ سے اے خانہ جنگ آب

دل کی ظفر ہے بحر محبت میں زندگی
ہاں یعنی سچ ہے یہ کہ ہے جان نہنگ آب

چشم کا ہے عشق کی آتش کے چمکانے کو آب — جائے روغن یہ ہے اس شعلہ کے بھڑکانے کو آب
چشم ترکیونکر نہ پاچی اشک افشانی کر — چاہیے اے مرداں مژگاں کے خم خانے کو آب
خال رخ تیرا عرق سے سبز ہوتا ہی نہیں — سبز کرتا ہے زمیں میں ورنہ ہر دانے کو آب
دل کی گرمی کو نہ کھویا آنسوؤں نے چشم کے — سرد کردیتا ہے ساقی گرم پیمانے کو آب
کام بھی آئے گی قاتل تشنہ کاموں کے کبھی — یا یونہی ہے تیغ براں تیری دکھلانے کو آب
دل ہا پژمردہ میرا اشک افشانی سے آہ — ورنہ ہو جاتا ہے منع گل کے کملانے کو آب

تشنگی کا روز محشر کی نہ کر ڈر اے ظفر
ساقی کوثر وہاں ہوویں گے پہنچانے کو آب

تم نے ہے طرز کلام اپنی نکالی بے ڈھب — اوچھے کہہ کر ہمیں دیتے ہو جو گالی بے ڈھب
ہووے گا طائر دل دام محبت میں اسیر — ترے بحرم کینظر آئے ہے جالی بے ڈھب سے پڑھتے ہیں
نام خورشید لقاوردِ زبان ہے تیرا — حضرت دل اسم جلالی بے ڈھب
جی نزاکت سے کلائی کی دھڑکتا ہے مرا — ہاتھ میں گیندا اٹھا تم نے اچھالی بے ڈھب
دل بیمار کی خاطر ہیں لکھے اسم ذات — تم نے دنداں پہ نہیں رنج جمالی بے ڈھب
قدم اس ڈھب سے نہ رکھ تو کہ چبھے پاؤں میں — خارساں ہے رگ برگ گل قالی بے ڈھب
دل شامت زدہ کراس کے عذار کا گل سے — تیرے پیچھے یہ بلا لپٹی ہے کلی بے ڈھب
دمبدم ابروئے خمدار دکھاتے کیا ہو — جاتا ہے آپ نے شمشیر نکالی بے ڈھب

سروکب اس قد موزوں کا ہو بالا مصرع
اے ظفر ہے یہ ہے مصرع عالی بے ڈھب

یوں بنے گرم آنسوؤں سے آبلہ پڑ کے حباب — آب صابوں سے بنائیں جس طرح لڑکے حباب
منفعل ہوں عقد پر ویں دیکھ کر جبکہ پڑیں — تیرے بحرم کے طلائی مہ جبیں جھڑکے حباب
خوں جو آیا جوش پر بعد از شہادت جب مرا — بنگیا سر آخرش کو متصل دھڑ کے حباب
گر پڑے دریا میں گو لخت دل سوزاں مرا — ہے یقین پانی میں شعلہ کی طرح بھڑکے حباب

یاد آئی مجھ کو بحرم اس پری کی اے ظفر
آبجو میں جبکہ دیکھے نور کے تڑکے حباب

لگا نہ خط سے رخ شوخ پر عتاب کو عیب — وگرنہ لگتا گہن سے ہے آفتاب کو عیب
نقاب شرم کو مستی میں دور کر منہ سے — کہ بے حجاب سمجھتے ہیں یاں حجاب کو عیب
عرق سے حسن اور اس رخ کتابی پر — وگرنہ بھیگنا پانی میں ہے کتاب کو عیب
دل برشتہ کو میرے نہ تو جلا اتنا — لگے نہ سوختگی سے کہیں کباب کو عیب
جہان میں دل عاشق کو ہو کہاں آرام — سمجھتا عشق میں ہے کون اضطراب کو عیب
شراب خود نہیں معیوب ساقیا لیکن — بروں کے پینے سے ہے لگ گیا شراب کو عیب

ظفر ہے عشق بتاں کا ہنر مرے نزدیک
ہر ایک جانے ہے اس فعل ناصواب کو عیب

خال رخ سے ترے قطرے میں پسینے کے قریب ہے اوک
یا دھرے ہیرے ہیں نیلم کے نگینے کے قریب

اگلن تری الفت نے دکھائیں آنکھیں
روزن اک اور ہوا روزن سینے کے قریب

ساغر عشق کو ساقی ازل نے جو بھرا
پہلے جا بیٹھے ہمیں واسطے پینے کے قریب

زخم سینہ نکلتے ہیں ہزاروں شعلے
چارہ گر آئے کہاں واسطے سینے کے قریب

اب تلک شہر بدر ہی ہمیں سمجھے ہیں وہ ماہ
ہم کو یاں آئے ہوا ایک مہینے کے قریب

سینہ صافوں سے بھی تم دور رہو بھا کو افسوس
کہ نہ وہ بغض کے ہیں پاس نہ کینے کے قریب

کوئی لگ جائے اترتے ہوئے شاید ٹھوکر
اس تمنا میں پڑا ہوں ترے زینے کے قریب

ہے نگہباں دل پہ داغ کی آہ پہ درد
ہم نے یہ سانپ بٹھایا ہے خزینے کے قریب

خال یہ متصل ناف نہیں تیرے کہ ہے
بحر حسن میں ملاح سفینے کے قریب

دیکھو تم غیر سے صحبت نہ رکھو جانے دو
بیٹھے کس واسطے اشرف کمینے کے قریب

لکھ غزل اور بھی تبدیل قوافی میں ظفر
بیٹھے ہر شعر میں پہ ساتھ قرینے کے قریب

دل پہ داغ گیا چشم پری رو کے قریب
چیتا پہنچا ہے عجب گھات سے آہو کے قریب

حال کیا جانئے کیا کرتا قلق سے دل کا
ہاتھ قسمت سے نہ پہنچا مرا چاقو کے قریب

متصل ماہ کے دیکھا نہ ستارا ایسا
جوں در گوش ہے اس کے رخ نیکو کے قریب

ہاتھ افسوس زانوں پہ نہ کیونکر ماروں
جبکہ ہو غیر کا زانو ترے زانو کے قریب

متصل تیغ کے لازم ہے سپر کا ہونا
حلقہ زلف ہے زیبا ترے ابرو کے قریب

تو جو گلشن میں دکھائے قدر عنا اپنا
چہکے قمری کبھی سرو لب جو کے قریب

تیرا بیمار الم ہائے تیری جان سے دور
الٹا ماہوں پھرا جا کے ارسطو کے قریب

رشک آتا ہے ہم آغوش ہو گل سے بھنورا
اے ظفر ہو نہ گزارا مرا گلرو کے قریب

ٹیکا ہے وہ دوا بروئے جاناں میں آفتاب
کیوں سمجھیں جسے میزاں میں آفتاب

وہ مہروش جو سیر کرے رتھ میں بیٹھ کر
شرمندہ ہووے گنبد گرداں میں آفتاب

اے سرد و مہر داغ بتاں کیوں نہ ہو عزیز
لگتا بھلا ہے سب کو زمستاں میں آفتاب

دود جگر میں دیکھیو شعلہ کو آہ کے
آ کر چھپا ہے ابر کے داماں میں آفتاب

کنگھی کو دیکھ جیب پہ کرتی ہے مہروش
منہ ڈالتا ہے اپنے گریباں میں آفتاب

اعجاز ہے کہ گریہ میں نکلا ہے لخت دل
پوشیدہ ورنہ رہتا ہے باراں میں آفتاب

بن جائے تاب عارض پہ نور سے ترے
سورج مکھی کا پھول گلستاں میں آفتاب

تر دامنوں کو کیوں نہ ظفر ہووے شوق مے
ہے بادہ روز مرہ رنداں میں آفتاب

اس طرح سے وہ ہوا میری نظر سے غائب
نور جوں دیدہ محروم بصر سے غائب

تل بے ظالم ترے مضمون کمر کی تاثیر
ہوگیا خط مرا قاصد کی کمر سے غائب

اڑ گئی دل کی سیاہی ترا منہ دیکھتے ہی
ہوگئی ظلمت شب نور سحر سے غائب

چلتے کیا گرم رو راہ فنا ہستی میں
ہوگئی ظلمت شب نور سحر سے غائب

کیونکہ دل موم کروں اس بت سنگیں دل کا
ہوگئے ایک تبسم میں شرر سے غائب

صبر و طاقت ہوئی یوں ذول سے مرے گم جیسے
کہ اثر ہے مری فریاد جگر سے غائب

نظر عام سے پنہاں ہو نہ کہیں بندہ خاص
جو کہ حاضر ہیں ادھر وہ ادھر سے غائب

پردہ غفلت کا پڑا دل پہ اسی کے ورنہ
وہ تو اک لحظہ نہیں چشم بشر سے غائب

کر گئی دل کو تری چشم پرفسوں کافر
طرفۃ العین میں پہلو ہے نظر سے غائب

دیکھ کر اس مہ کو وقت بے حجابی آفتاب
ہوگیا منہ پہ بجائے آفتابی آفتاب

تیری مے نوشی کی خاطر ساغر سیمیں ہو ماہ
اور گزک کے واسطے زریں رکابی آفتاب

خانہ آئینہ میں ہے اس رخ روشن کا عکس
جلوہ گر ہے یا میان برج آبی آفتاب

اپنی چشم مست کی گردش اگر دکھلائے تو
رقص مستانہ کرے مثل شرابی آفتاب

شام کا وعدہ کیا ہے اس مہ بے مہر نے
یا الٰہی آج چھپ جائے شتابی آفتاب

وہ ہلال ابرو اگر چمکائے تیغ مغربی
نکلے مشرق سے لیے داں آفتابی آفتاب

آہ سوزاں گر مری گردوں پہ ہو آتش فروز
نسر طائر وہ کباب اور جوں کبابی آفتاب

صبح ہوتے ہی سدھارے ہے وہ میرے گھر سے آہ
روز کرتا ہے یہی خانہ خرابی آفتاب

رشک ہے اے ظفر رنگ شفق میں غرق خوں
دیکھ کر پوشاک اس مہ کی گلابی آفتاب

رات کو تڑپے تصور میں جو آجائے ہے خواب
خواب میں بھی یہ تماشا مجھے دکھلائے ہے خواب

وہ دل آرام بغل میں نہیں ہوتا جس رات
آن کی چشم کے آغوش میں گھبرائے ہے خواب

خواب اور مرگ یکساں کر تماشائے جہاں
بند ہو جاتے ہیں بس آنکھ کے ہو جائے ہے خواب

یاد قیامت میں تری میں ہوں جہاں سے غافل
سچ ہے یہ بات کہ سولی پہ بھی آجائے ہے خواب

صبح محشر بھی ہوئی اور نہ کھلی آنکھ مری
دیکھیے پاؤں کہاں تک ابھی پھیلائے ہے خواب

خواب میں گر کبھی آتا ہے وہ رشک یوسف
ہمسر خواب زلیخا مرا بن جائے ہے خواب

سورہا منزل دنیا میں ہے غافل کس نیند
آفتیں سر پہ مسافر کے بہت لائے ہے خواب

بخت خوابیدہ نہیں جاگتے مرے ورنہ
اک جہاں کا میری فریاد سے اڑ جائے ہے خواب

پائے خوابیدہ جو اٹھتا ہے ظفر مشکل سے
نہیں معلوم کہ تلوے کہیں سہلائے ہے خواب

گر ہو بہر سرمہ چشم اس کی خاک درنصیب
سارے ہم چشموں میں اپنے کیوں نہ ہو یارو نصیب

زور سے ہوتا ہے کوئی وصل مہ پیکر نصیب
ہوں قوی طالع نہ ہو جب تک اور زور آور نصیب

پھوڑ پتھر سے نصیبوں کو ترے اپنے کوہکن
ہوگا اس خار اشگافی سے تجھے پتھر نصیب

ہووے حق میں تشنہ کاموں کے وہ آب زندگی
ہاتھ سے تیرے جو ہو آب دم خنجر نصیب

جام جم کی اس کی نظروں میں نہ کیف چڑھے
ہووے چشم مست ساقی سے جسے ساغر نصیب

آپ کو پہنچائیں داں تک اس میں ہوتی ہو سو ہو
آج ہم بھی آزمائیں اے دل مضطر نصیب

وہ رہا جب تک بہر صورت رہا حیرت زدہ
صورت آئینہ یاں جس کو ہوا جوہر نصیب

خاک ہو کر بھی گئی گردش نصیبوں کی نہ آہ
خاک کو اپنی گولے میں ہوا چکر نصیب

جس کی آنکھوں کو نہ تیری خواہش دیدار ہو
اس کو دیدار خدا ہووے نہ اے کافر نصیب

مت اٹھا آسودہ خاک کو اے روز حشر
اک ذرا راحت ہوئی ہے ان کو مر مر کر نصیب

آتے آتے الٹے میرے در سے پھر جاتے وہ کیوں
اے ظفر برگشتہ ہو جاتے نہ میرے گر نصیب

دیکھے گر چشم تری اے گل شاداب حباب
شرم کے مارے وہیں بحر میں ہو آب حباب

محو نظارہ ہے اس لجہ خوبی کا تو
کیونکہ آنکھوں نہ اڑ جائے ترے خواب حباب

میکشی کے لیے کیونکر نہ تری رشک قمر
صورت جام بلوریں رہے پر آب حباب

تیغ ابرو سے تری موج ہی کیا کانپے ہے
سر پہ رکھ خود بھی پھرتا ہے بگرداب حباب

کیا تعجب ہے جو دریا میں پھرے ہے ہر دم
گردش چشم تری دیکھ کے بیتاب حباب

داغ دل کی جو مرے حشر میں دیکھے شورش
زہرہ دوزخ کا ہو واللہ وہیں آب حباب

چشم کیا خاک رکھے اہل کرم سے ظالم
تیغ کے کھیت کو کرتا نہیں سیراب حباب

لمعہ مہر سے کیا پاٹ پہ دریا کے نسیم
صبحدم چمکے ہے شکل گل کمخواب حباب

یاد کر لب کو ترے میں جو لب جو رویا
اشک خونیں سے بنے صورت عناب حباب

شب کو دریا پہ خط رخ کے تیرے جلوے سے
ہالہ گرداب ہوا صورت مہتاب حباب

قطرہ اشک نہیں چشم کے خانہ میں بھرے
ہیں یہ لبریز صدف میں در نایاب حباب

آبداری سے ظفر شعر ہیں لکھے تم نے
جن پہ وارے ہیں سدا گوہر خوش آب حباب

کلام تلخ میں بھی گر لڑائی ہے صاحب
لڑائی میں نہیں بنتی مٹھائی ہے صاحب

نکلتے شعلے جو ہیں ساتھ آہ کے ہر دم
یہ آگ دل میں تمہیں نے لگائی ہے صاحب

نہ پوچھو مجھ سے کہ دل دم بدم ہے کیوں نالاں
تمہارے ہاتھ سے دیتا دہائی ہے صاحب

برا جو مانتے ہو میرے چاہنے تم
بتاؤ اس میں بھلا کیا برائی ہے صاحب

پسند کرتا نہیں کوئی خود پسندی کو
پسند آپ کو کس طرح آئی ہے صاحب

ڈراتے ہو جو مجھے روز حشر سے واعظ
وہ روز کیا کہیں روز جدائی ہے صاحب

ظفر جو دام محبت میں دل پھنسا تو پھنسا
نصیب کب اسے ہوتی رہائی ہے صاحب

ساقیا مست ازل کو نہیں درکار شراب
وہ نشہ اور ہی ہے کیا ہے یہ مردار شراب

زیر محراب دو ابرو وہ ہیں آنکھیں بد مست
آئے مسجد میں ہیں کیوں پی کے یہ میخوار شراب

ہم پئیں خون جگر کیونکہ نہ تنہائی میں
تو پئے ہو کے جو ہم صحبت اغیار شراب

فاقہ مستی کے مزے پوچھے کوئی مفلس سے
پیتے اس لطف سے ہیں کاہے کو زردار شراب

مے کشی کا ہے بھی بزم محبت میں مزا
دل عاشق ہو کباب اور لب یار شراب

دیں عرق کھینچ کے کتنے ہی نہ صحت وہ اسے
پیے جب تک نہ تری چشم کا بیمار شراب

گر کے ہاتھوں سے مرے جام بلا سے ٹوٹا
پر گرے پانوں پہ گر کر نہ گنہگار شراب

چشم ساقی کے کرشمے سے عجب کیا کر پئے
زاہد گوشہ نشیں بھی سر بازار شراب

بات دل کی نہ کہی اس بت عیار نے ایک
اے ظفر ہم نے پلائی اسے سو بار شراب

کرتی ہے ہر لحظہ مجھ کو میری جانکاہی خراب
کاہش جاں سے ہوں میں بھی عشق میں کیا ہی خراب

ماہ سر گرداں ہے اور ماہی تہ بار گراں
خوب دیکھا تو یہاں ہے مہ سے تا ماہی خراب

دیکھ میرا حال کیا سوز و گداز عشق سے
بزم عالم میں ہے جو شمع سحر گاہی خراب

وانہ ہو غنچہ تو پھر کیوں نہ پریشاں اس قدر
کرتی ہے اس کو صبا تری ہوا خواہی خراب

خضر راہ منزل مقصود کرتو عشق کو
ورنہ اے رہ رو کرے گی تجکو گمراہی خراب

طفل کو راحت زیادہ ہے جوان و پیر سے
چین نادانی میں ہے کرتی ہے آگاہی خراب

اے ظفر چاہے خرابی تیری جو خانہ خراب
کردے اس کو تیرا اقبال شہنشاہی خراب

ردیف پائے فارسی

اٹھ کے پہلو سے ہمارے جس طرف جائیں گے آپ   مثل سایہ آپ کے ہمراہ ہم آئیں گے آپ
مجھ کو سمجھائیں گے یا میرے ذدل دیوانہ کو   حضرت ناصح سے پوچھو کس کو سمجھائیں گے آپ
مر مٹیں گے پر نہیں اٹھنے کے ہم واد سے کبھی   ہم کو مثل نقش پا جس جا پہ بٹھلائیں گے آپ
مارنا ہے عاشقوں کو اپنی تلواروں سے کیوں   چیں بہ ابرو دیکھ کر تجھ کو وہ مر جائیں گے آپ
دستے نرگس کے تمہیں کیوں بھیجتے ہیں رشک چمن   جانئے گر ہم کر آنکھیں ہم کو دکھلائیں گے آپ
تم یہاں تشریف فرما بھی اگر ہوتے تو کیا   جب کروں گا عرض میں کچھ غصہ فرمائیں گے آپ
آپ کی خاطر سے ہم کرتے تھے ضبط اضطراب   دیکھ کر بیتاب ہم کو اور گھبرائیں گے آپ
کو نہ جاوے گی سواری آپ کی غیروں کے گھر   گھوڑے کاغذ کے یہیں سے بیٹھے دوڑائیں گے آپ

دل الجھ کر زلف میں کوئی سلجھتا ہے ظفر
اور الجھے گا زیادہ جتنا سلجھائیں گے آپ

اپنا شب ہجراں سے گیا شب جو بدن کانپ   دیکھ اس کے گئی شعلہ نمط شمع لگن کانپ
آیا جو لب جام وہ پر کالہ آتش   خورشید گیا صبح سر چرخ کہن کانپ
ہے خال رخ یار تہ زلف نمایاں   اے دل اے کالے کا نہ تو جان کے من کانپ
گلشن میں ترے قد سے جو برپا ہے قیامت   جائے روش بیدا بھی سرو چمن کانپ
مدفن پہ قدم جس کی رکھا تو نے پھر وہ   جو شعلہ فانوس گیا زیر کفن کانپ
اس افعی کاکل سے وہ جس دن سے ڈرا ہے   شامت زدہ دل دیکھ کے جاتا ہے رسن کانپ
کس نے خم زلف اپنا نہاتے میں دکھایا   جو موج کا دریا میں گیا ہے ہمہ تن کانپ

تو بادشہ ملک معانی ہے ظفر آپ
جاتا ہے تجھے دیکھ کر اک اہل سخن کانپ

بے سبب چرخ ہے اک برسرکیں آپ سے آپ   سر پھرا اور کسی کا تو نہیں آپ سے آپ
ہے تہ خاک بھی کوئی ترا عاشق جنات   ورنہ کب آئے ہے لرزش میں زمیں آپ سے آپ
ہاتھ پہنچا بھی نہیں تا سر زلف پہ چیں   ہوگئے ہم سے وہ کیوں چیں بجبیں آپ سے آپ
بخت برگشتہ اگر ہوگئے سیدھے اپنے   تو چلے آئیں گے سیدھے وہ یہیں آپ سے آپ
دیر کی گھر سے نکلنے میں جو تم نے تو یہاں   تن سے جا نکلی نکل جان حزیں آپ سے آپ
عشق چمکائے اگر داغ جگر کو اپنے   ہووے پھر کشور دل زیر نگیں آپ سے آپ
کھینچیں ہم کلک تصور سے جو تیری تصویر   ہوئے صورت گر چیں دیکھ کے چیں آپ سے آپ
گر محبت نے دیا دل کی صفائی میں اثر   میرے مرنے کا انہیں ہوگا یقیں آپ سے آپ

کیسی تدبیر ظفر جب وہ کرے اپنا کرم
کام بگڑے ہوئے بن جائیں یونہیں آپ سے آپ

حضرت دل تلخ میری زندگی کرتے ہیں آپ   ہر کسی پہ مفت جو طوفان لیے مرتے ہیں آپ
بار دنیا سے اٹھایا جائے نہ جائے دھرا   اہل دنیا ہیں اٹھاتے آپ اور دھرتے ہیں آپ
کیا خط و پیغام بھیجیں ایک ڈر دونوں طرف   اس طرف رہتے ہیں ہم اور اس طرف ڈرتے ہیں آپ
اس چمن میں کیا کہیں کیونکر ہوا پھر جائے ہے   جو صبا ہم پھونک پھونک اپنے قدم دھرتے ہیں آپ

اگر شراب کی موجیں بنیں شراب میں سانپ   خط شعاع سے لہرائیں آفتاب میں سانپ
خیال زلف میں کل سو گئے جو شام سے ہم   تمام رات نظر ہم کو خواب میں سانپ
نہ پاؤ گے کبھی موذی کو راستی پیشہ   ہمیشہ دیکھو کہ رہتا ہے پیچ و تاب میں سانپ
جو تو نہ پاس ہوتی تو موج خندہ برق   نہ آوے کاٹنے کو بن کے کیوں حباب میں سانپ
حذر کرائے دل ناداں وہ زلف ہے برہم   اثر ہو زہر میں کیا اس کے جو ہو اب میں سانپ
ضرر رساں نہ ہو بداصل ل کے پاؤں سے   نہ چھیڑ، کاٹ ہی کھاوے گا، ہے عتاب میں سانپ
رہے سلوک میں سالک کو فکر نفس کشی   کہ راہ زن ہے بنی اس رہ صواب میں سانپ
بندھے جو وقت کتابت ترا تصورزلف   تو خط رشتہ مسطر بھی ہو کتاب میں سانپ
دہن میں دیکھ دم زہر خندہ موج غضب   کھلا کہ بند تھا درج در خوشاب میں سانپ
مقام زلف ہے یوں اس دل پریشاں میں   کہ جس طرح سے رہے خانہ خراب میں سانپ

نہیں وہ سرمہ کی تحریر چشم میگوں میں
ظفر پڑا ہے کوئی کشتی شراب میں سانپ

ہوا کچھ اگر کہہ کے وہ یار چپ   نہ کر ہم نشیں تو بھی تکرار چپ
جو برہم ہو قاصد وہ سن کر خبر   تو ہو جائیو تو خبر دار ، چپ
چمن میں اگر ہوویں ہم نالہ کش   تو ہو جاوے بس بلبل زار چپ
کراہا کیا درد سے رات بھر   سحر ہوگیا تیرا بیمار چپ
طلب ان سے اک بوسہ کرتے تھے ہم   ہوئے گالیاں سن کے دو چار چپ
اڑ جائے ہر مغز صیاد کا   نہ کر شور مرغ گرفتار ، چپ
کریں عرض حال اپنا سب آپ سے   رہے پھر بھی اک گنہ گار چپ
کہا تیرے غمگیں نے چپکے سے کیا   کہ سب ہوگئے اس کے غمخوار چپ

ظفر اور بحر و قوافی بدل
نہ ہو پڑھ کے یہ چند اشعار چپ

ہوئے دونوں کچھ ایسا سوچ کر چپ   کہ وہ چپ ہیں ادھر اور ہم ادھر چپ
خدا جانے جواب میں اس نے دیا کیا   کہ آیا واں سے مرا نامہ بر چپ
دماغ گل بہت نازک ہے بلبل   نہ کر شور اتنا اے شوریدہ سر چپ
ہمیں بھاتی ہے گپ چپ کی مٹھائی   دم بوسہ بول اے لب شکر چپ
ذرا بولا جو غنچہ تو صبا نے   کہا منہ پر طمانچہ مار کر ، چپ
ہوئی ہے آج مدت میں شب وصل   ذرا سونے دے اے مرغ سحر چپ
کہاں ہے دل جلوں کرتا ہے گفتار   سراپا کو زباں سے شمع پر چپ

کہوں گر حال رسوائی ہے ، لیکن
رہا جاتا نہیں مجھ سے ظفر چپ

کیا ہوا مجھ سے کشیدہ ہے وہ گر آپ سے   کشش دل اسے کھینچے گی ادھر آپ سے آپ
اس دل آزار کا کیا جانے ہے کیا خوف مجھے   دل دھڑکتا ہے مرا دو دو پہر آپ سے آپ
ہے ابھی رات کہاں جاتے ہو اے ماہ لقا   بول اٹھتا ہے یونہی مرغ سحر آپ سے آپ
بخت برگشتہ جو ہو جائیں گے میرے سیدھے   وہ چلے آئیں گے سیدھے میرے گھر آپ سے آپ
گل بھی دیوانے ہیں تیرے کہ جو آئی ہے بہار   ٹکڑے کر ڈالے ہیں سب جیب وجگر آپ سے آپ
آتش شوق سے اڑتا ہے برنگ سیماب   لگ گئے ہیں دل بیتاب کو پر آپ سے آپ
دل سے ہے راہ اگر دل کو تو ہو جائے گی   بے خبر تجھ کو محبت کی خبر آپ سے آپ

جبکہ ہو جاوے گا اس زلف سے دل کا سودا   ہم پہ کھل جائے گا سب سود و ضرر آپ سے آپ
دل کے آئینہ کو تو صاف تو کر دیکھ ذرا   اس کی صورت تجھے آئے گی نظر آپ سے آپ
اے پری وش تری آنکھیں وہ بلا ہیں جن کو   دیکھ کر ہوتا ہے دیوانہ بشر آپ سے آپ

فکر و تدبیر سے کیا ہوگا کہ جو ہونا ہے
ہو رہے گا تری قسمت سے ظفر آپ سے آپ

ردیف تائے فوقانیہ

بھولتی لحظہ نہیں زلف دوتا کی صورت   خواب میں بھی نظر آتی ہے بلا کی صورت
ماہ نو کیونکہ ہو ہم شکل ترے ابروسے   کہ وہ ادنیٰ ہے ترے ناخن پا کی صورت
دیدہ تر پہ مرے ہر مژہ خون آلود   اشک کی فوج میں ہے سرخ لوا کی صورت
دیکھے اے قاتل سفاک تری ابرو کو   جس نے دیکھی نہ ہو شمشیر قضا کی صورت
روبرو اس شہ خوبی کے نظر آتا ہے   باغ میں کاسہ بکف لالہ گدا کی صورت
مہ کنعاں کی مرقع میں جو دیکھی تصویر   پھر گئی آنکھوں میں اس ماہ لقا کی صورت
تیرے بیمار کو دیتے ہیں دوا روز طبیب   پر نظر آتی نہیں کوئی شفا کی صورت
جب سے اے قبلۂ جاں تیری طرف ہے مائل   دل ہے بیتاب مرا قبلہ نما کی صورت

گرچہ ہوشیار تھے ہم پر نہ رہے ہوش بجا
اے ظفر دیکھ کے اس ہوش ربا کی صورت

کیجئے نہ دن میں بیٹھ کے آپس کی بات چیت   پہنچے گی دس ہزار جگہ دس کی بات چیت
کب تک رہیں خموش کہ خاطر سے آپ کی   ہم نے بہت سنی کس و ناکس کی بات چیت
زیبا نہیں تمہیں لب شیریں سے حرف تلخ   اس لعل شکریں سے ہو کچھ اس کی بات چیت
کوئی نہیں سمجھتا کہ ہے بے کسی سے کیا   پوشیدہ تیرے کشتۂ بے کس کی بات چیت
درویش کو ہے اپنے گلیم و نمد سے کام   سنتا نہیں وہ مخمل و اطلس کی بات چیت
دیکھا گزار تیر حوادث جو پے بہ پے   جانا کہ ہے یہ چرخ مقوس کی بات چیت

قطعہ

مدت کے بعد حضرت ناصح کرم کیا   فرمایئے مزاج مقدس کی بات چیت
پر ترک عشق کے لیے ارشاد کچھ نہ ہو   میں کیا کروں نہیں یہ مرے بس کی بات چیت

کیا یاد آگیا ہے ظفر پنجۂ نگار
کچھ ہو رہی ہے بند و مخمس کی بات چیت

اینکہ بینی ہمہ با قالب و جان ہمہ اوست   بلکہ ہم قالب وہم روح و روان ہمہ اوست
آنچہ بیرون و درون ست ہما نست ہماں   راز فاش ہمہ او سر نہان ہمہ اوست
در پس پردہ و بے پردہ در آید از دل   بی نشان و سبب نام و نشان ہمہ اوست
نیست دیر و حرم از شیخ و برہمن آباد   ہمہ مہمان و مکینی بمکان ہمہ اوست
اے دل آں گوہر یکتا کہ نیرز و بدو کون   چشم بکشا و ببیں زیب دکان ہمہ اوست
شعلۂ نار جحیم و گل گلزار نعیم   یک تجلی ست کہ در جلوہ شان ہمہ اوست

میرسد اے ظفر امروز بباغ توحید
ہچو بلبل دل شوریدہ فغان ہمہ اوست

ہوگئی دیکھ میری کیا صورت اب تو ظالم کہیں دکھا صورت
نہ اگر تو دکھائے گا صورت دیکھئے ہوگی اپنی کیا صورت
جب کہا میں نیمیں سوا تو کہا مرنے والوں کی دیکھتا صورت
گرچہ یوسف تھا خوبصورت پہ تیری اس سے بھی ہے سوا صورت
مثل آئینہ عاشق حیراں چپکے چپکے ہے تک رہا صورت
آئینہ خانہ زمانہ میں ! ! ہے ہر ایک اپنا آشنا صورت
درپے قتل ہے مرے قاتل دیکھتے سب ہیں آشنا صورت
اور بھی آتی ہے ہنسی اس کو میں جو رونے کی لوں بنا صورت

اے ظفر مجھ کو اس صنم کے سوا
نہ دکھاوے کوئی خدا صورت

مست سب جان گئے ساقی مخمور کی بات
سوجھتی لیکن نشے میں ہے بہت دور کی بات

دار پر کھینچو یا قتل کرو جی سے تم
حق پر ستو وہی بس ایک ہے منصور کی بات

چارہ گر جان چلے ہو کر نہ ہوگا چنگا
مجھ سے کیا پوچھتے ہو زخم کے انگور کی بات

ناتوانی سے یہ احوال ہوا ہے اب تو
کہ سنائی نہیں دیتی ترے رنجور کی بات

پیارا پیارا ترا جیسا کہ ہے انداز کلام
نہ پری کا ہے سخن ایسا نہ ہے حور کی بات

ستمبر آتا نہیں بر میں عزیزہ و بے زر
مجھ میں مقدور نہیں، یہ تو ہے مقدور کی بات

دولت حسن کا ہے جیسے ظفر اس کو غرور
خالی از غرہ نہیں کچھ بت مغرور کی بات

ہیں وہ ہم ہی کہ جو کرلیتے ہیں اکثر برداشت
ورنہ ان باتوں کی ہو کس سے ستمگر برداشت

نقد دین و دل و جاں کھو کے سیہ بختوں نے
کی ہے سرکار میں اس زلف کی یک سر بردارشت

ہوتا آئینہ مکدر ہے نفس سے ہمدم
بات کی کس کی کریں صاحب جو ہر برداشت

نہ تو تابوت نہ تختہ نہ کفنی ہے نہ لحد
اس ترے کشتۂ بیکس کی ہو کیونکر برداشت

اٹھ گئے ظلم اٹھا کر ترے ہم دنیا سے
سنگ دل اور سوا ہووے گی پتھر برداشت

بردباری جو دل صبر گزیں میں ہے مرے
نہ تحمل یہ کسی میں ہے نہ دلبر برداشت

کیوں نہ برداشت دل زیست سے ہوں میں کہ ظفر
تیغ بر قتل من آں غمزہ کافر برداشت

تھا جو کوٹھے پہ وہ مہ جلوہ کناں ساری رات
تو رہی چشم ستارہ نگراں ساری رات

ہجر میں ہم جو رہے اشک فشاں ساری رات
تارے گنتے رہے اے ماہ وشاں ساری رات

توڑے کس مست نے تھے جام کہ میخانے سے
ظرف چینی کی سی آتی ہے فغاں ساری رات

آفریں آپ کے سونے کو نہ جاگے اور ہم
پس دیوار رہے گرم فغاں ساری رات

دیکھ انجم کو جو یاد آئے وہ در دنداں
مثل شبنم میں رہا اشک فشاں ساری رات

شب کو اک نالہ کیا سوز جگر سے میں نے
شمع ساں شعلہ رہا وقف زباں ساری رات

پیاسا ہے آب دم شمشیر کا تیری قاتل
دیکھے ہے خواب میں اک جوئے رواں ساری رات

قصہ میرا شب ہجراں کا اگر سنیئے ذرا
نیند آوے نہ تمہیں ماہ وشاں ساری رات

یاد آیا جو تیرے کان کا جھمکا تو رہی
تکتکی عقد ثریا سے یہاں ساری رات

رشک سے عارض تاباں کی ترے اے مہوش
رہتا ہے زیر زمیں مہر نہاں ساری رات

اے ظفر پوچھ شب غم کا نہ شور و فریاد
تھمی نالو سے گئی میری زباں ساری رات

غضب ہے اپنا ہے اس شوخ خشمگیں پہ داشت — جو چپتا ہے سدا عاشق حزیں برداشت
تمہارے منہ سے کہاں منہ جو غنچہ روکش ہو — دہن اگرچہ ہے چھوٹا سا، ہاں نہیں برداشت
رہا ہ شانہ صفت کش مکش میں وہ اک عمر — رکھا ہے جس نے تری زلف عنبریں برداشت
یہ مے ہے عقل کی دشمن کہ اس کا ہر قطرہ — کرے ہے حیز فلاطون خم نشیں برداشت
جو پہ فروغ ہوا لعل بے بہا پہ لب — تو لے گئے ہیں شرف گوہر ثمیں برداشت
جگر کو کاٹتے تھے جس سے میری طفل سرشک — وہ گر کے ٹوٹ گئے شاید آستیں برداشت
ستارے چھتے ہیں شاید ہمارے رونے پہ — نکالتے ہیں جو شب چرخ ہفتمیں برداشت
کریں ہیں شہد سے آلودہ کب وہ لب اپنے — رکھے ہیں جو کہ ترے لعل شکریں برداشت

ظفر ہم ان کو جو شیریں کلام جانتے تھے
اب ان کے خوب ہوئے کہتے اس زمیں برداشت

آگے پہنچاتے تھے واں تک خط و پیغام کو دوست — اب تو دنیا میں رہا کوئی نہیں نام کو دوست
دوست یک رنگ کہاں جبکہ زمانہ ہو دو رنگ — کہ وہی صبحکو دشمن ہے جو ہے شام کو دوست
میرے نزدیک ہے ' واللہ وہ دشمن اپنا — جانتا جو کہ ہے اس کافر خود کام کو دوست
دوستی تجھ سے جو اے دشمن آرام ہوئی — نہ میں راحت کو سمجھتا ہوں نہ آرام کو دوست
چاہتا وہ ہے بشر جس سے بڑھے عزت و قدر — پہلے موقوف کر اپنی طمع خام کو دوست
جو ہے اے رشک چمن کشتہ تری آنکھوں کا — رکھتے ہیں گور پہ اس کی گل بادام کو دوست

اے ظفر دوست ہیں آغاز ملاقات میں سب
دوست پر وہی ہے جو شخص ہو انجام کو دوست

کہہ بیٹھوں جو سوز غم ہجراں کی حقیقت — کچھ بھی نہ رہے آتش سوزاں کی حقیقت
تدبیر رفو کیا ہو کہ اب دست جنوں نے — رکھی نہ مرے کچھ بھی گریباں کی حقیقت
آنکھوں سے ہے یہ دیدہ گریاں نے دکھایا — کانوں سے سنا کرتے تھے طوفاں کی حقیقت
جو حرف ہے مطلب کا وہ اشکوں سے مٹے ہے — کیا خط میں لکھوں میں غم پنہاں کی حقیقت
صدکان نمک صرف ہو ہر زخم میں میرے — قائل نہیں کچھ ایک نمک داں کی حقیقت
ہو گری مضمون سے جگہ مہر کی اک داغ — گر خط میں لکھوں میں دل سوزاں کی حقیقت

حاضر ہے دل و جاں کہ ظفر یار کے آگے
کچھ دل کی حقیقت ہے نہ کچھ جاں کی حقیقت

کب بنائے سے بنے ہے کوئی تدبیر کی بات — بات دو ہی ہے کہ جوبات ہے تقدیر کی بات
جب زبانی مرے اور اس کے لگے ہونے کلام — پر وہ جب اٹھگیا پھر کیا رہی تحریر کی بات
سانپ بن بن کے زباں کو لگے ہر موج سخن — گر کہیں جھوٹ تری زلف گرہ گیر کی بات
زلف و چشم اس کی نے پابند کیا عالم کو — نہ تو جولاں کی رہی بات نہ زنجیر کی بات
آگے ابرو کے ترے ذکر کماں آنہ سکے — سامنے تیری نگہ کے نہ چلے تیر کی بات
ابر نے میری اڑائی روش گریہ صبح — برق نے سیکھی مرے نالہ شب گیر کی بات

قطعہ

ہنستا اور بولتا ہے عالم حیرت میں کہاں — کھلے کس طرح بھلا عاشق دلگیر کی بات
دیکھا چپتے گل قالیں کو نہ آنکھوں سے کبھی — اور نہ کانوں سے سنی بلبل تصویر کی بات

خلق کے دل میں اثر کیوں نہ کرے تیرا سخن
سچ ہے واللہ ظفر ہے تری تاثیر کی بات

نالہ ہے برق فشاں سوز جگر کی دولت
ابر نیساں ہے مرے دیدہ تر کی دولت

اتنی بینائی کہاں ہے جو دیکھیں اسے ہم
دیکھ لیتے ہیں مگر اہل نظر کی دولت

خانہ دل میں نہ ہے شمع نہ مشعل نہ چراغ
کچھ اجالا ہے تو ہے داغ جگر کی دولت

گزر اس در پہ کیا جی سے گزر کر ہم نے
پہنچے تا کعبہ مقصود سفر کی دولت

وقت نعمت کے ہوا شکر کا سجدہ واجب
شاخ سر اپنا جھکائے ہے ثمر کی دولت

قدر شمشیر کی ہوتی ہے فزوں جوہر سے
عزت اہل ہنر ہے تو ہنر کی دولت

شعر میں آگے میرے اتنی نہ تھی باریکی
ہوگئی اب ترے مضمون کی کمر کی دولت

قیس و فرہاد کا تو شہرہ ہوا باعث عشق
اور مشہور ہوا عشق ظفر کی دولت

کیا تری زلف کے گھر میں ہوئی مہماں تھی رات
تیرہ بختی سے میری دست و گریبان تھی رات

کہکشاں سینہ گردوں پہ نمایاں تھی رات
کس کے ماتم میں کیے چاک گریباں بھی رات

جوش گریہ سے ترے ہجر میں اے رشک چمن
چشم بددور یہ آنکھ ابر بہاراں تھی رات

سوزش دل کا مرے مجھ سے نہ پوچھو احوال
کہ میرے سینے میں اک آتش سوزاں تھی رات

شمع کی طرح مجھے راتے جو سولی پہ کٹی !!
یاد قامت تری اے سرو خراماں تھی رات

حلقہ زلف میں دیکھا رخ روشن اس کا
لیے آغوش میں خورشید درخشاں تھی رات

چشم پر آب کے چھینٹے نہ بچایا ورنہ !!
لائی بے طرح حرارت تپ ہجراں تھی رات

بل بے تاثیر ترے عشق کی ہم نے دیکھا
شمع خاکستر پروانہ پھگریاں تھی رات

زخم پر تیغ جدائی کے جھکائے دیتی
اے ظفر چرخ پہ انجم شبے نمکداں تھی رات

سن لے او کافر بدکیش ذرا دھیان سے بات
جھوٹ کہتے نہیں ہم کہیں ہیں ایمان سے بات

ہے وہ کیا بات کہ تو یوں ہے عدوے دل و جاں
ہم نے مانی تری ہر ایک دل و جان سے بات

بول سکتے نہیں محفل میں تری ہم منہ سے
کوئی کہتا ہے تو سن لیتے ہیں ہاں کان سے بات

قطع کرتا ہے جو گل گیر زباں کو اس کی
ایسی سرزد ہوئی کیا شمع شبستان سے بات

یہ بھی قسمت کا لکھا پھیر لے منہ وہ تو خط
اپنے مطلب کی کہوں گر کسی عنوان سے بات

بولتے طوطی تصویر کو دیکھا کس نے
کیونکہ نکلے دہن عاشق حیران سے بات

اے ظفر بیٹھا بنایا کرے باتیں لیکن
اس کے بن فضل بن آتی نہیں انسان سے بات

کہتا تھا اس رود خط کو ماہ ہالہ بستہ رات
رات سے پیوستہ ہے دن دن سے ہے پیوستہ رلت

شوق میں مضمون قامت کے ترے ڈھلتے رہے
نالہ موزوں سے کیا کیا مصرع برجستہ رات

وہ نہ آیا اور ہم یاں چشم اختر کی طرح
صبح تک دیکھا کیے اس مہ جبیں کا راستہ رات

میکشوں کو کہکشاں کی دیکھ کر ساقی لکیر
آسماں سوجھا نشہ میں شیشہ شکستہ رات

شمع اپنے گل پہ نازاں تھی بہت پر جل گئی
دست گل خوردہ کا میرے دیکھ کے گلدستہ رات

رات ہمسایوں کی ہو جاوے نہ کیونکر روز حشر
درد دل سے جب کراہا عاشق دل خستہ رات

پھرتے ہیں دن رات اس گل کی ہوائے وصل میں
اے ظفر نے دن سمجھتے ہیں نہ ہم وارستہ رات

ردیف تائے ہندی

پلا نہ غیر کو صہبائے مشک بو کے گھونٹ   پیے گا رشک سے ظالم کوئی لہو کے گھونٹ
نہیں ہے فیض سے محروم کوئی ساقی کے   کسو کے جام نصیبوں میں ہے کسو کے گھونٹ
تمہارے شربت دیدار سے ہیں سب سیراب   نہیں نصیب میں پر اس پر آرزو کے گھونٹ
سکندرآب بقا سے پھر آیا تشنہ وہاں   ملا نہ ایک بھی بعد اتنی جستجو کے گھونٹ
کریں ہزار غراروں سے منہ وہ اپنا صاف   جو ایک لیں مرے قلیاں کا بھولے چو کے گھونٹ

ظفر ہیں جرعہ زہر اب سے زیادہ تلخ
شراب الفت خوبان تند خو کے گھونٹ

ردیف تائے مثلثہ

زر فراہم کرکے ناداں لے نہ تو قاروں کی ارث
علم کر پیدا ملے تا مو سے و ہاروں کی ارث
عشق میں یوں قیس نے پائی ترے مجنوں کی ارث
جس طرح پہنچی ارسطوں کو ہے افلاطوں کی ارث
لکھ دے مہر داغ سے اپنے یہ نامہ جنوں
کب کہا ہم نے کر ہے اتنی زمیں ہاموں کی ارث
میل گندم کی طرف جنت میں آدم نے کیا
پہنچتی ہے ہم کو عشق حسن گندم گوں کی ارث
جوں صدا جو خانہ زاد حلقہ زنجیر ہو ! !
خانہ زنداں نہ کیوں کر ہووے اس مجنوں کی ارث
دیکھ دور چشم ساقی عقل چکر میں گئی
کیا ہا گردش تھی گرچہ پشت سے گردوں کی ارث
آل تمغا غم نے نسلاً بعد نسلا لکھ دیا
خوں فشانی ہے یہ اشک دیدہ پر خوں کی ارث
دی سر نو اس نے کشتہ کو زمین سد کر تھی
نہ بہر نے زرخرید اور یہ نہ اس مدفوں کی ارث
چھین لے گا طفل اشک چشم طوفاں کو ظفر
مردم آبی کا ترکہ ماہئی جیحوں کی ارث

غافلو کرتے ہو تم فکر کی تدبیر عبث   فکر و تدبیر سے ہے چارہ تقدیر عبث
نہ کھلا عقدہ یہ اے شانہ کر ہم سے دل میں   کیوں گرہ رکھتی ہ وہ زلف گرہ گیر عبث
تشنہ کاموں ہی کو تیرے نہ کیا گر سیراب   یاد کر اپنی نہ کھچوائیے تصویر عبث
فکر کرواں کی ہمیشہ تجھے رہنا ہے جہاں   یاں مکاں کرتا ہے کس واسطے تعمیر عبث
ایسے دیوانے کوئی ٹھہرتے ہیں زنداں میں   پاؤں پڑتی ہے مرے آن کے زنجیر عبث

وہی پیش آئے گا لکھا ہے جو پیشانی میں
نامہ کرتے ہو ظفر تم اسے تحریر عبث

ردیف جیم

اس لیے ڈھونڈتا پھرتا ہوں دل زار کا کھوج کہ ملے تو ملے خانۂ دلدار کا کھوج
چھپ گیا خال سر زلف چھپا کر دل کو نہ اندھیرے میں ملا وزدِ سیہ کار کا کھوج
ڈھونڈھیں کیا سینہ میں تیر نگہ یار کا کھوج نہ پتا ملتا ہے پیکاں کا نہ سوفار کا کھوج
جا کے پھر آئے اگر کوئی عدم میں تو بھی نہ ملا ہے نہ ملے گا کمر یار کا کھوج
تیرے دنداں سے جو روکش ہو تو مانند حباب صاف دریا میں ملے گوہر شہوار کا کھوج
چھوٹے ہم دام سے صیاد کے پر کیا حاصل نہ پتا گل کا ملا اور نہ گلزار کا کھوج
بے خلل پر وہ دلدار میں سوراخ نہیں ہم نکالے ہیں گے اس روزن دیوار کا کھوج
جب وہ دو چار قدم آئے کہ جوں نقش قدم مٹ گیا خاک نشینوں میں سے دو چار کا کھوج

اے ظفر کیونکہ رفو ہو کہ جنوں کے ہاتھوں
ہاتھ آیا نہ گریباں میں کہیں تار کا کھوج

جیسے کہ ہیں سو زلف کے خم سے کج دوا کج ہے یونہیں مزاج آپ کا ہم سے کج وداکج
بے وجہ نہیں ہے یہ حباب آنکھ دکھانا چلنے لگی کچھ موج بھی ہم سے کج ودا کج
ہے کج روی چرخ دلا ایک جہاں سے تنہا نہیں کچھ یہ مرے دم سے کج ودا کج
پلکیں تری بے گریہ جو ٹھہری ہوں عجب ہے سرتیروں کے ہو جاتے ہیں نم سے کج ودا کج
بیڈھب کج ووا کج ہے تری چین جبیں پر رہتی ہے طبیعت اسی غم سے کج ودا کج
وصف میں اس زلف کے یہ ہاتھ کو رعشہ اب حرف نکلتے ہیں قلم سے کج ودا کج

تشنہ ہوں ظفر اس پہ کہ اس مست کی شمشیر
چلتی ہے عجب طرز ستم سے کج ودا کج

کلی جو لالہ اھرکی مسکرائی آج ہنسی چمن میں مجھے تیری یاد آئی آج
مسی یہ شوخ نے لب پر نہیں لگائی آج گھٹا ہے چشمہ حیواں پہ خوب چھائی آج
نہیں ہے وجہ کدورت کوئی مجھے معلوم کروں اس آئینہ رو سے جو میں صفائی آج
بہار تختہ اورنگ ہوگئی پامال چمن میں فندق پا تم نے جب دکھائی آج
مثال نقش قدم آہ اٹھ نہیں سکتا ملا دیا خاک میں تو نے شکستہ پائی آج
عجب روش سے وہ غنچہ دہن ہنسا یارو کہ ہوگئی مرے دل کی گرہ کشائی آج
نہ کیونکہ پنجہ مژگاں ہو اپنا خون آلود نظر پڑا ترا پنجہ حنائی آج
برنگ شانہ کیوں کر ہو دل کشاکش میں کرے ہے زلف تری ہم سے کج ادائی آج
تمہارے حسن کے کوچہ میں لے کے کاسۂ چشم بغور دیکھئے کرتا ہوں میں گدائی آج

علاوہ شوخ تو سچ ہے کہ اے ظفر ہم سے
سوائے گریہ کے کچھ بات بن نہ آئی آج

مانگ میں دل کو اے زلف سیہ فام نہ بھیج راہ ظلمات کی ہے اس کو سر شام نہ بھیج
میں تری چشم کا عاشق ہوں تسلی کو مری دستۂ نرگس و شاخ گل بادام نہ بھیج
نامہ بر کہیو کہ مشتاق لقا ہوں تیرا تجھ کو ملنا ہے تو اب نامہ و پیغام نہ بھیج
بزم میں کتنوں کے منہ لال ابھی کردوں گا پان غیروں کو مرے آگے گل اندام نہ بھیج
کہیو قاصد کو نہ کھل جائے کسی پر یہ راز سر مکتوب تو لکھ لکھ کے مرا نام نہ بھیج
نہ ملا تو مجھے انگاروں پہ ہاں غیر کے ہاتھ پھول مرے قد پہ مرے اے بت خود کام نہ بھیج

اے ظفر آبرو اپنی جو تجھے ہے منظور اے قاصد
اشک کو کہتا ہوں ذرا تھام نہ بھیج

کر گئی دل میں سرایت اپنے جب تاثیر موج تب کھلی دریا دلوں پر ہمدمو توقیر موج
اس لیے پھرتا ہے سر پر خود کو رکھ کر حباب عرصہ دریا میں رہتی ہے علم شمشیر موج
مت ہوائے عشق میں آنا دل دیوانہ تو پاؤں دیواں کے پڑتی ہے سدا زنجیر موج
یہ سرشک چشم پر عکس مژہ مروم نہیں ہے سلیمانی کے دانے پر عیاں تحریر موج

چین پیشانی نہیں اس کی ظفر دیکھو تو اب
صفحہ قدرت پہ ہے کھینچی ہوئی تصویر موج

ردیف جیم فارسی

سب کار جہاں ہیچ ہے سب کار جہاں ہیچ اس ہیچ سے امید ہے اے ہیچمداں ہیچ
جن نام وروں کے کہ جہاں زیر نگیں تھا اب ڈھونڈھے تو ان کا ہے کہیں نام و نشاں ہیچ
مانند حباب اس نفس میں ہے خراب اس منزل فانی میں ہے بنیاد مکاں ہیچ
ایک عمر رہے ملبہ دنیا سے گراں بار آخر کو دیکھا تو بجز بار گراں ہیچ
خوبان جہاں کا ہے تو کیا محو تماشا جن کی کہ کمر ہیچ ہے جتنا کہ وہاں ہیچ
اس باغ میں تھوڑی سی بہار اور پھر اس پر اے تو گل خنداں مجھے تشویش خزاں ہیچ
ہو جنس تنک ملبہ ہستی کے نہ خواہاں یہ جنس یہ بازار یہ گوہر یہ دکاں ہیچ
آواز طرب گوش دل محوفنا سے جز نالہ فریاد و بجز آہ و فغاں ہیچ
جو ہونی ہے ہوگی نہیں امکاں کہ نہووے پھر فکر سے کیا فائدہ غیراز خفقاں ہیچ
پایا نہ بجز داغ سیہ کاری یک عمر نقش قدم قافلہ عمر رواں ہیچ

کیا دیکھیں ظفر خانہ ہستی کا تماشا
اس وہم کدہ میں ہے بجز وہم و گماں ہیچ

دل مرا الجھا ہا ہے یار کے بالوں کے بیچ کیا تماشا ہے کہ اک طائر ہے سو جالوں کے بیچ
چشم بلبل دیکھ جس کو مائل حیرت ہوگی یہ چکن کے گل بنے ہیں تیرے رومالوں کے بیچ
جس طرح آتے نظر گرداب میں بھی ہیں حباب یوں دکھائیے دیتے ہیں موتی ترے بالوں کے بیچ
روبرو ہوتے ہی دم نکلے ہیں نفخ صور کا کیا قیامت شور ہے یارب مرے نالوں کے بیچ
یاں تلک صحرا نوردی میں نے کی ہے بعد قیس میں خلیدہ سینکڑوں کانٹے مرے چھالوں کے بیچ
جی جلاتے ہیں سدا شعلہ رخاں ہر ایک کا بیٹھ مت اے دل تو ان آتش کے پرکالوں کے بیچ
دیکھ سیل اشک کو نظروں میں مردم کی کہا کس طرف سے دوڑا آیا آب یہ نالوں کے بیچ
لب تلک آتی ہے میرے جب کبھی اکر آہ گرم دیر تک رہتی ہے سوزش میرے تبخالوں کے بیچ

آپ کا چوری سے جانا کھل گیا شاید ظفر
آج چرچا ہو رہا تھا ان کے گھر والوں کے بیچ

دیکھنا کیا آپڑے اس چشم پر گیسو کے بیچ ہیں یہ زیبا سر بسر شاخ سر آہو کے بیچ
طوق قمری کے نہیں گردن میں اس نے اے صبا یہ اٹھایا عشق میں ہے سرو آب جو کے بیچ
ساتھ سونے میں لپٹ کر اس طرح سے لطف ہے پاؤں میں پاؤں کے ہوں بازو میں ہوں بازو کے بیچ
جسم لاغر کو مرے دیکھے وہ بل کھاتے ہوئے آگ پر جلتے نہ دیکھے ہوویں تار مو کے بیچ
ہے حیا اس عرق چیں کو کس ادا سے دیکھیو رکھ لیا پر روبرو دے کے سے زانوں کے بیچ
پہلوان غم سے میری ہے جو کشتی رات دن کاہے کو رستم کو بھی ہیں یاد اس قابو کے بیچ
آ گیا دل بیچ میں عاشق کا وقت مے کشی دیکھ کر گردن میں دستار بت دل جو کے بیچ

اے ظفر ہر بات اس کی بیچ سے خالی نہیں
میرے دل سے کوئی پوچھے اس بت بدخو کے بیچ

ٹکڑے نہیں ہیں آنسوؤں میں دل کے چار پانچ
سرخاب بیٹھے پانی میں ہیں دل کے چار پانچ

منہ کھولے ہیں یہ زخم جو بسمل کے چار پانچ
پھرلیں گے بوسے خنجر قاتل کے چار پانچ

کہتے ہیں مطلب ان سے ہمیں دل کے چار پانچ
کیا کہیے ایک منہ ہیں وہاں دل کے چار پانچ

دریا میں گر پڑا جو مرا اشک ایک گرم
بتخانے لب پہ ہوگئے ساحل کے چار پانچ

دو چار لاشے اب بھی پڑے تیرے در پہ ہیں
اور آگے دب چکے ہیں سگے گل کے چار پانچ

راہیں ہیں دو مجازو و حقیقت ہے جنکا نام
رستے نہیں ہیں عشق کی منزل کے چار پانچ

رنج و تعب مصیبت و غم یاس و درد و داغ
آہ دوستاں رفیق ہیں یہ دل کے چار پانچ

دو تین جھٹکے دوں جو ہی وحشت کے روز میں
زنداں ہیں ٹکڑے ہوویں سلاسل کے چار پانچ

فرہاد و قیس و وامق و عذرا تھے چار دوست
اب ہم بھی ملے تو ہوئے دل کے چار پانچ

نازو ادا و غمزہ نگہ ہوئے مژہ ! !
ماریں ہیں ایک دل کو یہ پل پل کے چار پانچ

ایسا ہے یہ کہ دلویں گے تو دن کے بعد دل
لکھ بھیجے خط میں شعر جو بیدل کے چار پانچ

ہیرے کے نورتن نہیں تیرے ہوئے ہیں جمع
یہ چاندنی کے پھول مگر کھل کے چار پانچ

مینائے نہ فلک ہے کہاں بادہ نشاط
شیشے ہیں یہ تو زہر ہلاہل کے چار پانچ

ناخن کریں ہیں زخموں کو دوا دو ملا کے ایک
تھے آٹھ دس سو ہوگئے اب چھل کے چار پانچ

گر انجم فلک سے بھی تعداد کیجئے
نکلیں زیادہ داغ مرے دل کے چار پانچ

ماریں جو سر پہ سل کو اٹھا کر قلق سے ہم
دس پانچ ٹکڑے سر کے ہوں اور سل کے چار پانچ

مان اے ظفر تو پنجتن و چار یار کو
ہیں صدر دین کی بھی محفل کے چار پانچ

خوش نگہ لے ہیں دل گیر کو آنکھوں سے کھینچ
مانی ان کی آنکھوں کی تصویر کو آنکھوں سے کھینچ

عکس مردم پہ لپٹے میں تصور کے سبب
لیتا ہوں اس یار کی تصویر کو آنکھوں سے کھینچ

مر ہی جاتا ہے جگر پر جس کے وہ ابرو کمان
مارتا ہے اک نگہ کے تیر کو آنکھوں سے کھینچ

جی میں ہے خوں میں ڈبو کر خامہ مژگاں کو میں
اس کے لعل لب کی لوں تصویر کو آنکھوں سے کھینچ

دیکھتا مردم طلسم حسن وہ ترک نگہ
قتل کرتا ہے مجھے شمشیر کو آنکھوں سے کھینچ

کھینچنا سینہ سے تیرا تیر کب منظور ہے
ورنہ لوں ناوک فگن اس تیر کو آنکھوں سے کھینچ

وہ کہے گا آنکھ سے سرمہ لگاوے تو ظفر
آنکھ میں وہ سرمہ کی تحریر کو آنکھ سے کھینچ

اڑ گیا گل کا جو یوں رنگ گلستان کے بیچ
اے صبا کیا خبر اڑتی ہے پڑی کان کے بیچ

دم میں کھیرے نہیں جان نہیں جان کے بیچ
زلف کیا کہتی ہے جھک جھک کے ترے کان کے بیچ

موجزن چشم سے ہیں اشک خدا خیر کرے
غرق ہو کشتی افلاک و طوفان کے بیچ

گر پڑا کوئی سیہ مست کنوئیں میں دیکھو
خال کاجل کا ہے اس چاہ زنخدان کے بیچ

عمر کرتا ہوں بسر اپنی پری رویوں میں
ہوں وہ انسان کے رہتا ہوں پرستان کے بیچ

وہ نہ آیا ہے نہ آئے گا بلا سے اس کی
کوئی مر جاوے اگر حسرت و ارمان کے بیچ

جیسے مژگاں ہے تری خون جگر سے رنگیں
سرخی ایسی ہے کہاں شاخ مرجاں کے بیچ

شوخ بد کیش ہے اخلاص سے اتنا بیزار
نہ پڑھے سورہ اخلاص کو قرآن کے بیچ

عرش سے فرش تلک جو ہے وہ سب ہے اس میں
دیکھ وسعت ہے ظفر کیا دل انسان کے بیچ

ردیف حاء مہملہ

تو نے رخ پہ زلف کا حلقہ بنایا بے طرح   مرغ دل کو دام میں کافر پھنسایا بے طرح
دیکھیے شبخون کا کس کے ارادہ ہے کہ آج   آپ نے مل کر مسی کو پان کھایا بے طرح
خط کے آنے سے تسلی دل کی ہوتی ہے پر اب   یک قلم لکھنے سے ہاتھ اس نے اٹھایا بے طرح
ہے ارادہ خاک میں کس کے ملانے کا تجھے   سرمہ آنکھوں میں جو اب تو نے لگایا بے طرح
باغ میں جلوہ تمہارے دیکھ خط سبز کا   منفعل ریحاں نے ہوکر زہر کھایا بے طرح
محو نظارہ رہے گا اپنی صورت کا وہ آپ   آئینہ یارو اسے تم نے دکھایا بے طرح
پنجہ مژگاں سے کب رکتا تھا یہ طفل سرشک   آخرش سر پر مرے طوفان لایا بے طرح
بن گیا ہے سر بسر سینہ مرا آتشکدہ   سوز الفت نے مرے دل کو جلایا بے طرح
چاہ میں اس یوسف ثانی کے یارو کیا کہوں   ہائے کم بختی مجھے دل نے ڈبایا بے طرح

ہم نہ کہتے تھے ظفر دل مت لگا ہر ایک سے
دیکھو تو اس کا مزا آخر کو پایا بے طرح

جو اپنے لب سے قدح کش کوئی لگائے قدح   تو پہلے چاہیے منہ سے پڑھے دعائے قدح
وہ بادہ کش ہوں کہ لے لے کے جس کی خاک کلال   کبھی بنائے سبو اور کبھی بنائے قدح
ہوا بتائے ہے کیا دے کے دو شراب کے گھونٹ   کہ اس ہوا میں ہے ساقی مجھے ہوائے قدح
پئے ہیں بادہ گلرنگ اشک خوں سے ہم   کہ دل بجائے سبو چشم ہے بجائے قدح
مزا یہی ہے کہ ساقی بجائے کیفیت   اتار جس کو نشے کا ہو وہ چڑھائے قدح
سکندر آئنے پر اپنے پھر نہ کرتا ناز !   صفائے دل سے اگر دیکھتا صفائے قدح

قدح کشوں پہ ظفر طعنہ زن تو ہے صوفی
رہیں نہ ہوش بجا آنکھ گر دکھائے قدح

ہم مانتے ہیں کب کسی غمخوار کی صلاح   اپنی وہی صلاح کہ جو یار کی صلاح
اس بیوفا کی ہو نہ سکے ترک دوستی   یہ ہم نے اور دل نے کئی بار کی صلاح
مر جائیے نہ ہو جیے منت کش مسیح   اب تو یہی ہے اس تن بیمار کی صلاح
کاکل میں دل پھنسے کہ گرفتار زلف ہو   فرمائیے جو اس میں ہو سرکار کی صلاح
انکار وصل کیونکہ ہو تیرا مشورہ   ہے ان سے جو نہ دیں کبھی اقرار کی صلاح
ٹھہری تھی ان کے آنے کی پھر آج اس طرف   لیکن نہ ٹھہری ان کے طرف دار کی صلاح
کہنے پہ کیجئے پیر خرابات کے عمل   لیجئے نہ زاہد ان ریا کار کی صلاح
برگشتہ بخت وہ ہوں کہ بیچوں جو دل کو میں   پھر جائے لیتے لیتے خریدار کی صلاح

کیا ذکر اپنے منہ سے نکالیں وہ ایک بات
جب تک کہ اے ظفر نہ ہو دو چار کی صلاح

سب طرح داروں کو دیکھا ہم نشیں اچھی طرح   اس پری رو سے کسی کی بھی نہیں اچھی طرح
گر پڑھے خط بھی تو نو خط تو نظر سے غیر کے   حرف مطلب کا نہ ہو خاطر نشیں اچھی طرح
سرد مہری کس طرح شیدہ ہو اس بے مہر کا   ہو اگر تاثیر آہ آتشیں اچھی طرح
چھین کر تو لے چلے ہو گو ہر دل کو مرے   پر نہ کھو دینا اسے رکھنا کہیں اچھی طرح
بہ گئے دریا ابھی ہم نے نچوڑی بھی نہیں   پونچھ کر آنکھوں کے آنسو آستیں اچھی طرح
سر مرا حاضر ہے قاتل سوچتا ہے دل میں کیا   امتحاں لو کر لے اپنی تیغ کیں اچھی طرح
خواب غفلت سے کوئی دم جاگ لو زیر فلک   جا کے سونا غافلو زیر زمیں اچھی طرح
تو اگر غم میں محبت کے نہ ہوتا مبتلا   کیا گزرتی اے دل اندوہ گیں اچھی طرح

اے ظفر کس طرح بیٹھے خوب نقش مدعا
سینہ کاوی تا نہ ہو مشکل نگیں اچھی طرح

عرق ہے اس گل عارض پہ کیا گلاب کی روح
کہ سرخی لب میگوں بھی ہے شراب کی روح

نکل تو جائے ابھی اس جگر کباب کی رح
مگر ہے شب سے ترے منتظر جواب کی روح

پھڑک پھڑک کے نکلتی ہے کس طرح دیکھو
تمہارے بسمل سرگرم اضطراب کی روح

میانہ ہو کے جو مردار خوار ہو کوئی !
تو جان قالب انسان میں غراب کی روح

جو دیکھ کر دل بیتاب گم ہو برق کے ہوش
تو دیکھ دیدہ تر خشک ہو سحاب کی روح

تمہاری تابش رخسار نے مجھے مارا
فنا ہوئی مری گرمی سے آفتاب کی روح

نہ سمجھو وادی مجنوں میں گرد باد اسے
بھٹک رہی ہے اسی خانماں خراب کی روح

ہوائے کوچہ جاناں رہی جو بعد وفات
تو ہوگئی خلد میں بھی مبتلا عذاب کی روح

شمیم زلف سے اس کے نہو سکے ہم سر
ظفر نکالے اگر کوئی مشک ناب کی روح

خود رفتگاں کو روکے کوئی کیا کسی طرح
چل نکلے پر قدم نہیں تھمتا کسی طرح

سوز غم فراق سے دل اس طرح جلا
پھر ہو سکا کسی سے نہ ٹھنڈا کسی طرح

ٹوٹے ہزار خار غم و نشتر الم
پھوٹا نہ میرے دل کا پھپھولا کسی طرح

نالوں سے میرے آب ہوئے سنگ بار ہا
اس سنگ دل کا دل نہ پسیجا کسی طرح

میں خاک ہو کے عشق میں برباد ہوگیا
دامن تلک دل کا دل نہ پہنچا کسی طرح

سمجھایا تو نے ہم کو تو سو طرح ناصحا
لیکن ہمارا دل نہیں سمجھا کسی طرح

بے طرح دام زلف بتاں میں ہے دل اسیر
چھوٹے یہ اس بلا سے خدایا کسی طرح

روتے ہی روتے ٹوٹ گیا رشتہ حیات
پر آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹا کسی طرح

ٹیڑھا ہے اک زمانے سے گردوں اگر بجے
اس کو ظفر بنائیے سیدھا کسی طرح

ساقی جو تو نہ دے بوقت شراب صبح
ہو آفتاب حشر مجھے آفتاب صبح

زلف اپنی رخ پہ دکھ ذرا لے کے آئینہ
دریا پہ گر نہ دیکھا ہو تو نے سحاب صبح

ہیں کامیاب صبوحی سے بادہ کش
زاہد نماز صبح سے ہے فیض یاب صبح

یوں تشنگاں کو دے ہے مزا آب تیغ یار
مست مے شبانہ کو جس طرح آب صبح

کیا تاب آفتاب میں ہو اتنی روشنی
جھلکے ہے حسن ور بھی زیر نقاب صبح

پیری میں گر حلاوت غفلت زیادہ ہو
یارو عجب نہ سمجھو کہ شیریں ہے خواب صبح

نور جمال کا ظفر اس کے نہ پوچھ وصف
عارض جواب مہر جبیں ہے جواب صبح

ردیف خاء معجمہ

برگ گل باغ میں ہیں سرخ تو کیا خوب ہیں سرخ
پر حنائی یہ ترے ناخن پا خوب ہیں سرخ

اے صنم غرق بخوں کیوں کہ نہ ہو رشک سے لعل
لب پاں خوردہ ترے نام خدا خوب ہیں سرخ

دل پر خوں کو کیا تونے ہے کس کے پامال
کف پا ترے جو بے رنگ حنا خوب ہیں سرخ

رات جاگا ہے کہاں پی کے شراب گلگوں آج آنکھیں تری
اے ماہ لقا خوب ہیں سرخ

فندق پا کو گلستان میں ہے دھویا کس نے
پھول گل مہندی کے جو باد صبا خوب ہیں سرخ

آیا ہے کس پہ تو گویا آگ بھبوکا بن کر !!
تیرے رخسار جو اے ہوش ربا خوب ہیں سرخ

اشک گلگوں پس مژگاں ہیں بھبوکا سے ظفر
نار کے پنجرے میں یہ دیکھ تو کیا خوب ہیں سرخ

نظر کی اس کی جو بیٹھی مری نظر میں سلاخ
تو گز گئی وہ سراسر دل و جگر میں سلاخ

عیاں ہے اشک کے قطرے میں بال مژگاں کا
عجب ہے گر عوض تار ہو گہر میں سلاخ

اشارہ دار پہ ہے کھینچنے کا یہ کس کے
کہاں نے گاڑی ہے لوہے کی اپنے گھر میں سلاخ

وہ اپنی آنکھوں میں پھیرے جو میل سرمہ کی
تو کیوں نہ رشک سے ہو میری چشم تر میں سلاخ

تپ دروں سے بھساتی ہے مثل سیخ کباب
ہمیشہ آہ جگر شعلہ وہ شرر میں سلاخ

شراب تند کے پیتے ہی بن گئی ساقی
گلو سے سینے تلک میرے لخط بھر میں سلاخ

ظفر کے نالے سے اے سنگ دل حذر کر تو
گزر ہی جائے ہے یہ کوہ کی کمر میں سلاخ

خاک اڑے یہ وحشت کی مجنوں جو تیرا کھائے چرخ
چرخ کے نیچے بگولا دوسرا بن جائے چرخ

میرا رونا دیکھ کر ہر رات تجھ بن مہ لقا
اشک انجم سے نہ کیونکر چشم میں بھر لائے چرخ

رو برو اس شعلہ رخسار گلگوں کے ہو سرد
آتش رنگ شفق کو لاکھ گر بھڑکائے چرخ

گردش چشم اس مہ بے مہر کی دکھلا کے پھر
خوب سرگرداں پھرایا تو نے مجھ کو ہائے چرخ

گر اشارہ ہو نہ اس مہ رو کے ابرو کا تو پھر
تیغ ماہ نو کریوں ہر ماہ کیوں چمکائے چرخ

جو طمع سے ہاتھ کھینچے وہ ہی تیرے ہاتھ سے
پاؤں اپنے بستر آرام پر پھیلائے چرخ

چرخ کی بے مہریوں سے ڈر ہے یہ اے مہروش
تو جو آوے میرے گھر ایسا نہ ہو سن پائے چرخ

ہے مزا برسات کا تجھ سے وگرنہ ساقیا
نار بارش سے بھتر پر اگر برسائے چرخ

چرخ ساغر میں بھری کس کے مے گلرنگ عشق
ہو گیا زہر اب غم سے سبز جتنائے چرخ

جب تلک تجھ کو نہ دیکھیں دیکھئے اب کیا ہمیں
آنکھیں دکھلائیں میں اشارے آفتیں دکھلائے چرخ

آنکھ اس خورشید وش کی پھر نہ جائے اے ظفر
اس کی کچھ پروا نہیں پھرتا ہے گر پھر جائے چرخ

دیکھ پتلی کا دیدہ مشک میں چرخ
کھایا ماہی نے بھی گرداب کے پھر چاک میں چرخ

آبروئے دل عاشق سے مقابل مت ہو
آبرو تیری ابھی جائے گی مل خاک میں چرخ

دیکھ تو سن کو نہ صحرا میں لگا کاوے پہ
کھاوے تجھ نہ نا حلقہ فتراک میں چرخ

کیا عجب ہجو سحر تار شعاع خورشید
یک قلم صرف کرے یاں تری پوشاک میں چرخ

دل بیتاب سے میرے جو ہو سرزد نالہ
مارے عالم ابھی اس گنبد افلاک میں چرخ

کس نے کیفیت چشماپی دکھائی اے شیخ
دختر رز کی جو کھاتا ہے پڑا تاک میں چرخ

شکل مرغ قفسی یہ دل بیتاب مرا
کیونکہ کھائے نہ ظفر سینۂ صد چاک میں چرخ

انکھیں تری نشے میں ہیں یوں بے حجاب سرخ   جیسے شراب سرخ میں ہووے حباب سرخ
وہ رخ ہے زیر گیسو سے پر پیچ و تاب سرخ   یا شام کو شفق سے ہوا آفتاب سرخ
یوں آہ سوز ناک نے جھلسا دیا جگر   ہو جیسے بھن کے سیخ کے اورکباب سرخ
لب سرخ اس کے روئے کتابی میں دیکھتا   شنگرف سے کتاب میں جوں لکھے باب سرخ
ظاہر ہے یوں گلے سے ترے پیک پان کی   جو شیشہ بلور میں جھلکے شراب سرخ
رنگ ہے جو کہ اس لب نازک کی ہم دمو   دیکھا نہ ایسے رنگ سے ہم نے گلاب سرخ
روتا ہوں یاد پائے نگاریں میں آپ کے   نکلے ہے اشک آنکھ سے جیسے شہاب سرخ
منقار طوطی ایسی نہیں سرخ جیسے ہیں   خار مژہ مرے سبب خون ناب سرخ

کس پر غضب کیا ہے کہ غصے سے اے ظفر
ہے آج یوں جو روئے بت پرعتاب سرخ

جبکہ ہو تجھ بن مجھے خواب و خور آرام تلخ   زندگی کیوں کر نہ پھر اے بت خود کام تلخ
اس شکر لب کی زبانی لگتا ہے شیریں مجھے   ورنہ لگتا ہے ہر اک انسان کو دشنام تلخ
خون دل جو تلخ کامی سے پیا میں نے مدام   ساقی ایسی کاں ہوگی مے گلفام تلخ
زہر چشم یار کا کشتہ ہوں میں اے ہمدمو   نخل تربت میں لگیں میری نہ کیوں بادام تلخ
حرف جانے کا زباں پہ لانہ اے جاناں مرے   ہے وہ میرے حق میں جیسے موت کا پیغام تلخ

حرف میری تلخ کامی کا جو لیوے ایک بار
صبح سے اس کی زباں رہوے ظفر تا شام تلخ

نہ دے تو گردش طالع سے بے نوا کو چرخ   بھنور سے کام ہے کیا کشتی گدا کو چرخ
سمجھتا اپنا ہے استاد کج ادائی میں   ہمیشہ اس مرے دلبر کج ادا کو چرخ
اڑال طفل مزاجی سے ہے وہ کیا کیا خاک   زمیں پہ کہتے ہیں جس پہ قد دوتا کو چرخ
ترا وہ عارض تاباں ہے اور وہ در گوش   کہ جن پہ وار کے پھینکے مہ و سہا کو چرخ
ہزار فتنہ اٹھائے ہے ایک گردش میں   بجا ہے کہئے گر اس چشم سرمہ سا کو چرخ
یہ خاک کون سے گردش زدہ کی ہے جس نے   دیے بگولے کے پردے میں یوں ہوا کو چرخ
تمام عمر پھرا چرخ مانا لیکن   نہ لایا گھر مرے اس میرے مہ لقا کو چرخ
نصیب ہوویں اگر ایک مشت گندم وجو   ہزار کھانے پڑیں سنگ آسیا کو چرخ

ہمیشہ سنگ فساں کی طرح سے پھر پھر کر
کرے ہے تیز ظفر خنجر جفا کو چرخ

کب چشم سرمہ سا ہے تری مست خواب سرخ   اس جام نیلگوں میں ہے رنگ شراب سرخ
منہ پہ ہے ترے لال ڈوپٹہ بوقت خواب   یا روئے مہر پر ہے شفق سے نقاب سرخ
کیا دل پہ گردا آبلہ ناخن کی ہے خراش   گویا کہ زرد خیمے کی ہے ہر طناب سرخ
شعلہ تو کیا کہ برق بھی تھرائے دیکھ کر   ہوجائے اس کاچہرہ جو وقت عتاب سرخ
روتا ہوں کس کے دست نگاریں کی یاد میں   آنسو ہیں میری چشم میں جیسے شہاب سرخ
اے مست نازل دل کا مرے سوز عشق سے   یہ رنگ ہے کہ جیسے ہو بھن کرکباب سرخ
ہو لعل لب سے روئے کتابی کی کیوں نہ زیب   شنگرف سے کتاب میں لکھتے ہی باب سرخ
خوں جوش میں ہے تیرے شہیدوں کا زیر خاک   نکلا زمیں کے پردے میں جو آفتاب سرخ

ہے میرے اشک خوں سے ظفر راہ عشق میں
ہر سنگ ریزہ صورت لعل خوش آب سرخ

ہجر میں کرتا ہے شبوں کی مرے تدبیر چرخ
کہکشاں سے کیوں نہ کھینچے رات کو شمشیر چرخ

گردش چشم سیاہ یار دکھلا کر مجھے
دیکھئے دیتی ہے کیا کیا گردش تقدیر چرخ

ایک شب گھر میں بلاؤں اپنے اس مہوش کو میں
ہے ستارے میں مرے اتنی کہاں تاثیر چرخ

وہ بلا چکر ترے دیوانے کے ہیں پاؤں میں
کھائے ہے جس کے اثر سے حلقہ زنجیر چرخ

اس چمنمیں تیرے ہاتھوں سے گل وغنچہ یک طرح
ہے کوئی خاطر شگفتہ اور کوئی دل گیر چرخ

ہے بنائے خستہ دنیا خرابی کے لیے
اس زمیں پر کرچکا ہے کتنے گھر تعمیر چرخ

قد خمیدہ ہے مرا ضعف سے مثل کماں
پر مرے نالوں سے ہے آماج گاہ تیر چرخ

چرخ فانوس خیالی اور ہم حسرت زدے
کھارہے ہیں اس میں کیا کیا صورت تصویر چرخ

خاک ہو گردش زدوں کی گرشریک گرد باد
اے ظفر ہووے نیا اک زیر چرخ پیر چرخ

دفتر میں ہے وہ حسن پر انوار کے تاریخ
محسوب ہے جو ماہ سے رخسار کے تاریخ

چین سرابرو ہے تری یا کہ ہے کندہ
تلوار کے قبضے میں یہ تلوار کے تاریخ

معلوم نہیں آیا ہے کہ روز میں قاصد
دیکھو تو سرنامہ ہے کیا یار کے تاریخ

قاتل ہے وہی مقبرہ کشتہ قامت
تو دیکھے جہاں سنگ پہ مینار کے تاریخ

جس روز معالج ہو تو اے رشک مسیحا
ہے ٹیک وہ حق میں دل بیمار کے تاریخ

کرتے ہیں قدم رنجہ کبھی گھر میں جو میرے
لکھ جاتے ہیں وہ طاق میں دیوار کے تاریخ

مرنے کے لیے کوئی دیکھا نہیں جاتا
اور دیکھتے ہیں واسطے ہر کار کے تاریخ

مٹ جائے ہے سب نام و نشاں کچھ نہیں حاصل
لکھنے سے در قصر پہ زردار کے تاریخ

آنے کا کیا یار نے اقرار تو ہم سے
پھر ٹھری ظفر وقت پہ اقرار کے تاریخ

کب سماتا ہے نگاہ شوخ غارت گر میں چرخ
چشم کی گردش سے اس کی آگیا چکر میں چرخ

خاک سے ہم اٹھ کے سرگرداں مثال گردباد
دیکھنا کھائیں گے کیا کیا عرصہ محشر میں چرخ

دیکھے اے سردفتر خوبی اگر چہرہ ترا
فرد باطل مہ کو سمجھے حسن کے دفتر میں چرخ

خواہ ہے سنگ فلاخن خواہ سنگ آسیا
چرخ دے ہے چرخ ورنہ ہے کہاں پتھر میں چرخ

گردش چشم اس کی دیکھے جوش مستی میں اگر
بادہ آکر جوش پر کھانے لگے ساغر میں چرخ

کردیا ہم کو جلا کر خاک لیکن آپ بھی
ہے مثال آئینہ آلودہ خاکستر میں چرخ

بزم تصویرات فانوس خیالی کی طرح
کھارہا ہے اک جہاں اس گنبد اخضر میں چرخ

ہے بھنور دریا میں پھرتا اور بگولہ دشت میں
چرخ کی گردش سے کھاتے ہیں گے بحروبر میں چرخ

کوئی رہ سکتا زمانے ہی نہیں اک طور پر
کچھ سے کچھ کرڈالتا ہے اے ظفر دم بھر میں چرخ

دیتا ہے جو مزا ترے لب سے کلام تلخ
رکھتی ہے کب یہ لطف مے لعل فام تلخ

صیاد آب و دانہ کی تو پوچھتا ہے کیا
ہے اب تو زندگی بھی مجھے زیر دام تلخ

وہ تلخ کام ہوں کہ مرے وقت تشنگی
ہو جاوے آب چشمہ شیریں تمام تلخ

کیا کیا غضب سے زہر اگلتے ہو تم ولے
اک حرف منہ سے کہتا نہیں یہ غلام تلخ

صفرائے رنج و غم سے ہے تیرے مریض کا
منہ تلخ ، حلق تلخ ، زباں تلخ ، کام تلخ

گو حرف پند تلخ ہے پر دل میں رکھ ظفر
اک روز یہ دوا ترے آئے گی کام تلخ

ردیف دال مہملہ

قدر اے عشق رہے گی تری کیا میرے بعد   کہ تجھے کوئی نہیں پوچھنے کا میرے بعد
زخم پر دل کے گوارا ہے مجھے کو یہ نمک   کون چکھے گا محبت کا مزا میرے بعد
در جاناں سے مری خاک نہ کرنا برباد   دیکھ جانا نہ ادھر باد صبا میرے بعد
خار صحرائے جنوں یوں ہی اگر تیز رہے   کوئی آئے گا نہیں آبلہ پا میرے بعد
میرے دم تک ہے ترا اے دل بیمار علاج   کوئی کرنے کا نہیں تیری دوا میرے بعد
اس ستمگر نے مجھے جرم وفا پہ مارا   کوئی لینے کا نہیں نام وفا میرے بعد

اے ظفر کیونکہ محبت کو نہ ہو غم میرا
کوئی غمخوار محبت نہ ہو میرے بعد

دل کا ہوجائے یہ رنگ ترے جانیکے بعد   پھول جیسے نہ رہے کام کا کملانے کے بعد
سب سمجھتا ہوں جو ناصح مجھے سمجھاتا ہے   پر سمجھ وہ نہیں رہتی ترے سمجھانے کے بعد
کوچہ یار میں جاپایا کیے ہم بے کھٹکے   کھٹکا پتا بھی نہ دربانکے کھڑکانے کے بعد
اس کمال دار ستم کیش نے بے رحمی سے   تیر اک اور بھی مارا مجھے چلانے کے بعد
آتش دل پہ مری دامن مژگاں مت ہلا   کہ بجھائی نہیں جانے کی یہ بھڑکانے کے بعد
تم غم عشق نہ کھاؤ کہ یہ ہے میٹھا زہر   دیکھو پچھتاؤ گے حضرت دل کھانے کے بعد
کیا کہوں درد دل اپنا کہ زباں پہ میری   پہلے تو ہائے ہے اور یہ وائے ہے ہوش آنے کے بعد
ہم بھی کیا ڈھیٹھ ہیں واللہ کہ اس کافر سے   پھر وہی بوسہ طلب کرتے ہیں جھنجھلانے کے بعد
چھوڑ کر کوچہ ترا کون طرف خلد کی جائے   جائے ہاں خوب سے وہ یاں سے گزر جانے کے بعد
خنجر غمزہ خونیں کا ہوں میں کس کے شہید   خون جائے ہے جو ہر زخم سے کفنانے کے بعد

دل کو ڈالو نہ ظفر زلف کے الجھیڑے میں
دیکھو سلجھا نہ سکو گے اسے الجھانے کے بعد

مژگاں نہیں ہیں چشم بت پر فتن کے گرد   یہ در لگے ہیں آہوئے دشت ختن کے گرد
مجنوں کی نذر عشق ہوا کوہ کن کے گرد   اب بعد کوہکن کے ہے اس خستہ تن کے گرد
ظاہر اسی سے جوش حلاوت ہوا کہ ہیں   مور خط سیہ ترے سیب ذقن کے گرد
مجنوں کو تیرے خوف بلایا کہ دشت میں   ہو جائیں گے حصار بگولے ہی بن کے گرد
عاشق کا خوں ہے جوش میں بعد ازوفات بھی   روئیدہ لالہ ہے لحد میں کوہکن کے گرد
چھپا گلی میں اس کے ہیں موتی یہ کیا طلسم   چمکائے آفتاب نے انجم کرن کے گرد
قوس قزح ہے اپنی کسی نوجوان کا خوں   گلگوں سجاف دامن چرخ کہن کے گرد
حسرت ہے اس اسیر قفس پر کہ جس کے پر   اڑتے پھرے ہیں بعد فنا بھی چمن کے گرد

ہوتا ہے صدقے یوں ظفر اس شعلہ خو کے دل
پروانہ جیسے پھرتا ہے شمع لگن کے گرد

لیکن آنکھوں میں سمائی رخ جاناں کی نمود   کہ نظر پر نہ چڑھی مہر درخشاں کی نمود
ہے عجب حسن سے خط رخ جاناں کی نمود   دیکھو کس صورت زیبا سے ہے قرآں کی نمود
قدر حنا کو ترے دیکھ کے اے رشک چمن   مل گئی خاک میں سب سرو گلستاں کی نمود
متصل زلف کے چمکے ہیں کہاں وہ درگوش   ہے سر شام مگر اختر تاباں کی نمود
میں شہیداں لبالعلیں کا ہوں زخموں سے مرے   سنگریزوں میں بھی ہو لعل بدخشاں کی نمود
کھلکھلا کر جو ہنسے باغ میں وہ غنچہ دہن   باندھے بلبل نہ پھر اپنے گل خنداں کی نمود
مرحبا دست جنوں اس تری چالاکی کو   نہ رہی نام کو بھی تار گریباں کی نمود
شعلہ آہ جگر سوز جو میرا ہو بلند   تو نہ ہو رات کو بھی شمع شبستاں کی نمود

ایسی آنکھوں میں سمائی رخ جاناں کی نمود
کہ نظر پر نہ چڑھی مہر درخشاں کی نمود

ہے عجب حسن سے خط رخ جاناں کی نمود
دیکھو کس صورت زیبا سے ہے قرآں کی نمود

قدر عنا کو ترے دیکھ کے اے رشک چمن
مل گئی خاک میں سب سرد گلستاں کی نمود

متصل زلف کے چمکے ہیں کہاں وہ دُرگوش
ہر سرشام مگر اختر تاباں کی نمود

میں شہیداں لب لعلیں کا ہوں زخموں سے مرے
سنگریزوں میں بھی ہو لعل بدخشاں کی نمود

کھلکھلا کر جو بیٹھے باغ میں وہ غنچہ دہن
باندھے بلبل نہ پھر اپنے گل خنداں کی نمود

مرحبا دست جنوں اس تری چالاکی کو
نہ رہی نام کو بھی تار گریباں کی نمود

شعلہ آہ جگر سوز جو میرا ہو بلند
تو نہو رات کو بھی شمع شبستاں کی نمود

تار اشکو کا جو مژگاں سے ہم اپنی باندھیں
تو بندھے دیدہ مردم میں نہ باراں کی نمود

رخ روشن کو جو زلفوں سے چھپایا اس نے
وصل کے دن بھی ہوئی اک شب ہجراں کی نمود

اے ظفر خاک سے انسا کا بنا ہے پتلا
خاکساری ہی سے دنیا میں ہے انساں کی نمود

سمند ناز پہ تو ہو جو مہ رکاب بلند
تو شرم سے نہ ہو گردوں پہ آفتاب بلند

کہے ہے دل تہ ابرو وہ چشم میگوں دیکھ
دھرا ہے طاق پہ یہ شیشہ شراب بلند

گھٹا دیا ہے اسے میرے دیدہ تر نے
ہوا کے دوش پہ کیا خاک ہو سحاب بلند

غلط کہیں ہیں کہ نکلے ہیں کہکشاں شب کو
کھنچی ہے خیمہ گردوں کی یہ طناب بلند

نہ اچھلو صورت فوارہ غافلو دیکھو
گرے ہے خاک پہ آخر کو ہو کے آب بلند

عجب ہے سینہ دریا پہ سیرا ساقی
کہ فوج موج میں ہے خیمہ حباب بلند

نہیں ہے بن ترے ہرگز نمود فوج سرشک
نکل کے اے علم آہ ہو شتاب بلند

ظفر رفیقوں سے ہوتی ہے قوت بازو
اڑے ہیں شہپر پرواز سے عقاب بلند

ہے لب و دنداں سے تیرے سرخی پاں کی نمود
آج تک دیکھی نہیں یہ لعل و مرجاں کی نمود

بے چراغ داغ دل روشن ہو کیا فانوس میں
یوں ترے چہرے پہ ہے زلف پریشاں کی نمود

جس طرح ہوتی ہے جدول صفحہ قرآن میں
ہے ظہور عشق سے واللہ قرآں کی نمود

دل سے پیوستہ ہوا ہے جب سے وہ تیر نگاہ
جائے موہووے ہے میرے تن پہ پیکاں کی نمود

دیدہ گریاں سے اپنے ہے خطر تجکو ظفر
ہو نہ جاوے رفتہ رفتہ ایسے طوفاں کی نمود

دل لینے کو ہر وقت وہ دلدار رہے موجود
بوسہ جو طلب کیجے تو انکار ہے موجود

یا قتل کرو مجھے تم دار پہ کھینچو ! ! !
اب آگے تمہارے یہ گنہگار ہے موجود

تو میری طرف مائل نظارہ ہو کیونکر
آئینہ ترا طالب دیدار ہے موجود

بنیاد محبت کے یہ آثار ہیں دیکھو
عاشق جو تمہارا ہیں دیوار ہے موجود

روکش مہ نو ہو خم ابرو سے جو اس کی
کہتا ہے خبردار یہ تلوار ہے موجود

جز اشک مسلسل نہیں کچھ پاس ہمارے
یہ تیرے لیے موتیوں کا ہار ہے موجود

کہتا ہے تصور میں دل اس زلف سیہ کے
میں جاؤں کدھر سر پہ شب تار ہے موجود

ٹھہری کئی باران سے کہ اب ہووے نہ تکرار
پھر دیکھو تو ہر بار یہ تکرار ہے موجود

پڑھ اور غزل کوئی بہ تبدیل قوافی
واللہ ظفر قافیہ بسیار ہے موجود

سب رنگ میں اس گل کی مرے شان ہے موجود
غافل تو ذرا دیکھ وہ ہر آن ہے موجود

ہر تار کا دامن مرے مرے کرکے تبرک
سر بستہ ہر اک خار بیاباں بان ہے موجود

عریانی تن ہے یہ بہ از خلعت شاہی
ہم کو یہ ترے عشق میں ساماں ہے موجود

کس طرح لگاوے کوئی داماں کو ترے ہاتھ
ہونے کو تو اب دست و گریبان ہے موجود

لیتا ہی رہا رات ترے رخ کی بلائیں
تو پوچھ لے یہ زلف پریشان ہے موجود

تم چشم حقیقت سے اگر آپ کو دیکھو
آئینہ حق میں دل انسان ہے موجود

کہتا ہے ظفر ہیں یہ سخن آگے سبھوں کے
جو کوئی یہاں صاحب عرفان ہے موجود

بغیر تیرے جو لب پہ رکھوں شراب کی بوند
تو صاف ہو وہ مرے حق میں عکس ناب کی بوند

تمہارے دیکھ کے بہتان اور مرا گریہ
عجب نہیں ہے اگر شک ہو سحاب کی بوند

یہ عالم اس رخ گلرنگ کی ہے سرخی کا
کہ قطرہ قطرہ عرق کا بنا شہاب کی بوند

جگر سے خوں مرے نکلے ہے یوں دم سوش
کہ چپکے آگ میں جوں گریہ کباب کی بوند

وہ بوسہ روئے عرق ناکا جو یاد آیا
تو پھر گلے سے نہ اترے مرے گلاب کی بوند

شہید نازو نہ ہو کس طرح سے ہاں سیراب
کہ آب دار ہے اس تخجر عتاب کی بوند

بہے سے اشک ظفر یوں صدائے دل نکلی
کہ گرم تا بھراتی کرے ہے آب کی بوند

بھیجے خط اسے لکھ لکھ کے اگر بند کے بندے
نہ پڑھے کھول کے وہ یونہی دے دھر بند کے بند

گر کھلے باتوں میں وہ غنچہ دہن رہ جائیں
باغ میں غنچوں کے منہ باد سحر بند کے بند

دل تری چشم سے غائب ہو کہاں جائے کدھر
رستے سب ہو گیاس تیرے نظر بند کے بند

تاب رخسار تری دیکھ کے رہ جائیں گے
دیدہ شمس و قمر رشک قمر بند کے بند

جامہ زیبوں کے ہیں کیا بند قبا بند بلا !
دل عشاق ہوئے کھلتے ہی پھر بندھ کے بند

افعی زلف کا کاٹا نہ بچے ' کٹتے ہی ! !
باندھے پڑھ کے فسوں پاس اگر بند کے بند

باندھ کر پر مجھے چھوڑ قفس سے صیاد
فائدہ کرنے سے کیا طائر پر بند کے بند

گئے دیوانے نکل مثل صدائے زنجیر
قید خانوں کے یونہیں رہ گئے در بند کے بند

غوث کا رتبہ دیتیغ نے تیری مجھکو
جب ہوئے کٹ کے جدا عربدہ گر بند کے بند

کچھ نہ کچھ کہہ کیانہیں روکتے ہم وقت سحر
پرزباں ہوگئی بندھتے ہی کمر بند کے بند

نکلیں دنداں ترے ہنسنے میں تو پھر رہ جائیں
دہن درج میں دنداں گہر بند کے بند

تھا تری تیغ تبسم میں حلاوت کا وہ جوش
رہ گئے میرے لب زخم جگر بند کے بند

بند دریا کے بندھیں خاک کہ ہیں توڑ دیے
جوش گریہ نے ترے دیدہ تر بند کے بند

جان دیں اہل جہاں گھر سے جو باہر نکلیں
کیونکہ اس حال میں رہ جائیں نہ گھر بند کے بند

وصف یار کا شب بندھ جو گیادل میں خیال
کر دیے ہم نے مخمس کے ظفر بند کے بند

چڑھ گئی گرچہ مری خاک سے افلاک پہ گرد
نہ پڑی پرکبھی اس ماہ کی پوشاک پہ گرد

خاک اڑتی جو رہ حرص میں تو اور بھی
اہل دنیا کے سوا جامہ ناپاک پہ گرد

نہ چھپی دل کی کدورت کہ غبار خط سے
صاف ظاہر ہے ترے روئے غضبناک پہ گرد

سمجھے ہے وہ مر مژگان غبار آلودہ
دیکھ کر اپنی گلی میں خس و خاشاک پہ گرد

وہ میری گردش طالع ہے کہ جس کے آگے
ہوگیا کاسہ گردش زدہ بھی خاک پہ گرد

دل پرا آبلہ سے گرہو مقابل تو صبا
جھاڑ دے خوشہ انگور کی بس تاک پہ گرد

صر صر حرص و ہوا سے ہے مکدر عالم
اے ظفر سب کے پڑی ہے رخ اور اک پہ گرد

ردیف ذال معجمہ

کیونکہ خسرو کو لگیں اس کے نہ دشنام لذیذ   جس کا شیریں ہو دلا نام خدا نام لذیذ
تشنہ لب جو کہ شہادت کے ہیں اسکے قاتل   کیوں نہ شربت سے ہو آب دم صمصام لذیذ
یہ مزا قند و شکر میں بھی نہیں ہے ہرگز   لب شیریں ترے جیسے ہیں دلآرام لذیذ
بادہ چشم بت بد مست میں ہم کو ساقی   وقت مے نوشی کے کیا لگتے ہیں بادام لذیذ
لگ کے تو نخل محبت میں دلا ہو پختہ   یعنی ہوتا ہے نہیں ہرگز ثمر خام لذیذ
ہے کہاں سیب وہی میں بھی حلاوت ایسی   بوسہ جو تیرے ذقن کا ہے گل اندام لذیذ
جو مزا بادہ الفت میں ظفر ہے دیکھا
ایسی ہوتی نہیں ہرگز مے گلفام لذیذ

چھپا یا تونے ہے کس کا کواڑ میں کاغذ   دھرا ہوا ہے جو پٹ کی دراڑ میں کاغذ
لکھے جو قصہ خونی کو کوہکن کے عشق   لو برگ لالہ ہو ٹھیرے پہاڑ میں کاغذ
کسی کو لکھتے تھے خط وہ پلنگ پہ بیٹھے   مجھے جو دیکھا چھپایا نواڑ میں کاغذ
جلے ہے جو مرا مضمون سوز دل پڑھ کے   کہے ہے پھینکو' پڑے ایسا بھاڑ میں کاغذ
یہ کس کی خانہ خراب کے تم ہوئے درپے   دبائے لکھ کے جو تعویذ اجاڑ میں کاغذ
کھلا نہ ہم پہ کہ یہ کیا وہ زیب مسند ناز   چھپا کے دیکھے ہے تکیہ کی آڑ میں کاغذ
اگر ہے قیس کو منظور اشتہار جنوں   تو لکھ کے باندھ دے ہر ایک جھاڑ میں کاغذ
گلی میں اس کی ہے قاصد ہجوم غیروں کا   سنبھالے رکھیو ذرا بھیڑ بھاڑ میں کاغذ
کریں رقم ہماگر حال پائمالی دل   رہے ہمیشہ قلم کی لتاڑ میں کاغذ
الٰہی خیر ہو پکڑا گیا ہے واں قاصد   قبول دے نہ کہیں مار دھاڑ میں کاغذ
رہی جو خط و کتابت کی چھیڑ ان سے ظفر
بہت سیہ ہوئے اس چھیڑ چھاڑ میں کاغذ

ردیف رائے مہملہ

خدنگ عشق ہوا کیا جگر کو ترو کے پار   یہ تیر وہ ہے کہ جاوے حجر کو توڑ کے پار
ہزاروں روزن دربند کیجئے گا آپ   نگاہ جاوے گی دیوار و در کو توڑ کے پار
اسے نہ آنکھ میں حل سمجھو تم یہ روزن در   نظر کا تیر گیا ہے نظر کو توڑ کے پار
اور تر سکا نہیں دریائے عشق کوکوئی   چلا ہے کس لیے فرہاد سر کو توڑ کے پار
فلک سے آہ ہماری گزر گئی اس طرح   کہ جیسے تیر کوئی ہو سپر کو توڑ کے پار
کہاں ہے اس لب نازک پہ رونگٹوں کی نمود   ہوئے ہیں خاک سے گلبرگ تر کو توڑ کے پار
قلق سے تھا شب مہتاب میں یہ حال اس بن
ظفر ہوا ہی تھا نالہ قمر کو توڑ کے پار

نہیں دیر تو کچھ بڑی دو گھڑی بھر   اگر ٹھہر جاؤ گھڑی دو گھڑی بھر
ڈبو دینے کو ہے دو عالم کے کافی   مرے آنسوؤں کی جھڑی دو گھڑی بھر
غم ہجر آفت سے مر ہی گیا وہ   مصیبت یہ جس پہ پڑی دو گھڑی بھر
کوئی دیکھے پل بھر تو اس مہروش کو   نظر جس سے میری لڑی دو گھڑی بھر
جہاں بیٹھے ہم نقد جاں واں نہ ہرگز   رہے شمع سوزاں گھڑی دو گھڑی بھر
ترے جس نے لعل مسی زیب دیکھے   رہا دیکھ کر عشق دھڑی دو گھڑی بھر

مغاں ہے ابھی میری مستی میں سستی   شراب اور مجھ کو کڑی دو گھڑی بھر
کہاں تاب وہ دست نازک میں رکھیں   کوئی پھول کی پنکھڑی دو گھڑی بھر
میر آہ کی گل فشانی ہے پہروں   بہت گر چھٹے جھڑی دو گھڑی بھر

پرونا ہے میرا گڑی بھر کا رونا
ظفر موتیوں کی لڑی دو گھڑی بھر

دب گیا سایہ مژگاں میں غبار رگ ابر   خط سرمہ ہے بعینہ ترا تار گر ابر
آفریں میرے تصور کو گنے زلف کے تار   کر سکے کس کی نظر ورنہ شمار رگ ابر
اپنے دامن کو نچوڑوں جو ذرا پونچھ کے اشک   تار دامن ابھی کرنے لگے کار رگ ابر
دیکھے آء میں وہ تار ترے گیسو کے   جس نے دریا پہ نہ دیکھی ہو بہار رگ ابر

مے کا ساماں ہے ظفر پاس نہیں وہ ساقی
میری آنکھوں میں چبھے کیونکہ نہ خار رگ ابر

جبکہ ناخن کو تراشا اس کی لال انگشت پر   دست بوسی کے لیے اترا ہلال انگشت پر
جم گیا ہے شمع پر پروانہ پر سوختہ   کون کہتا ہے کہ یہ شاد خال انگشت پر
وہ تماشے جمن ہوئے تو بازیگر کی طرح   رکھ کے نرگس دے اڑا سونے کا تھال انگشت پر
شاخ مرجاں کو کرے ہے شوخی رنگ حنا   صدقے ترے اے نگارمہ جمال انگشت پر
ایک دو ساعت کا وعدہ کر کے اے وعدہ خلاف   ساعتیں گنوائیں تو نے ماہ و سال انگشت پر
رنگ مہندی کا نہیں یہ ہو نہو عاشق کا خوں   آج ہے اس شوخی کے سرخی کمال انگشت پر

دل پہ ناخن زن ہے میرے اے ظفر اسکی ادا
دیکھنا بیٹا ہے کیونکر تھک کے خال انگشت پر

وقت غفلت اور ہے ہنگام ہشیاری ہے اور   خواب کی سیر اور ہے اور سربیدار ہے اور
اے تجلائے صنم میں صدقے تیری شان کے   تیری شان و حسن میں طرز و ادا اداری ہے اور
درد مندان محبت کا طبیبوں سے علاج   کس طرح سے ہوسکے یارو یہ بیماری ہے اور
پھڑکے کب پابند الفت کی طرح مجبوس دام   وہ اسیری اور ہے اور یہ گرفتاری ہے اور
دل کو نظروں میں ہی لے لینا نہ کہنا منہ سے بات   سیکھی ان آنکھوں نے اب یہ مردم آزاری ہے اور
مے کدہ میں عشق کے جو لوگ ہیں کافر تو ہیں   لیکن ان کے کفر میں انداز دیداری ہے اور
زخم تیغ عشق کھانے میں ہیں کیا کیا لذتیں   اور نمک پاشی بھی ہو تو پھر مزہ داری ہے اور
چار عنصر کے احاطے میں ہے کچھ جلوہ عجب   دیر و مسجد کی الگ یہ چار دیواری ہے اور

دیکھ کر تاثیر اپنے نالہ ہائے زار کی
ہم نے جانا اے ظفر یہ نالہ وزاری ہے اور

خواب میں پہنچے تھے جس کوچے میں ہشیاری سے پھر   اس کے رستے کو نہ پایا ہم نے بیداری سے پھر
بند رکھنا چشم کا غفلت ہے عین مصلح   اور اگر کھولے تو کھل آنکھیں خبر داری سے پھر
اے دل ناداں گرفتار محبت تو نہ ہو   چھوٹنا ہووے گا مشکل اس گرفتاری سے پھر
دل تجھے دینا کہاں تو قول سے ہم کب پھرے   تو بھی دل لے کر نہ اپنے عہدلداری سے پھر
سر پہ اول تو اٹھایا ہم نے اپنے بار عشق   اٹھ سکا لیکن نہ سر بھی اس گراں باری سے پھر
میرے ہر زخم جگر کو یہ تمنا ہے کہ لوں   اس لب شمشیر کے بوسے مزے داری سے پھر

ناز اٹھانے میں اٹھائے اس کے لاکھوں ہی ستم
توبہ کی ہم نے ظفر اس ناز برداری سے پھر

میاں سے تیرا نہ خنجر اگل پڑے کیوں کر   ہمارے خون کے پیاسے کو کل پڑے کیونکر
اگر جہاں میں نہ ہووے شریک راحت ورنج   ہنسی میں آنکھ سے آنسو نکل پڑے کیونکر
تمہارا دل جو ہے پتھر پھسلتا پھر اس سے   نہ پاؤں مہر وفا کا پھسل پڑے کیونکر
ملے تھے آنکھوں میں جو نور دیدہ ہائے سرشک   گلی میں یار کی دیکھا مچل پڑے کیونکر
نگاہ شوخ اگر دل میں گدگدی نہ کرے   تو بیٹھے بیٹھے نہ کوئی اچھل پڑے کیونکر
جھپکے دیتا نہیں نالہ چشم انجمن چرخ   پہ ان کے خواب میں دیکھیں خلل پڑے کیونکر
کرشمہ ابروئے ساقی کا دیکھ کر لب جو   بہم نہ موج میں تلوار چل پڑے کیونکر
نگاہ یار سے سیکھے اگر نہ تیغ زنی !!   تو پھر صفائی سے دست اجل پڑے کیونکر
نہ کیوں ہوں جو ہر آئینہ دیکھ کر حیراں   کہ سینہ صافوں کے ماتھے پہ بل پڑے کیونکر

پھر آج کل کا ہوا وعدہ دیکھئے کب تک
بغیر ان کے ظفر ہم کو کل پڑے کیونکر

خاک ہو کر جو پڑا ہے ترے داماں سے دور   جاں نثار ایک ہی تھا وہ بھی تری جاں سے دور
پاس ناصح کے نہ پھٹکو وہ نہیں واقف عشق   بھاگنا چاہئے ہاں صحبت ناداں سے دور
دل آشفتہ نہ تھا اتنا پریشاں خاطر   جب تلک یار کے تھا گوشہ داماں سے دور
گوش گل تک مری فریاد تو پہنچے صیاد   رکھ قفس کو میرے ظالم نہ گلستاں سے دور
چاک سینے کی جو تدبیر کرے ہے ناصح   کیا مرے ہاتھ کو سمجھا ہے گریباں سے دور
سخت جانی کو مری دیکھے اگر تیر قضا   تو کہے بھاگئے اس تودہ توفاں سے دور
طائر سدرہ نشیں گرچہ ہو گرم پرواز   پر کبھی جا نہ سکے حضرت انساں سے دور
منہ پہ چڑھنا نہیں شمشیر ستم کے آساں   بو الہوس بھاگے نہ کیوں عشق کے میداں سے دور

میرے نزدیک نہیں جو کہ ظفر کافر عشق
اس سے ایمان ہے دور اور وہ ایماں سے دور

گردش چرخ سے ہے سب کو زمیں پر چکر   ایک نیا روز یہ لاتا ہے ستمگر چکر
دل کو یوں زلف کے حلقے میں ہے اکثر چکر   جیسے گرداب میں کھاتا ہے شناور چکر
ٹھہرنے دے ہے کسے چین سے یہ گردش چرخ   آسیا بن کے سدا کھائے ہے پھر چکر
تیر مژگاں سے اگر بچ بھی گیا دل تو وہیں   گردش چشم نے مارا ترے کافر چکر
رفعت جاہ پہ بھی گردش طالع نہ گئی   کھاتے ہیں دیکھو فلک پہ مہ واختر چکر
ہر زہ گردی کو مری دیکھ کے کہتا ہے وہ شوخ ،   ہے ترے پاؤں میں دیوانے مقرر چکر
نہ سمجھ اس کو بگولہ یہ کوئی سرگرداں   کھا رہا دشت میں ہے خاک بھی ہو کر چکر
شعلہ خوئی پہ تری ہووے بلا گرداں برق   کھا کے جوں شعلہ جوالہ سراسر چکر
ٹھہر کر چاک گریباں پہ کوئی تار رفو   دشت وحشت سے ابھی ہووے رفو در چکر
پھرتا محفل میں ہے کیا چاک پہ بھی پھرتا تھا   ساقیا کھائے ہے اول ہی سے ساغر چکر

اشک سے دیدہ پہ آب کے مثل گرداب
اے ظفر بحر تو کیا کھائے سمندر چکر

گہر دنداں ، وہاں نور ، علے نور زباں شیریں ، بیاں نور علے نور
کمر پہ دیکھ کر زریں کمر بند کہیں ہیں سب میاں نور علے نور
ترے آئینہ وش وہ جانشیں ہے مکیں نورو مکاں نور علے نور
قیامت قامت و رفتار آفت زباں سحر و بیاں نور علے نور

ظفر کے پاس دیکھ اس رشک مہ کو
کہیں ہیں دوستاں نور علے نور

فلک پہ ہوویں اگر ناوک شہاب کے پر   بڑھے نہ تیر سے اس رشک آفتاب کے پر
قفس سے چھوڑے ہے صیاد جبکہ ٹوٹ گئے   پھڑک پھڑک کے اسیر پرا اضطراب کے پر
کبوتران حرم سے ہوں جاکے ہم پرواز   جو میکدہ میں ہوں ساقی بط شراب کے پر
یہ خوب وحشت سے فرق اڑ گیا کہ زیر کلاہ   پر ہما تھے جہاں ' ہیں وہاں غراب کے پر

جہاں ہے فکر ظفر کی بلند پروازی
یقین جان کے جلتے ہیں واں عقاب کے پر

کھیل اس شکار گاہ میں ہر طور کا شکار   پر یہ سمجھ کر میں بھی ہوں اک اور کا شکار
کرتا ہے اپنے صید محبت کو تو جو غور   دل ہے شکار گاہ اسی غور کا شکار
کر ذبح اس کو جلد کہ مردار ہو نہ جائے   یہ تیرے ناوک ستم وجور کا شکار
ساقی جو ہاتھ آئے بط مے کنار آب   دوں چھوڑ کیونکہ ہے یہ اسی دور کا شکار

ہر دم خدنگ آہ سے ہم اپنی اے ظفر
کرتے ہیں چرخ پہ حمل و ثور کا شکار

جو عرش سے ہے فرش تلک آدمی میں ہے   دیکھا کہ کھول کر
کیا کیا نہیں ہے اس میں کہ سب کچھ اسی میں ہے   پر چاہیے نظر
دل اپنا پہلے زنگ کدورت سے صاف کر   مانند آئینہ
پھر تو بغور دیکھ کہ اسی آرسی میں ہے   کیا حسن جلوہ گر
پیدا نگاہ کر کہ تجلی حسن یار   سب جا ہے آشکار
شعلے سے طور کے نہیں کم روشنی میں ہے   ہر سنگ کا شرر
کیوں کعبہ وکنشت میں سرمارتا ہے   سرگرم جستجو
تو جس کو ڈھونڈتا ہے چھپا وہ تجھی میں ہے   پر تو ہے بےخبر
جوش بہار حسن سے گل گل کے اے صبا   ہے یہ جنوں کا جوش
مصروف اس قدر جو گریباں دری میں ہے   ہر غنچہ ہر سحر
ہے دور جام و صحبت یاران زندہ دل   کیفیت حباب
کچھ ہے اگر مزا تو یہی زندگی میں ہے   باقی و ہے دردسر
ہے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ   ہے وہ بہت قریب
گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی میں ہے   اس سے ہے دور تر
صد داغ سوز عشق سے کھا بلکہ صد ہزار   ہر داغ دل پہ تو
لذت تجھے نصیب اگر عاشقی میں ہے   اے سوختہ جگر
افشائے راز عشق نہ کر کہہ کے جی کی بات   پردہ ہی خوب ہے
جی ہی میں اپنے رہنے دے جو کچھ کہ جی میں ہے   خاموش اے ظفر

یا تو وہ رکھتے تھے سرگوشی ہمیں اس قدر   یا گئی ہونے سخن پوشی ہمیں سے اس قدر
ہم کو پاس اتنا نہ ہو ہر بات پہ پہلو تہی   اور تمہیں ننگ ہم آغوشی ہمیں اس قدر
ہوش میں آؤ ہمیں کہتے ہو تم بے ہوش ہو   کیوں میاں دل ہوش بیہوشی ہمیں سے اس قدر
لب پہ جان آئی ہمارے لب ہوئے تیرے نہ وا   چاہیے تھی راہ خاموشی ہمیں سے اس قدر
یاں نہ لوک جرعہ غیروں میں اڑاؤ خم کے خم   واہ وا افکار نے نوشی ہمیں اے اس قدر
جوں گل و بلبل چمن میں سب ہیں چہتے بولتے   سیکھی اک غنچے نے خاموشی ہمیں سے اس قدر
کہتی ہیں وہ مست آنکھیں ساغر مے سے کہ دیکھ   تجھ میں ہے مستی و بیہوشی ہمیں سے اس قدر
چشم داہیں حسرت دیدار میں مدت سے ہم   اے تصور واہ روپوشی ہمیں سے اس قدر

نکہت گل جو سفر کرتی ہے بے رخت سفر
اے ظفر سیکھی سبکدوشی ہمیں سے اس قدر

ڈر گیا ہے جی تمہاری بے وفائی دیکھ کر   اب کسی سے ہم کریں گے آشنائی دیکھ کر
عاشق دل خوں شدہ کے آگ تلووں سے لگی   غیر کے سینے پہ وہ پائے حنائی دیکھ کر
تھی ہوس بوسے کی مجھ کو تجھ سے جو اے غنچہ لب   کہتے کہتے رک گیا تیری رکھائی دیکھ کر
بوسہ خال لب شیریں ترا دل نے لیا   جیتی مکھی کس طرح سے اس نے کھائی دیکھ کر

اے ظفر ہے شرم سے دیکھا رخ خورشید زرد
یار کے بازو پہ تعویذ طلائی دیکھ کر

کیا لچکنے میں ہے نازک شاخ سنبل سے کمر   بلکہ ہے باریک تیرے موئے کاکل سے کمر
تو نے کیوں ڈورے سے پتلی باندھی اے صیاد واہ   باندھتی بلبل کی تھی تار رگ گل سے کمر
کس کی چھاتی ہے لگائے اس کے جو سینہ کو ہاتھ   دیکھنے دیتا نہ ہو جب وہ کسی جل سے کمر
جی میں ہے اس ابر سے پھر میکشی پر باندھئے   تیری اے مینائے مے آواز قلقل سے کمر
کیوں نہ اس میں سے رواں دریائے اشک ضعف ہو   جبکہ موہم شکل محراب دو پل سے کمر
بے گنہ ہوں طوق مت پہنا کہ ٹوٹے گی میاں   ساتھ ہی گردن کے بارے حلقہ غل سے کمر
روز و شب جن مہرومہ پھرتے ہیں بہر قرص ناں   اہل دنیا کھول بیٹھے کب تحمل سے کمر
یک قلم نقشہ اتار اس رشک گل کا کھینچیو   اے مصور خامۂ منقار بلبل سے کم
کیا کمر باندھے امید وصل پہ عاشق ترا !!   کٹ گئی اس کی تو اب تیغ تغافل سے کمر
کیوں نہ اپنی زندگی کو ہیچ وہ سمجھے میاں   جس کے ہاتھ آوے نہ وہ فکر و تامل سے کمر

چاہیئے کنج قناعت میں توکل اے ظفر
باندھنی سیکھے کوئی اہل توکل سے کمر

پئے اگر تو جو آب شراب کا ساغر   نکالے موج سے دریا حباب کا ساغر
مدام پیتا ہوں خون جگر سے مے ساقی   بجائے جام ہے چشم پر آب کا ساغر
وہ کون مست ہے جس کے لیے یہ اے ساقی   سبو فلک کا ہے اور آفتاب کا ساغر
خوشی میں دیکھ کے بلبل کو ہر سحر ہر گل   بھرے ہے باعث شبنم گلاب کا ساغر

جو مست ہر ظفر اس چشم مست کا اس کو
بہا دے ساقی خانہ خراب کا ساغر

دیکھ کر تیرے خدنگ نگہ تیز کے پر   نہ کھلے دوش ہوا مرغ سحرخیز کے پر
سن کے ہم منہ سے تیرے گل کے سخن تیز میاں   منہ کو بس مار رہے بات کو انگیز کے پر
نعل کا نقش ہے گردوں پہ نہیں ہے یہ ہلال   ترک تازی میں لگے ہیں تیرے شب دیز کے پر
شعلۂ شمع لگن یوں ہے فروزاں شب کو   خوش نما ٹوپی پہ جو ہوتے ہیں انگریز کے پر
روبرو اس کے اڑی خاک بط مے ساقی   موج صبا نہیں ہیں ساغر لبریز کے پر

اے ظفر اس تری شیریں سخنی کے آگے
واقعی جلتے ہیں طوطی شکر ریز کے پر

ملے خون عاشق کا وہ شوخ و شنگ ناخن پر   نہ دیکھا ہم نے ویسا برگ گل کے رنگ ناخن پر
ہلال عید ہے رنگ شفق میں جلوہ گر یارو   نہیں رنگ حنا اس شوخ کے خوش رنگ ناخن پر
دکھائیں تجھکو زور عشق گر اے کوہکن اپنا   اچھالیں تا فلک رکھ رکھ کے سو سو سنگ ناخن پر
مژہ ہے صاف تر گریہ سے اپنے ورنہ بارش میں   لگے ہیں مطرب و مضراب کے بھی زنگ ناخن پر

ظفر تبدیل کر کے قافیہ اور اک غزل لکھو
نہ دابو تم قلم رکھ رکھ کے یوں بیڈھنگ ناخن پر

حنا سے تو دکھا دے اپنی آب و تاب ناخن پر   کہ ہوں صدقے ترے ہر برگ گل شاداب ناخن پر
سراپرو گلال اس نے ملا ہے کب یہ ہولی میں   لگا خوں شیر کے ہے اے دل بیتاب ناخن پر
نزاکت سے تری پیارے مرا جی وہم کرتا ہے   خدا کے واسطے رکھ کر قلم مت داب ناخن پر
شب آنسو کس کے پونچھے نقطہ شنگرف آسا جو   پڑا ہے تیرے ظالم قطرہ خوں ناب ناخن پر
مرے تار رگ جاں سے صدائے درد نکلے ہے   چڑھاتا ہے جو وہ مطرب پسر مضراب ناخن پر
زمانہ رفتہ رفتہ اس طرح سے رنگ بدلے ہے   کہ جوں ہو جاتا ہے رنگ حنا نایاب ناخن پر
ہلال عید کہتا ہے جسے عالم وہ صدقے ہے   ترا شیدہ ترے اے غیرت مہتاب ناخن پر

ظفر کیا سوچ تبدیل قوافی غزل کا ہے
جونکتہ دے ہے تو کھا کھا پیچ و تاب ناخن پر

ٹھوکا دے ہے یوں رکھ دل کو وہ طراف ناخن پر   اوچاٹے ہے درم کو دھر کے جوں صراف ناخن پر
کہاں رنگ حنا ہے خوب میں نے غور سے دیکھا   لگا ہے خون عاشق ترے بے انصاف ناخن پر
دکھائی سیر کوہ قاف ہم کو اس پری وش نے   عجب کی حاضرات اک اس نیا لکھ کر قاف ناخن پر
خجالت کش اسی کی پتلی مردمک چشم بتاں میں ہو   لگے نقطہ سیاہی کا جو اس شفاف ناخن پر

ظفر گر برگ گل کوڑے وہ نازک بدن میرا
نزاکت سے اثر کرتی ہے رنگت صاف ناخن پر

کو جانے ہے بہزاد رنگ و ریشہ تصویر   حیرت میں ترے پردم اندیشہ تصویر
شیریں کو یہ لازم ہے مرتبت فرہاد   ہوائے نشانی کے لیے تیشہ تصویر
گر کلک خیال اپنے سے کھینچو ترا نقشا   مانی بھی وہیں چھوڑ دے بس پیشہ تصویر
پہنچے ہے تحقیق کو کہاں مرد مقلد   دیکھا نہ دلاور اسد بیشہ تصویر

ہے صورت جاناں کا خیال اس میں ہمیشہ
گویا کہ دل اپنا ہے ظفر شیشہ تصویر

کترے صیاد مجھے جب طائر محبوس کے پر   مہر ہر داغ سے مضطر بنے طاؤس کے پر
جائے پرواز نہیں قفس سینہ میں   اس لیے وا نہیں مرغ دل مایوس کے پر
میں جہاں جا کے تجھے دور سے لیتا ہوں گھور   اس جگہ جلتے ہیں ظالم ترے جاسوس کے پر
سب پہ روشن ہے یہ اے شمع کہ پروانے کے   اڑتے ہیں گرد تیرے خیمہ فانوس کے پر

فرش مخمل پہ ظفر جس سے کہ خواب آتا تھا
اڑتے پھرتے ہیں سو وہ بالش طاؤس کے پر

نہیں لخت جگر ترتے ہمارے اشک گلگوں پر   اتارا ہے قزلباشوں کا یہ دریائے جیحوں پر
مسی پہ پان کا لاکھا جمایا ہے جو اب تو نے   ارادہ آج ہے کن تیرہ بختوں کے یہ شب خوں پر
ہوا جب سے گرفتار خم زلف سیہ ترا   بلائے ناگہانی ہے سراسر تیرے مفتوں پر
یہاں تک ہم نے کی صحرا نوردی بعد مجنوں کے   کہ اپنے دیکھنے والے کریں ہیں طعن مجنوں پر
ہمارے مہ جبیں جیسے کہ دیکھے آبلے تو نے   کہاں اس طرح کے ہیں اختر تابندہ گردوں پر
موئے دو داغ بر دل ہو کے تیرے چاہنے والے   جھلے سو چھل طاؤس ان کے روز مدفوں پر

ظفر آگے مرے سر سبز ہووے کس طرح کوئی
کرے ہے طنز ہر مصرع مرا اب سرو موزوں پر

فرہاد مر گیا یونہیں سرپٹک سنگ پر   شیریں کی کندہ کرتی تھی تصویر سنگ پر
زانو پہ تیرے غیر کا سر ہو تو کیوں نہ پھر   پٹکے سر اپنا عاشق دلگیر سنگ پر
لکھا نہیں کسی کے مٹانے سے اب یہ آہ   شاید کہ ہے نوشتہ تقدیر سنگ پر
رگھائے سنگ ہوں خط مسطرا گر کریں   احوال کوہکن کبھی تحریر تنگ پر
یہ دل تو کیا ہے سنگ میں روزن ہو اے ظفر
مژگاں لگائے اس کی اگر تیر سنگ پر

کب اشک چشم کی ہے لخت دل کو پیام پانی پر   نہیں ہے صاحب کشتی کو کچھ وسواس پانی پر
لب دریا پہ کسی نے میکشی کی ہے کہ اے ساقی   بنا ہر یک حباب بحر جو گیلاس پانی پر
حباب آ سا جو تو ابھرے ہے ہر دم دام ہستی پر   مگر کچھ جس دم آیا ہے تجھ کو راس پانی پر
دل صد چاک میرا آنسوؤں سے یوں ہے افسردہ   کہ جوں ہوتا ہے پژمردہ گل قرطاس پانی پر
نہیں گر صورت اخلاص اس سے تو پلا دے تو
ظفر پڑھ کر قل اعوذ رب الناس پانی پر

کروں میں گریہ اگر اپنی ناتوانی پر   فلک زمیں پہ ہو یوں جوں حباب پانی پر
اثر نہ چاہ کا جب تک ہو طرف ثانی پر   تو وہ نگاہ کرے کس کی جانفشانی پر
وفا کے بدلے جفا تم کرو ستم ہے یہ   صد آفریں ہے تمہاری بھی قدر دانی پر
غنیمت اب تو سمجھ لے یہ وصل گل بلبل   نہ پھول باغ میں دو دن کی زندگانی پر
ہمارے روبرو کرتا ہے نوا سنجی   لگے ہیں تجھ کو بھی اے مرغ بوستانی پر
خط آئے پہ نہ رنگینی یہ عارضی دولت   غرور حسن نہ کر عالم جوانی پر
نصیب خفتہ مرے بعد عمر جاگے آج   جو چشم یار ہے کچھ عین مہربانی پر
ہزار حیف کہ بلبل کا صحن گلشن میں   نہ چھوڑا ایک بھی صیاد نے نشانی پر
ہنسی کی بات نہیں ہے کہ ہر سحر خورشید   نثار ہے تری دستار زعفرانی پر
کھلی ہے چشم حقیقت جنہوں کی مثل حباب   وہ باندھتے نہیں تکیہ جہان فانی پر
ظفر ہم اپنے ہی قصہ میں ہیں گے آلودہ
خیال کس کی بھلا رکھیں اب کہانی پر

دلا شب میں کہاں اثر سفیدی ہے سیاہی پر   عجب عالم سے بالا تر سفیدی ہے سیاہی پر
نہیں ہیں قطرہ شبنم گل سوسن پہ اے بلبل   چمن میں دیکھ تو یکسر سفیدی ہے سیاہی پر
لگا کر تو مسی دانتوں پہ اپنی دیکھ آئینہ   کہ کیا ہی طرفہ اب دلبر سفیدی ہے سیاہی پر
پروئے اس نے موتی ہیں کہاں اب اپنے پاؤں میں   دکھاتا شوخ سیمیں بر سفیدی ہے سیاہی پر
ظفر اس روئے سیمیں پر جو ہے اب حلقہ گیسو
عجب صورت سے اپنی پر سفیدی ہے سیاہی پر

کون اس پہ ہے مائل مہ تابان سمجھ کر   دیکھوں ہوں ترے رخ کو میں قرآن سمجھ کر
آیا ہے لب بام پہ وہ صبح نکلتا تو چرخ پہ اے مہر درخشاں سمجھ کر
افسوس کہ لگتا نہیں وہ سینہ سے میرے   اس دل کو مرے آتش سوزاں سمجھ کر
کرتے ہیں سلام آن ق ہر صبح ادب سے   خوباں تجھے سب خسرو خوباں سمجھ کر
اور بلکہ جھکاتے ہیں سرعجز مہ و مہر   صد چند تری آپ سے اب شان سمجھ کر
لایا وہ تری نذر کو لخت جگر و اشک   رکھ دست مژہ پر درو مر جان سمجھ کر
گلشن میں مرے غیرت گلزار کے آگے   ہنستا تو ذرا اے گل خنداں سمجھ کر
اور تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ آنکھیں تو لڑاتا   اس چشم سے اے نرگس حیران سمجھ کر
کردے نہ ظفر لال یہاں منہ کو کسی کے
کھا ہاتھ سے غیروں کے تو اب پان سمجھ کر

کھینچ مت صید فگن تو دل نخچیر سے تیر　　اس نے کھایا ہے کمان کا تری تقدیر سے تیر
قتل عشاق کو ہے جنبش مژگاں کافی　　کیوں لگے رکھنے میاں ہاتھ میں شمشیر سے تیر
اے کماں دار میں ہاتھوں کے تیر ہوں قرباں　　جا لڑا شہپر مرغان ہوا گیر سے تیر
آہ کیوں کر دل حیراں سے ہمارے نکلے　　چھوٹتا بھی ہے کہیں بازوئے تصویر سے تیر
واہ اے جذب محبت کے مرے سینے سے　　کھینچ سکا آہ نہ ہرگز کسی تدبیر سے تیر
تجھ سے سمجھوں گا قیامت کو بت کافر کیش　　تونے مارا ہے مجھے کون سی تقصیر سے تیر

سینہ چرخ مشبک ہو نہ کیوں کر کر ظفر
چلتے پیہم ہیں مرے نالہ شب گیر سے تیر

دل سوزاں کو میرے رکھ نہ تولے کر ہتھیلی پر　　پھپھولا پڑ نہ جائے تیرے اے دلبر ہتھیلی پر
خدا جانے یہ کس رشک قمر کی نذر کی خاطر　　نکلتا ہر سحر ہے مہر رکھ کر زر ہتھیلی پر
چمن میں کون مے نوشی کو آتا ہے جو اے ساقی　　سبو بردوش غنچہ گل کے ہے ساغر ہتھیلی پر
خیال خال رخسار بتاں میں دل کی تسکیں کو　　نہ پھانکو تخم ریحاں کو سے رکھ کر ہتھیلی پر
کوئی اس طفل سے ہنگام بازی خاک بر سر ہو　　قسم دی ڈھولیا جو رکھ کے خاکستر ہتھیلی پر
لکیریں ان کی مت سمجھو کہ یہ اعمال لکھنے کو　　ید قدرت نے کھینچا ہے غرض مسطر ہتھیلی پر

قدم وہ عشق کے کوچے میں گاڑے اے ظفر اپنا
کہ جو سر بازار اپنا رکھ لے پہلے سر ہتھیلی پر

دل کا اپنے آبگینہ بن گیا جب چھوٹ کر　　ہم بہت پچھتائے پھر پتھر سے سینہ کوٹ کر
کشور دل دیکھیے کیونکر مرا آباد ہو　　کردیا برباد اک مدت سے تونے لوٹ کر
کیا جھڑے قطرے عرق کے اس کی پیشانی سے آج　　گر پڑے عرش بریں کے سارے تارے ٹوٹ کر
کس طرح چھٹ کے نہ ہوا اپنا جدا اشکوں سے دل　　یہ مسافر رہ گیا ہے قافلے سے چھوٹ کر

اے ظفر ذہن مصفا نے تمہارے واہ وا
بھردیے کیا اس غزل میں در معنی کوٹ کر

دیکھنا اس کے ذرا تو سن چالاک کے طور　　پھرتا ہے خاک لحد پر مری وہ خاک کے طور پر
کرتے ہم چشمی اگر اس سے تو شوخی جھڑ جائے　　رو سکے ابرو کب اس دیدہ نمناک کے طور
سربسر زلف بتاں سے ہے سدا ربط اسے　　شانہ سال کیوں نہ ہوں اپنے دل صد چاک کے طور
بر سر صید دل اپنا ہو نہ کیوں وابستہ　　حلقہ زلف وہ ہے حلقہ فتراک کے طور

دم بدم تیغ بکف ہوتا ہے مجھ پر وہ ظفر
کچھ نظر آتے ہیں بیڈھب بت سفاک کے طور

تیرے دیوانے کو مارے ہیں یہ روڑے پتھر　　کوہ چھٹ نام کو لڑکوں نے نہ چھوڑے پتھر
عشق وہ سنگ گراں ہے کہ کسی سے نہ اٹھا　　کیونکہ بھاری نہ ہر اک چوم کے چھوڑے پتھر
ہاتھ چھاتی پہ جونہی میں نے لگایا تو کہا　　سخت کیا ہاتھ میں تیرے یہ نگوڑے پتھر
کوہکن تو نہ ہوا بادھ کہ ہم نے بھی یہاں　　سر سے مارے کہیں دیوار کے پھوڑے پتھر

سنگ لاخ ایسی غزل تونے یہ لکھی ہے ظفر
سن کے ہو جائیں میں جسے طبع کے گھوڑے پتھر

بے وجہ نہیں کچھ مری تقدیر گلو گیر　　اس چشم کے سرمے کی ہے تحریر گلو گیر
قاتل سے کروں کیا دم تکبیر سخن میں　　ہے جو ہر شمشیر کے زنجیر گلو گیر
یہ تکمہ یاقوت نہیں تیرے گلے میں　　ہے قطرہ خون دل دلگیر گلو گیر
شب بستر کم خواب پہ آیا مجھے کم خواب　　تیری جو رہی خواب میں تصویر گلو گیر
آشفتہ نہ کیوں ہو دل شامت زدہ اپنا　　رہتی ہے تری زلف گرہ گیر گلو گیر
میرے بت مہوش سے ہوئے شب کو جو روکش　　تا صبح رہا شمع کے گل گیر گلو گیر

رکھے ہے شب ورز ظفر اشک مسلسل
زنار صفت و بت بے پیر گلو گیر

گل فشاں آمد ست ابر بہار نغمہ بنیاد کرد بلبل زار
طرفہ بکشاد سنبل و ریحان چشم وا کرد نرگس بیمار
بر سبزہ قطرہ شبنم تار ابریشم ودر شہوار
گل نہاد است جام مے برکف غنچہ دارد صراحی بکنار
اے ظفر جام بادہ از سر گیر
دور عیش است و عہد بوس و کنار

یوں دلا اس شہر پہ ہو فقیر جیسے رانجھا کہ ہیر پہ ہو فقیر
جو بھبوت اپنے منہ کو ملتا ہو کب وہ مائل عبیر پہ ہو فقیر
مدعا کون دل کا سمجھے ہے کوئی روشن ضمیر پہ ہو فقیر
بیٹھا یوں میرے ڈھیر پہ مجنوں جیسے قبر فقیر پہ ہو فقیر
مانگ کو دے کے دل کسی کی ظفر
تم بھی بیٹھے لکیر پہ ہو فقیر

مزا چکھلیا ہے کوکس کو یہ عشق آیا جو اعتماد پہ
کہ لایا تو جوئے شیر لیکن چھٹی کا دودھ آگیا زباں پہ
خدنگ دنبالہ کھایا لیکن نہ لایا شکوہ کبھی زباں پہ
کہ بوسہ اس چشم سرمہ سا کا ہے زہر گویا مری وہاں پہ
لگا کہ باتوں میں ان کو لائیں جو حرف مطلب کا کچھ زباں پہ
تو لیکی کہہ دیں ٹھکانا جس کا لگے زمیں پہ نہ آسماں پہ
تپ محبت میں سرو قد یہ کہاں ہے خشکی مری زباں پہ
کہ شکل سو ہان پڑ گئے ہیں ہزاروں کانٹے مری زباں پہ
اٹھائے سو زخم ہر ممط ہیں یہ خوں کے دعوے کوئی غلط ہیں
کہ شکل قط گیر خط پہ خط ہیں ہنوز باقی ہر استخواں پہ
خلش بھی خار خار ہم کا رہا تو مرقد پہ میرے سبزا
یقین ہے مانند برگ خرما ہوئے گا نشتر کسی زباں پہ
کہاں یہ سود بار دل کو رو کر حریف مت ترک چشم کو کر
پہ آخرش ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یہاں ہے مژگاں کے ہر سناں پہ
وہ چشم و ابرو تمہارے زیبا کہ قاب قوسین ٹھہرے ادنیٰ
یہ خال پیشانی کیوں تمہارا نہ فوق لے جائے فرقداں پہ
ہمارے سر پہ بسوئے ہاسوں کیے ہے داغ جنوں کہ چکوں
چراغ وحشت سرائے مجنوں کروں میں روشن چراغ داں پہ
بنا بگولے کو برج آسا قریب ناقہ کے قیس پہنچا
پہ اترے محمل سے کیونکر لیلا کہ پردہ کھلتا ہے سارباں پہ
جفا کی طاقت کہاں ہے باقی ظفر اٹھے ہے پھر اک صدا سی
کوئی جو آنسو کی بوند ٹپکی ہمارے داغ دل طپاں پہ

یہ قد جو آپ کا بوٹا سا دیکھ پائے بہار تو پھول پھول کے جوں عندلیب گائے بہار
لگا کے فندق اگر انگلیوں کو چٹکائے تو چٹکیوں ہی میں غنچے کو پھر اڑائے بہار
نشے میں ہم اسے دیکھیں اگر بسنتی پوش نہ کیونکہ آنکھوں میں سرسوں سی پھول جائے بہار
ہزار حیف کہ ہم سے نہ ہو تو ہم آغوش یہ گل یہ باغ یہ ہے ابر یہ ہوائے بہار
چمن میں عام ہو آمد جو تیری رونق گل تو مور کی روش طرہ مور لائے بہار
[illegible]

ظفر نہ کیونکہ رخ زرد و اشک گلگوں سے
کبھی بسنت منائے کبھی منائے بہار

گلوں سے سینہ افگار کو منقش کر   دلا چمن کی تو دیوار کو منقش کر
جما تو اپنی بھووں میں جڑاؤ کے ٹیکے   میان قبضہ تلوار کو منقش کر
نہیں ہجوم شرر عکس داغ دل نے مرے   دیا ہے گنبد دوار کو منقش کر
میں اپنے دیدہ خونبار لے کے پھر آیا   تمام کوچہ و بازار کو منقش کر
تو نیچے کا کے منت ہاتھ رکھ دم نقشی   نہ اپنے صفحہ رخسار کو منقش کر
کہاں ہے لالہ مگر اپنے خون سے فرہاد   گیا ہے دامن کہسار کو منقش کر
نہیں ضرور ہے قالیں کر نقش پا سے تو   زمین کلبہ غم خوار کو منقش کر
برنگ ہیضہ نور وز عکس جھمکوں کا   رکھے گوہر شہوار کو منقش کر
وہ چپنیں بر میں دلا گر لباس پھلکاری   تو داغ کھا کے تن زار کو منقش کر
جبیں پہ غیرت گلشن تو اپنی جوں فشاں   بآب زر خط گلزار کو منقش کر

کسی کو بھیجے ہوں گر ظفر یہ چھ چھلے
تو دو کو سادہ بنا چار کو منقش کر

کھائے بخیہ میں نہ کوئی شکل رفو گر چکر   چاک دل دیکھ رفو بھی ہے رفو در چکر
عارض و ال سے ہوں اس کے نہ روکش ہرگز   کھائیں گرتا بقیا مت مہ واختر چکر
ہو طالع گردش سے مرے اے ساقی   کھائے گرداب صفت بزم میں ساغر چکر
چرخ فانوس خیالی ہے کہ جس میں شب و روز   مثل تصویر اک کھائے ہے اکثر چکر
گردش نجد سے دوں کوہ کو میں چکر یوں   جس طرح کھاتا فلاخن میں ہے پتھر چکر
دیکھ کر وہ مجھے آوارہ لگے فرمانے   تیرے پاؤں میں ہے یک دست مقرر چکر
غمزہ ناز و ادا اور نگہ گردش چشم   تیر و شمشیر ہے اور نیزہ و خنجر چکر
نہ دیا مجھ کو فلک نے پس مردن بھی قرار   خاک کو روز بگولے میں ہے یکسر چکر

آسیا کی طرح اب غور سے گر دیکھ ظفر
کھاتے گردش سے زمانے کے ہیں پتھر چکر

زلف عرق آلودہ اس روئے کتابی پر   سو مارتی تھی طعنہ دیوان سحابی پر
ہاں داغ یہ سینے کے زمینہ یہ بیٹھے ہیں   کیا حرف ہوئے کندہ اس مہر خطابی پر
گردوں پہ شفق ہووے شرمندہ وہ کھلتی ہے   رومال گلابی اس پاجامہ آبی پر
ساقی چمنستاں میں شبنم کے سوا ہرگز   پلبہ ہے نہیں دیکھا غنچے کی گلابی پر

لخت جگر آلودہ مژگاں ہے کب آنکھوں پر
سیخیں ہیں کبابوں کی دکان کبابی پر

گوروں ہے چرخ پر تیر شہاب کس کے تیر   پر بلا کے ہیں بنے اس نالہ سرکش کے تیر
نار بارش میں کہاں ساقی سپردے جام کی   ہیں برستے میکدے میں سر پر اس میکش کے تیر
اے منجم ہے عطارد آج برج قوس میں   دیکھ پیوستہ کماں میں اس بت مہوش کے تیر
دیکھئے کس کو ہدف کرتا ہے اب یہ شعلہ کماں   کہکشاں ہے ہاتھ میں گردون مجرم کش کے تیر
خط کے دبا لے سے یہ کہتے ہیں ترکان نگاہ   قتل عاشق پر ہم تم ایک ہی ترکش کے تیر
تھی نشانی آپ کی دیتا نہ میں پر کیا کروں   کھینچے سینے سے مرے عالم میں نے کش کے تیر

اپنا تیر آہ گردوں پہ ظفر کرتا ہے کام
جائے تیرا انداز کا گر قصر پہ بنگش کے تیر

تیری ہے پازیب کا جھوم زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر   ہوئے ہیں جلوہ نما چمک کر زمین پہ فلک پہ اختر
وفور اشکوں کا ہے ہمارے نکلتے نالوں میں ہیں شرارے   نہ کیونکہ ہوں عشق پر نچھاور زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
پھپھولے پاؤں میں ہیں نمایاں تو سر پہ داغ جنوں فروزاں   نہ دیکھیں دیوانے تیرے کیونکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
ذرا جبیں عرق فشاں پر توں اپنی افشاں دکھائے چمکر   کرنا نظر آئیں ماہ چکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
نہ سبزہ گل پہ جوش شبنم نہ چمکے جگنو ہوا پہ ہر دم   نظر سب آتے تھے مجھ کو یکسر زمیں پہ گوہر فلک اختر
ادھر تو فوارے چھٹتے ہیں واں ادھر ہیں اشجار پر چراغاں   نئی ہے سیر اک چمن کے اندر زمین پہ گوہر فلک پہ اختر
زمیں نہایت ہی تھی یہ مشکل ظفر ہے استاد پردہ کامل
غرض دکھائی دیئے بٹھا کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

بجز انگور کب راضی ہوں ہم جنت کے جانے پر   رکھے ہے مرغ روح میکشاں تک آب و دانے پر
تاسف کوہکن کے بار کوہ غم اٹھانے پر   چھپتا تھا یہ سر شیریں کے سنگ آستانے پر
ترا گھر میرا کاشانہ تھا اب ہے' غیر کا مسکن   تسلط زاغ نے پایا ہما کے آشیانے پر
اثر دیکھا ترا اے گریہ وہ بیداد کہتا ہے
کہ مجھ کو آگ لگتی ہے ترے آنسو بہانے پر

ہمارے دل کا عقدہ غنچہ لب یوں کوئی کھلتا ہے   کہ واشد اس کی ہے موقوف تیرے کھلکھلانے پر
ہمیں تم خط پشت لب کا اپنے جلد بوسہ دو   وگرنہ مستعد بیٹھے ہیں ہم تو زہر کھانے پر
کمر باندھے اگر وہ بھی محبت آزمانے پر   نہ ہونے پایا چہلم مہد شہید ناز کا تیر
ستمگر آفریں کہیئے ترے مہندی لگانے پر   مجسم مجھ کو اس گل کا چمن میں یا آتا ہے
نہ روؤں کس طرح اے شمع تیرے مسکرانے پر   ہدف تیر مژہ کا دل ہوا' لے اے کماں ابرو
ہوئی خطر نشاں تیری گا ناوک نشانے پر
ظفر یوں ہیں چلا جاتا تھا اپنا یار سے جھگڑا
کیا قصہ ادا اک آن میں تیغ ادا نے پر

ہے تیری نزاکت میں کمر بال برابر   میں جانوں میاں فرق ہو گر بال برابر
اک زخم ہوا چاہے ہے جراح خنجر لے   روزن ہے جو بالائے جگر بال برابر
خط سرمے کا اس ابر وخمدار پہ کب ہے   آیا ہے سرولی میں نظر بال برابر
لاغر ہوں زبس عشق میں اس موئے کمر کے   آتا ہوں سراپا میں نظر بال برابر
وہ پھانسی ہے اک یہ پے بند دل عشاق   دیکھ اپنے تو سنبل سے اسے بال برابر
کچھ محتسب شہر نے ناکا جو ادھر سے   آباد ہیں شیشے میں ادھر بال برابر
اشکوں میں بھی مژگاں کا وہ عالم ہے کہ بس ہے
ہو در نجف کا نہ ظفر بال برابر

ایسے شاہیں ہوئے ہیں مرے تیار بٹیر   ماریں شاہیں کو اڑا کر یہ جگر دار بٹیر
چھوٹیں لڑنے کو اگر یہ تو لڑیں مرغ سے بھی   مرغ کیا بلکہ یہ سیمرغ کو لیں مار بٹیر
چاک کرتے ہیں حریفوں کے بٹیروں کا جگر   تیز جو کرتے ہیں یہ خنجر منقار بٹیر
مجھ یہ عشق ہے ان سے کہ کھلاؤں ان کو   کھائیں گر دانے کی جا گوہر شہوار بٹیر
تیلیاں پلکیں ہوں اور چشم بنے جوں کا بک   گر رہیں آنکھوں میں یہ مرغ نظر دار بٹیر
ہوئے اس کھیل میں دل صدیوں کے بند ایسے   دام صیاد میں ہوں جیسے گرفتار بٹیر
اتفاقاً کوئی گران میں سے گھٹ بھی جاوے   بے مزہ دیں جو لڑا میرے طرفدار بٹیر
کہہ دو صیدی سے کہ تو خوش نہ ہو کیا ہوتا ہے   ہاتھ آندھے کہ اگر آگئے اک بار بٹیر
انہیں کیا کیف کی حاجت جو بہر کیف ہیں یہ   چشم خوباں کی طرح کیفی و سرشار بٹیر
نسر طائر بھی انہیں دیکھ کے کہتا ہے کاش   دیوے مجھ کو بھی بنا خالق دا دار بٹیر

بات مردوں کی ظفر ایک ہے کب سنتے ہیں
آدھا تیتر کہیں ، آدھا کہیں گر یار بٹیر

بن ترے اے رشک گل رشک بہار نوک سبزہ چشم میں ہے نوک خار
داغ بر دل ہوں میں سوز ہجر سے کیا خوش آئے مجھ کو سیر لالہ زار
ہوں گرفتہ دل برنگ غنچہ میں ہے روش گل کے جگر میرا فگار
اب تمہیں ہے مثل موج آب جو ہاتھ میں میرے عنان اختیار
میں ہوں آوارہ برنگ بوئے گل ایک جا ہرگز نہیں مجھ کو قرار
ہوتا اس گل کو نہیں مطلق اثر مثل بلبل کر چکا نالہ ہزار
دم ہے آنکھوں میں اور اس پہ اب تلک مثل نرگس وا ہے چشم انتظار
کب تلک تیری جدائی میں رکھوں ابر کے مانند رنگیں اشک بار
اے ظفر اس سے نہیں کہتا کوئی
جا کے اتنا بھی کہ سن اور گنہ دار

وفور گریہ نے چشم پہ آب کے اندر دکھایا ہم کو سمندر حباب کے اندر
نگاہ مست میں ساقی کی جو ہے کیفیت بھلا کہاں ہے وہ مستی شراب کے اندر
برنگ شعلہ فانوس ہو نہ پوشیدہ تمہارا عارض روشن نقاب کے اندر
ذرا بہ چشم حقیقت ہو گرم نظارہ عیاں ہے ذرہ میں جو آفتاب کے اندر
اگرچہ صاف ہے دل سادہ لوح پہ اس میں جو دیکھا ہم نے نہ دیکھا کتاب کے اندر
کہاں سینہ میں پیکاں کہ وہ تو بیٹھا ہے چھپا ہوا دل پہ اضطراب کے اندر
ہمارے آنسوؤں میں یوں ہے راز عشق ظفر
کہ جس طرح سے ہو خوشبو گلاب کے اندر

دکھائے لاکھ وہ شاہ و وزیر کا محضر سند نہ رکھے گا کوئی فقیر کا محضر
بروز حشر دکھائے گا یہ دل پہ داغ خدا کے آگے تمہارے اسیر کا محضر
فلک کے صفحہ پہ جوں مہر و مہ کی مہریں ہیں مگر یہ کسی روشن ضمیر کا محضر
جگر پہ اس کے نہ تو داغ یہ سمجھ گلگیر ہوا ہے تجھ پہ شمع ضمیر کا محضر
ظفر نہیں ہے کسی وجہ سود تقصیر
یہ چاک ہوگا تمہارے مشیر کا محضر

چھیڑے چوٹی کو جو اس بیدادگر کی پشت پہ کیوں لگیں کوڑے نہ اس آشفتہ سر کی پشت پہ
بستر گل پہ موجود وہ سویا تو پھولوں کے نشاں نازکی سے پڑ گئے اس سیمبر کی پشت پہ
مار کے پیچھے نہ دیکھا تھا کبھی ابر سیاہ پر سر کو دیکھا اس رشک قمر کی پشت پہ
ناتواں ہوں مجھ کو یارو اس گلی میں لے چلو تم بٹھا کر تو سن باد صبا کی پشت پہ
مال احمق کے لیے گر ہو سوا یہ چاہیے اور بھی لادا زیادہ بوجھ خر کی پشت پہ
پیچھے آنسو کے نہیں لخت جگر اک راہرو ہے رواں گٹھری کے رخت سفر کی پشت پہ
کھل گیا جوڑا جو بالوں کا تو تل ہے ناز کی
پہنچا اک صدمہ ظفر اس مو کمر کی پشت پہ

بلا سے گر کوئی دنیا میں ہو خفا دلگیر پہ آشنا سے ہو یارب نہ آشنا دلگیر
نہیں مرقع دنیا یہ سیر کے قابل برنگ پیکر تصویر ہوں سدا دلگیر
رہے ہے آئینہ روبرو سے کیوں تو چیں بجبیں کہ ہوتے ہیں نہیں بے وجہ باصفا دلگیر
ہلال ہی نہیں کچھ سر بجیب گردوں پہ ہر ایک ہے لب ناں کے لیے دلا دلگیر
چمن میں صحبت بلبل میں گل تو خنداں ہے الٰہی مجھ سے مرا کیوں ہے دلربا دلگیر
نہیں ہے گلشن عالم شگفتگی کی جا برنگ غنچہ تصویر ہے سدا دلگیر
برنگ غنچہ نہ کھلوا مرے لب اظہار مبادا تجھ کو کرے حرف مدعا دلگیر

برائی اس نے تو کچھ تجھ سے کی نہیں اجتک
ظفر سے کس لیے رہتا ہے تو بھلا دلگیر

آئی گلشن میں بہار دائے دل غمناک بہار   گر نہ ہو وہ گل خوبی تو ہے کیا خاک بہار
چمن حسن پہ کیا پھول رہا ہے اپنے   نہیں رہنے کی سدا اے بت بیباک بہار
پھولے ہے تازہ شگوفہ چمن دہر میں روز   واہ دکھلائے ہے کیا گردش افلاک بہار
جابجا خون شہیداں سے ہے اک تازہ چمن   ہے ترے کوچے میں اے قاتل سفاک بہار
کیا بہار گل صدر چاک چمن دیکھوں میں   اس سے رکھتا ہے زیادہ دل صد چاک بہار
کون کہتا ہے گلوں پر ہے چمن میں شبنم   ہے ترے سامنے خجلت سے عرقناک بہار

اے ظفر جامہ گل پہ نہ کرے ناز کبھی
دیکھے رنگیں اگر اس شوخ کی پوشاک بہار

مژہ ہے خنجر ابروئے دلبر کے تلے خنجر   بنایا صانع قدرت نے خنجر کے تلے خنجر
نگہ پھیرے اگر اپنی جو صیاد جفا پیشہ   تو پھر جائے نگاہ صید مضطر کے تلے خنجر
وہ تیری سخت جانی دیکھ کر جھنجھلا گیا ایسا   تو توڑا سنگدل نے رکھ کے پتھر کے تلے خنجر
ہمارا خوں نہیں ایسا کہ چھپ جائے وہ اے قاتل   چھپائے تو اگر دامان محشر کے تلے خنجر
کمر بھی کھول کر مرد سپاہی اس طرح سوئے   بغل میں ہو اگر تلوار تو سر کے تلے خنجر
قلق سے ہجر کی شب کاٹ ہی ڈالوں گلا اپنا   اگر معلوم ہو رکھا ہے بستر کے تلے خنجر

نظر اس مہروش کی دیکھئے کس کس کی گردن پہ
ظفر ہر روز پھیرے چرخ اخضر کے تلے خنجر

ہر آشنا سے ایسا ہے اب آشنا کا طور   دو دن میں جیسے بگڑے ہے رنگ حنا کا طور
تیرے مریض عشق کی ہو کیا شفا کا طور   نے کچھ دوا کا ڈھنگ نہ ہے کچھ دعا کا طور
ہوویں گے فتنے کتنے ہی پیدا جہان میں   اگر ہے یہی تری نگہ فتنہ زا کا طور
مانند موج ہم ادھر آئے ادھر گئے   کس طور سے ہو بحر فنا میں بقا طور
رکھتا ہے تیرے زیر قدم ہر قدم پہ چشم   سکھائے ہے خاک پا نے تری نقش پا کا طور
واعظ جو اس پری میں ہے وہ حور میں کہاں   شوخی کی طرز ناز کا شیوا ادا کا طور
قاتل کے پاؤں تک نہ گیا بہہ کر خوں مرا   ٹھہرے گا خاک عشق مرے خوں بہا کا طور
پھیریں نہ منہ کسی سے کوئی خوب ہو کہ زشت   یہ ہے مثال آئینہ اہل وفا کا طور

دکھلایا اے ظفر ہمیں اس پر فریب نے
مہر و وفا کے ڈھنگ میں ظلم و جفا کا طور

ردیف رائے ہندی

دیکھ دل کو مرے اوکافر بے پیر نہ توڑ   ! ! گھر ہے اللہ کا یہ اس کی تو تعمیر نہ توڑ
غل سدا وادی وحشت میں رکھوں گا برپا   اے جنوں دیکھ مرے پاؤں کی زنجیر نہ توڑ
دیکھ ٹک غور سے آئینہ دل کو میرے   اس میں آتا ہے نظر عالم تصویر ' نہ توڑ
تاج زر کے لیے کیوں شمع کا سر کاٹے ہے   رشتہ الفت پروانہ کو گلگیر نہ توڑ
اپنے بسمل سے یہ کہتا تھا دم نزع وہ شوخ   تھا جو کچھ عہد سودا عاشق دلگیر نہ توڑ
رقص بسمل کا تماشا مجھے دکھلا کوئی دم   ! دست و پا مار کے دم تو تہ شمشیر نہ توڑ

سہم کر اے ظفر اس شوخ کماندار سے کہہ
کھینچ کر دیکھ مرے سینے سے تو تیر نہ توڑ

لخت دل شاخ مژہ سے گئے اس صورت جھڑ   موسم سردی میں گئے نخل کے ہوں جیوں پت جھڑ
ہمہ سوالہ و فریاد سے ہاں عاشق کی   در جاناں پہ سدا سے ہے رہی نوبت جھڑ
طوق و زنجیر کو توڑا نہ یہ پر ٹوٹی وہ   قفل زنداں کی ہے دیوانوں کی آفت جھڑ
خانہ دل مرے آن کے تو رہوے اگر   تو مکاں جائے ابھی یہ بہت مہ ظلمت جھڑ
ابر و مژگاں کے برسنے کا وہی عالم ہے   بیٹھے برسات میں لگتی ہے جسے خلقت جھڑ
پیچھا مجنوں کا کوئی چھوڑتی ہے تو للہ   جب تلک گرد نہ جاوے کی تری وحشت جھڑ

مارے پتھر مری تربت پہ ظفر یہ اس نے
کر گیا صدمے سے تعویذ سر تربت جھڑ

دل مرا ڈالے یل عشق نہ کس رنگ مروڑ   پنجہ رستم کا بھی ہو دیوے دم جنگ مروڑ
ذبح کرتا ہے تو کر لے کے چھری اے صیاد   لیک مت گردن مرغان خوش آہنگ مروڑ
شکن زلف کے مانند تری اے نو خط   لکھ سکے کب قلم مانی ارژنگ مروڑ
روکش اس کے گل رخسار سے یہ ہوتا ہے   دے صبا کیونکہ نہ گوش گل خوشرنگ مروڑ
ایک دریا بہے اشکوں سے نچوڑے جس دم   دامن تر کو ترا عاشق بے ننگ مروڑ
ہاتھ پکڑوں جو تصور سے بھی تو وہ کہوے   تو مرے ہاتھ کو اتنا بھی نہ بے ڈھنگ مروڑ

ہم نے جوں طفل و بستان محبت میں ظفر
پھینکا آخر ورق دانش و فرہنگ مروڑ

ردیف زاء معجمہ

بشر کو کیوں نہو در پیش یاں نشیب و فراز   کہ دم کے ساتھ ہے ہر دم یہاں نشیب و فراز
فلک عروج و تنزل سے اک زمانے کو   دکھائے ہے روش نردباں نشیب وفراز
کٹے ہی جائے بہ راہ فنا کو طے ہر دم   کبھی کچھ نہیں عمر رواں نشیب و فراز
حضیض اوج میں سیار ہیں ستارے بھی   دکھاتا کس کو نہیں آسماں نشیب و فراز
کبھوں گجو لے کو کیا خاک میں یہاں گرد   کہ میری طرح سے دیکھے کہاں نشیب و فراز
دکھائے ہے سر عاشق کو قاتل سفاک   بزیر تیغ و ہوک سناں نشیب و فراز
کسی کو پشت کرے فلک کسی کو بلند   کہ اس ہنڈولے میں ہے ہر زماں نشیب و فراز
ہمیں ہے راہ محبت میں ہمرہاں درپیش   برنگ گرد رہ کارواں نشیب و فراز
زمیں کو دیکھے نہ کیونکر عصا بہ کف نرگس   رکھے ہے عرصہ باغ جہاں نشیب و فراز
اچھل کے دیکھ نہ چل استقدر تو وسرکش   کہ تیرے ساتھ ہے فوارہ ساں نشیب و فراز

ظفر ہے راہ زخود رفتگی عجیب ہموار
کہیں بھی جس کے نہیں درمیاں نشیب و فراز

کھینچ کر تیغ نہ کر ظلم کے انداز سے رمز   قتل کرتا ہے جو مجھ کو تو اک ناز سے رمز
ہم صفیروں کی جگہ اپنی سناتا ہے صفیر   دیکھو صیاد کی مرغان خوش آواز سے رمز
تیغ ابرو سے وہ عالم کوں یوں ہی کرتا ہے قتل   تاب کس کی جو کرے اس بت طناز سے رمز
تیرے ہاتھوں سے بھی حیراں ہے سدا آئینہ   منہ کو دیکھو جو کرے مجھ سے نظر باز سے رمز
بات کرتا نہیں کچھ اور کنائے کے سوا   چلی جاتی ہے سدا عاشق ہمراز سے رمز
اتنی پائی نہیں آہوئے حرم نے طاقت   کر سکے ہاں جو تری چشم فسوں سے رمز

شعر کے رمز سے گر تو نہیں واقف ہے ظفر
سیکھ لے تو سخن حافظ شیراز سے رمز

گرچہ تو پردہ نشیں ہے بت بے پیر ہنوز   پر مرے دل کھینچتی ہے تری تصویر ہنوز
خاک اب آئینے میں دیکھوں میں صورت اپنی   میری نظروں میں پھرے ہے تری تصویر ہنوز
مجھ کو بیعت ہے جنوں سلسلہ مجنوں میں   پاؤں پڑتی ہے میرے دیکھ لے زنجیر ہنوز
خواب میں اس کی جو لیں رخ کی بلائیں میں نے   پیچ کھاتی ہے پڑی زلف گرہ گیر ہنوز
مضمحل کیوں نہ ہو تقصیر پہ اپنی قاتل   شمع کے پاؤں پہ سر رکھے ہے گلگیر ہنوز
تکمہ یاقوت کا ہے اس کے گریباں میں کہاں   قطرہ خوں ہے کسی کا یہ گلوگیر ہنوز
جلوہ گر ماہ نہیں واہ رے اٹھی فلک   مہ سے دکھتا ہے لگائے قدح شیر ہنوز
کون کہتا ہے معلق ہے یہ سقف گردوں   کہکشاں کا ہے لگا اس میں تو شہتیر ہنوز
وہ ترا طالب دیدار ہے اے صید فگن   وار ہے کیوں نہ بھلا دیدہ نخچیر ہنوز
کون وحشت زدہ ہے رقص کناں زنداں میں   صورت چشم سراپا ہے جو زنجیر ہنوز

غیر تقدیر پہ نہیں ہونے کا وصل دلدار
اے ظفر تو ہے عبث در پے تدبیر ہنوز

ہوا غم سے دل ناکام لبریز   مے غم سے رہا یہ جام لبریز
میں وہ مے نوش ہوں پی جاؤں گر ہو   سبوئے چرخ مینا فام لبریز
تری ہاتھوں سے جام بادہ عیش   رہا کب گردش ایام لبریز
حنائی کیوں نہ ہووے دست صیاد   کہ خون صید سے ہے دام لبریز

ظفر اشکوں سے اپنا کاسہ چشم
رہے ہے صبح سے تا شام لبریز

گر خوشی اس دل محروم سے چاہی آمیز   وصل میں ہجر تو مت کیجو الٰہی آمیز
رنگ پاں رونق دنداں مسی زیب ہوا   معجز لب سے یہ سرخی ہے سیاہی آمیز
تری مژگاں کی پلٹن میں جواں سب بدذات   قوم کا اور نہیں اس میں سپاہی آمیز
کس کا پھرتا ہے مری آنکھوں میں ڈھالی جوڑا   ہوگیا رنگ جواب اشک کا ہی کا آمیز

کبھی انکار تعشق سے کبھی ہے اقرار
اے ظفر کرتا ہے باتیں دل واہی آمیز

دیدہ دل کو نہیں جس بن کچھ اب منظور چیز   ہوگئی پہلو سے میرے کون سی وہ دور چیز
ہے علاج زخم دل اس روئے روشن کی چمک   روبرو اس کے نہیں کچھ مرہم کافور چیز
ہم تو ایمان تک بھی قرباں کرتے ہیں تجھ پر ابھی   جان ہم تجھ کو نہ دیں ہے کیا بہت مغرور چیز
ہم شراب شوق سے مخمور ہیں اس کے مدام   اپنے آگے کچھ نہیں ہے بادہ انگور چیز

اے ظفر فرق ایک مو اس بات میں ہرگز نہیں
زلف کے آگے ہے کیا اس کی شب دیجور چیز

خط نہیں رخ پہ اس آئنہ تمثال کے سبز   آئنہ نیچے ہے طوطی کے پر و بال کے سبز
کشتۂ زلف کے مدفن پہ تمہارے صاحب   ہوگئے جل کے وہاں نخل سیہ چال کے سبز
سایہ سال کشت سے کھایا شفق چرخ نے زہر   دیکھے گوشے جو ترے قرمزی رومال کے سبز
خط جاناں پہ دلا تو نہو بے وجہ فقیر   ورنہ پوشاک ترے پہنیں گے سب بانکے سبز
وہی دمساز ہے اے ہمدم اپنا جس کے   پوچھ کے چھلے ہیں قلیان کے مہنال کے سبز
بوسہ خط رخ یار کا جو پوچھا حال   قرعہ انداز ہوئے دیکھتے ہی فال کے سبز

اے ظفر یار نے ابرو پہ لگایا وسمہ
دیکھتے چیز ہیں سب ماہ میں شوال کے سبز

سوئے خط کب ہیں دلاگر دیے اس گال کے سبز
ڈورے صیاد نے ہیں رنگ دیے جال کے سبز

جم گیا گوشہ ابرو پہ نہیں کچھ وسمہ
پھول بیٹھے کے ہیں اس تیغ تہ نال کے سبز

کیوں پسند آئے نشیمن نہ ہمیں قوس و قزح
واہ تحریر کھینچی پاس ہے کیا لال کے سبز

تیرے عارض پہ خط سبز ہے یا آئینہ
ہوگیا عکس سے طوطی کے پر و بال کے سبز

تیرے بیمار کا کیا چارہ کرے کوئی طبیب
رنگ ہو جائے ہے بس سنتے ہی احوال کے سبز

باندھی مدت میں جھڑی رونے کی مجنوں نے ترے
پھر ہوا دشت جنوں بعدکئی سال کے سبز

اس زمیں میں کوئی پڑھ اور غزل بھی رنگیں
ہو سخن کس کا ظفر آگے ترے قال کے سبز

سنگ سرمہ نے کیا یوں نگہہ یار کو تیز
جس طرح سنگ فساں کرتا ہے تلوار کو تیز

پا برہنہ ترا وحشی جو سردشت آئے
تو کرے باد صبا خار سے ہر خار کو تیز

گل اسے دیکھ کے دیوانہ ہوا ہے قصدا
بلبلیں کیوں نہ کریں تیشہ منقار کو تیز

نوک سبزہ کی نہیں کچھ سر مہمیز سے کم
پھر کیا تو سن وحشت کی جو رفتار کو تیز

نگہہ یار غضب ناک دوا دل کی نہ ہو
کر دوا دیجے نہ اس طرح کی بیمار کو تیز

قیمت نیم نگہہ دیتے ہیں عاشق دو جہاں
کردیا عشق نے یہ تنگی بازار کو تیز

اے ظفر دیکھئے کیا ہو وہ سفاک جہاں
آج پھر دیکھتا ہے اپنے گرفتار کو تیز

اگرچہ منزل رشک قمر ہے دور دراز
پہنچتا اپنا بھی پیک نظر ہے دور دراز

خدنگ ناز سے کہہ دو کرو نہ کوتاہی
کہ عرصہ دل سے نہیں تا جگر ہے دور دراز

پہنچتے ہیں کہیں مر مر کے تا سر منزل
عزیز وراہ عدم اس قدر ہے دور دراز

نہ روک تو ہمیں جانے دے تجھ کو کیا ناصح
بلا ہے راہ محبت اگر ہے دور دراز

سراغ پائے کوئی کیا کہ لے گیا دل کو
عدم سے بھی وہ خیال کمر ہے دور دراز

کہاں ہے نالہ کی طاقت کہ دم کو سینے سے
لبوں تلک مرے آنا سفر ہے دور دراز

خرام یار کے نزدیک ہے بہت نزدیک
وگرنہ فتنہ محشر ظفر ہے دور دراز

کیجئے کیا خاک جلا کر دل بے تاب سی چیز
کشتہ ہووے تو یہ اکسیر ہے سیماب سی چیز

دیکھ پچھتائے گا تو چھوڑ نہ دل کو میرے
ہاتھ آئی ہے ترے مفت یہ نایاب سی چیز

چشم پر آپ کو کرتی ہے مرے یہ اب تک خشک
دیکھ گرمی کہ سکھا دیتی ہے تالاب سی چیز

آبرو ہے ترے ابرو کو غرق سے کچھ اور
آب ہے تیغ میں بھی پر نہیں وہ آب سی چیز

جائے گا ہم سے نہ اس بوسہ لب کا لپکا
منہ لگی پر کوئی چھٹتی ہے مے ناب سی چیز

موت سے دیکھ نہ غافل ہو ذرا آنکھ تو کھول
زندگی کہتے ہیں جس کو وہ ہے اک خواب سی چیز

کام زخم دل عاشق کو نہیں مرہم سے
اس پہ جراح لگا دے کوئی تیزاب سی چیز

رخ روشن سے ترے کیونکہ ہو روکش خورشید
کہ نہ وہ نوری سی شے اس میں نہ وہ ہے تاب سی چیز

چشم کو قدر نہیں اشک کی اپنے افسوس
خاک میں دے ہے ملا گوہر نایاب سی چیز

خوش ہوں یوں باندھ کے مضمون کمر تیرے
جیسے ہاتھ آئے کسی کے کوئی نایاب سی چیز

بے تمیزی ہے یہاں تک کے زمانے میں ظفر
نہ وہ تعظیم سی شے ہے نہ وہ آداب سی چیز

ردیف سین مہملہ

دل مرا لے کیے کیا آپ نے واپس اجی بس   حوصلہ دیکھ لیا آپ کا بس بس اجی بس
ہم کو رخصت ہو کہ بس آپ کی صحبت کے شریک   رات دن رہنے لگے سب کس و ناکس اجی بس
ہو چکا سیر طبیبوں سے مریض غم ہجر   جاؤ کی دیکھتے ہو گری ملمس اجی بس
ضعف سے بیٹھ گیا جوں روش نقش قدم   اٹھ گیا آپ کے کوچے سے وہ بے کس اجی بس بس میں دل
ناصحو کیجئے یہ پندو نصیحت موقوف   اور کے ہے میرا نہیں بس اجی بس
کیوں مقابل ہوئے تھے حضرت دل عشق کے تم   ہو چکا آپ کا اتنے ہی میں دم کس اجی بس
ہم بھی رکھتے ہیں زباں منہ کو سنبھالو اپنے   گالیاں دے چکے ایک بوسہ پہ دس دس اجی بس
پوچھو مت حضرت ناصح مرا آ کر احوال   سن کے مغموم نہ ہو خاطر اقدس اجی بس
تاروں نے جو باندھا تو نہ توڑا ہم نے   ہم سے ہر چند وہ کہتے رہے نفس نفس اجی بس
خاک اس در کی ہے اپنے تن عریاں کا لباس   ہمدمو چاہئے کیا مخمل و اطلس اجی بس

پنچھ یار کے باندھو گے مضامیں کب تک
اے ظفر سن چکے ہم بند مخمس اجی بس

مژگاں سے کس کی چبھ گئے نشتر جگر کے پاس   روزن جو سیکڑوں ہیں ہر جگر کے پاس
کھینچا کشش نے دل کی جو قاتل کے ہاتھ   پہنچا ہے سینہ چیر کے خنجر جگر کے پاس
چاک جگر سے آگ جو نکلی تو چارہ گر   ہاتھ اپنا لاسکے مرے کیونکر جگر کے پاس
ڈھونڈھوں ہوں کیا کہ سینہ میں ہے اسکے تیر کا   اک گھر ہے دل کے پاس تو اک گھر جگر کے پاس
دعوی ہے دل کے خوں کا بجا عشق سے کہ ہے   موجود مہر داغ سے محضر جگر کے پاس
دونوں گداز عشق سے بہہ جائیں ہو کے آب   آہن جو دل کے پاس ہو پتھر جگر کے پاس
آئے شرر جگر سے نکل دل کے متصل   یا شعلہ پہنچے دل سے نکل کر جگر کے پاس

دل میں تو کچھ نہیں ہے دم و دود اے ظفر
اک آہ رہ گئی ہے فقط اک جگر کے پاس

ملتی کہاں وہ زلف کے خال دہن کے پاس   مار سیاہ کھلتے ہیں اپنے من کے پاس
اے دل کیا ہے خضر نے یہ چارہ پہ گذر   اس کو سمجھ نہ سبز خط اس کے ذقن کے پاس
دیکھے اگر ترے قد دلجو کو باغ میں   قمری نہ پھٹکے آن کے سرو چمن کے پاس
تحریر سے مسی کے و دنداں میں خوشنما   کیا طرفہ نیلوفر ہے کھلا یاسمن کے پاس
دل میں ہے اپنے حسرت نظارہ چمن   صیاد رکھ قفس کو ہمارے چمن کے پاس
ابر سیہ ہے سیر چمن ہے ' کنار جو   اس وقت چلئے ساقی پیماں شکن کے پاس
دیکھے جو خال عارض سیمیں یار کو   بھنورا پھرے نہ جا کے گل یاسمن کے پاس
پوچھے ہے کوئی عاشق کو ہم نشیں   جو زر رکھے وہ جائے بت سیمتن کے پاس

گر حادثات دہر سے ہم ہے تو اے ظفر
کر جا لے التجا شہ خیبر شکن کے پاس

چشم کے گرد نہیں حلقہ مژگاں اس کی   آتے ہیں لوگ عیادت کو یہ بیمار کے پاس
دیکھ اے ابر بہاری تو نہ کر ہم چشمی   لعل و گوہر ہیں مرے دیدہ خونبار کے پاس
مبتلا گل پہ جو بھنورا ہو تو کچھ دور نہیں   دیکھو ہے داغ جگر میرے دل زار کے پاس
مکدر کیوں نہ ہو آزاد محبت تجھ پہ   قبر عاشق کی ہے ظالم تری دیوار کے پاس
حلقہ زلف اس ابر کے نہ ہو کیونکر قریب   رکھی قاتل کو سپر چاہیے تلوار کے پاس

سوزش عشق میں دل کیوں نہ ہو بیتاب ظفر
جانے دیتا نہیں کوئی مجھے اس یار کے پاس

آبلہ پیدا ہوا داغ دل مضطر کے پاس
چاہئے تھا واقعی شیشہ بھی یاں ساغر کے پاس

زلف آشفتہ نہیں خال رخ دلبر کے پاس
شاغل بلبل باغ میں طرفہ ہے نیلوفر کے پاس

جیسے دل کے متصل رکھتا ہوں میں تصویر یار
اور ہی صورت کا جلوہ ہے خدا کے گھر کے پاس

دل عبث ہم نے دیا ہے اے بت کافر تجھے
لعل کی کیا قدر ہو جب تجھ سے ہو پتھر کے پاس

میں تو سایہ سے بھی اس کے مانگتا ہوں الحذر
ہو جو دیوار نہ سو جاوے اس پری پیکر کے پاس

ابر کی کیفیتیں خالی ہیں ہمیں بھاتی نہیں
بادہ گلگوں سے شیشہ رکھ دے ساقی بھر کے پاس

زلف کے کشتے کا تیر ہے جہاں مدفن وہاں
جا نہیں سکتا کبھی کالا بھی مارے ڈر کے پاس

آفریں تجھ کو ظفر ہو کیوں نہ شاگرد نصیب
اس غزل کو جاکے پڑھ ہر ایک دانشور کے پاس

خوش کیوں نہ ہو مرغ فلک دماغ قفس
ہزار حیف کے ہو ہم صفیر داغ قفس

قفس کے چاک میں گل رکھ کے مت اٹھا صیاد
کہ بہر بلبل شیدا ہے یہ چراغ قفس

قفس سے چھوٹ کے پہنچوں اگر چمن کے قریب
برنگ لالہ رہے دل پہ واں بھی داغ قفس

وبال جان ہوئی مجھ کو فارغ البالی
دکھا وے دور سے مجھ کو موئی سراغ قفس

ظفر نہ کیونکہ اسیری کے ہاتھ سے ہوں تنگ
بہ از چمن ہے مجھے گوشہ فراغ قفس

ہے بوقلموں جلوہ رنگ پر طاؤس
نیرنگی گل کب ہے برنگ پر طاؤس

روکش خط سبز اس کے سے ہے یہ دل پر داغ
ہے طوطی خوش رنگ سے جنگ پر طاؤس

کیفیت داغ پر طاؤس نہ پوچھو
جو داغ ہے سو ساغر رنگ پر طاؤس

کیا چاہئے ہے مورچھل اب بال ہما کا
درویش ہوں مجھ کو نہیں ننگ پر طاؤس

شاہین نگہ اپنی اڑا اس پہ تو اے صیاد
پرواز میں ہے عرصہ تنگ پر طاؤس

لکھتا ہوں غزل اور بہ تبدیل قوافی
نظروں میں ظفر کہتا ہے رنگ پر طاؤس

پیکر ہو مرا کیونکہ نہ ہم پیکر طاؤس
ہر داغ مرے تن پہ ہے رشک پر طاؤس

خال اس کے خط سبز سے رخ پر ہے مقابل
کس منہ سے ہوا زاغ یہ اب ہم سر طاؤس

ہوں کیونکہ زمیں مائل نظارہ ساقی
گلدستہ سے کیا کم ہے ہر ایک شہپر طاؤس

دیکھے ہے سوا جلوہ قدرت کا تماشا
جوں آئینہ واں کیوں نہ ہو چشم پر طاؤس

اے ابر شتاب آ نہ گھٹا جی کو تو اس کے
کرتا ہے صدا نالہ دل مضطر طاؤس

جو داغ بدل ہے وہ ہے سلطان محبت
رہتا سر طاؤس پہ ہے افسر طاؤس

داغوں سے ظفر کیوں کہ نہ ہر پر پہ ہوں مہریں
صیاد جفا پیشہ پہ محضر پر طاؤس

پونچھ کر اشک وہ کہتے رہے ہر بار کہ بس
ہم نے پر باندھ دیا رونے کا یہ تار کہ بس

ہم ہوئے سب کو یہ نالاں پس دیوار کہ بس
کھول کر غرفہ لگے کہنے وہ ناچار کہ بس

خوف آتا ہے ترے جعد میں سوباف کو دیکھ
کیا نکالے ہے زباں اپنی سیہ مار کہ بس

جان و دل تاب و تواں ہوش و خرد صبر و قرار
لے چکے اور بھی کچھ ہے تمہیں درکار کہ بس

دیکھتا ہی نہیں تصور کو جا یوسف کی
اس کے ہے حسن کا البتہ یہ پندار کہ بس

ہاتھا پائی میں جو گل ٹوٹ گیا ہار ان کا
اس قدر میرے گلے کے وہ ہوئے ہار کہ بس

ہوگیا سینہ مشبک ترے تیروں سے تمام
کہ تری مرضی ہے کیا اور بھی اے یار کہ بس

جام و مینا و سبو کیا ہے چڑھا جائیں گے
ساقیا منہ سے نہیں کہنے کے میخوار کہ بس

اے ظفر دل ہو نہ کس طرح سے مضطر بطرح
آج اس طرح کا دیکھا ہے طرحدار کہ بس

جائے سب جائے پر اک یاں وہ نہ آئے افسوس
واقعی سچ ہے کہ یہ جانے ہے جائے افسوس

خط سے بھی ہوتی ہے تسکین کہ آدھا ہے ملاپ
وہ کبھی خط بھی نہ لکھے مجھے ہائے افسوس

حال سن سن کے مرا خلق ہو افسوس کناں
پر زباں پر تری افسوس نہ آئے افسوس

زخمی تیغ دل کو کیا کس نے کہ آہ
ہر لب زخم سے نکلے ہے صدائے افسوس

لگے سینے سے وہ اپنے نہ لگایا مجھ کو
سینہ ریش پہ مرہم ہی لگائے افسوس

گر لکھوں اس کو نہ کر آتش حسرت سے کباب
اور انگاروں پہ ہے مجھ کو لٹائے افسوس

نہ تو کچھ دل میں ظفر اب ہے بغیر از غم و درد
اور نہ کچھ لب پہ بجز حیف و سوائے افسوس

کیا ہوا میں نے کیا اپنے اگر جاناں سے انس
رکھتا ہے انسان جہاں میں ناصحا انسان سے انس

ناوک افگن میرے سینے سے نہ تیر اپنا نکال
ہوگیا ہے دل کو میرے تیر کے پیکاں سے انس

جی نہیں لگنے کا گلشن میں بھی جاؤں میں اگر
بس کہ مجھ کو ہوگیا ہے کلبہ احزاں سے انس

طرفہ گریہ ہے ہمیشہ دیدہ تر کو مرے !!
آستیں سے ربط ہے یا گوشہ داماں سے انس

ساتھ ہی میرے رہے گا دیکھنا بعد از وصال
ہے نہایت ہی مجھے تیرے غم ہجراں سے انس

اس پری کو کوئی بھاتا ہے ہر اک انسان بھلا
جبکہ انسان کیا نہ رکھے وہ فرشتہ خان سے انس

تیرا مجنوں کیا کوئی دیوانہ تصویر ہے
اے صحرا ہے الفت نہ اسے زنداں سے انس

تم نہ ہو پیارے رقیب رشک خصلت سے انیس
چاہئے ہرگز نہیں انسان کو شیطاں سے انس

ہو نہ گر رسم خط پیغام ان سے اے ظفر
ان کو پھر معلوم ہووے اپنا کس عنواں سے انس

برق جہاں کی آگ لگ اٹھی بدن کے پاس
میری ہنسی جو نالہ آتش فگن کے پاس

کب بزم انبساط بہم اس میں ہوسکے
ہے خیمہ کبود جو چرخ کہن کے پا

اے دل کیا ہے خضر نے یہ چارہ پرگذر
تحریر خط سبز نہیں اس ذقن کے پاس

پھولے نہ پیرہن میں سمائیں گے مثل گل
پہنچے گر اب کی اس بت گل پیرہن کے پاس

اپنا ت بعد مرگ بھی ہے عالم جنوں
سوزن کا کام کیا مرے پاک کفن کے پاس

تحریر سے مسی کی وہ دنداں میں خوشنما
کیا طرف نیلوفر ہے کھلا یاسمن کے پاس

دیکھے اگر ترے قدم دلجو کو باغ میں
قمری نہ پھٹکے آن کے سر چمن کے پاس

ہیبت سے ہو وہیں سینہ جرس
اے کبھی جو میرے دل نعرہ زن کے پاس

اس بحر میں اک اور غزل پڑھئے اے ظفر
رکھتا ہے کون دل سے یہ سوتی سخن کے پاس

زلف آگئی صبا سے وہ خال دہن کے پاس
مار سیاہ کھیلے اٹکیا اپنے من کے پاس

دل میں یہاں ہے حسرت نظارہ چمن
صیاد رکھ قفس کو ہمارے چمن کے پاس

ابرو کے پاس حل نہیں کاجل کا ہے بنا
یہ حلقہ سپر ہے بت تیغ زمن کے پاس

کل وہ گلے جو عاشق بیمار کے لگا
اس کی طپش کی گرمی جو پہنچی بدن کے پاس

بولا کہ مجھ کو تاب نہیں اب یہ حال ہے
شب جیسے شمع جلتی شمع لگن کے پاس

گر حادثات دہر سے غم ہے تو اے ظفر
کر جا کے التجا شہ خیبر شکن کے پاس

آبلہ سینے پہ ہے میرے دل زار کے پاس
یا کہ شیشہ ہے دھرا ساقی سرشار کے پاس

خال ابرو و نہیں چشم بت عیار کے پاس
نیلوفر ہے یہ کھلا نرگس بیمار کے پاس

یارو یہ مار سیہ کھیلے ہے من سے اپنے
خال رخ پہ نہیں واں زلف نگونسار کے پاس

حلقہ زلف اس ابرو کے نہ کیونکر ہو قریب
رکھتی قاتل کو سپر چاہیے تلوار کے پاس

تپ ہجر سے دل کیوں نہ ہو مضطر کہ ظفر
آنے دیتا نہیں ظالم مجھے دیوار کے پاس

فرق سے وہ بے ادب اٹھ اپنے جا بستر کے پاس
ایک تکیے پہ نہ رکھ سر تو ہمارے سر کے پاس

چاہ میں اس یوسف ثانی کی مر جاؤں اگر
مجھ کو رکھ دیجو عزیزو تم اسی لحد کے پاس

کچھ بھی پاس آبرو ہے تجھ کو اے طفل سرشک
دامن مژگاں سے الجھا میری چشم تر کے پاس

لب شیریں کو ترے چاٹ کے رس چشم مگس
میٹھی نظروں سے پیے جائے ہے بس چشم مگس

میں وہ لاغر ہوں کہ بن جائے مرا خس خانہ
اپنی مژگاں سے اگر دے مجھے خس چشم مگس

لب کا حل لفظ مقام ہے ولے چاہ ذقن
ہے حریفا نہ نظر سوئے مگس چشم مگس

تنگ چشمی تجھے ہو کیونکر نہ اے اہل ہوس
تو مگس اور تیری چشم ہوس چشم مگس

ورنہ وہ کھاتے ہیں اس طرح چھپا کر کھانا
جائے ہے دیکھنے کو اس کے ترس چشم مگس

تنگ آیا ہوں اسیری زبس اے صیاد
نظر آئے ہے مجھے کنج قفس چشم مگس

اشک خال لب شیریں سے ظفر اس کے نہو
نگراں سوئے شکر لاکھ برس چشم مگس

ردیف شین معجمہ

بھولا نہ تجھے یہ کبھی اس یاد کو شاباش
شاباش ہمارے دل ناشاد کو شاباش

ہر روز ستم تازہ ہے ہر روز نیا ظلم
اے شوخ ستمگر تری ایجاد کو شاباش

گویائی اگر ہووے لب زخم جگر کو
اتنا کہے اس خنجر بیداد کو شاباش

نازک ہے تو کس کام کا ناصاف ہے گر دل
فولاد بنا آئینہ فولاد کو شاباش

الحمد للہ کہ ہوئی اتنی تو تاثیر
کہتے ہیں وہ سن کر مری فریاد کو شاباش

یہ قتل کا ہے شوق کہ اڑ جائے اگر سر
پیدا ہو صدا حلق سے جلا کو شاباش

مرغ چمن قدس کو اس دام سے کیا جائے
پر کھینچ ہی لایا مجھے صیاد کو شاباش

کیا طرز وفا عشق سے سیکھا ہے دلا واہ
شاباشا تجھے اور ترے استاد کو شاباش

مر مر کے ہوئے داخل جنت بنی آدم
پر چھوڑ نجائے پدر اولاد کو شاباش

آسان نہیں سنگ پہ سر مار کے مرنا
کیا کام کیا عشق میں فرہاد کو شاباش

ہیں لاکھوں خیالات میں فکر سخن اپنا
تیری ظفر اس طبع خداداد کو شاباش

بالش کہاں ہے اور کدھر شوخ سنگ فرش
ہے خشت جائے تکیہ ہمیں اور سنگ فروش

بستر پہ کیوں تڑپ کے نہ شب کو کروں سحر
تجھ بن دلائے ہے مجھے کیا کیا ترنگ فرش

سیکھی ہے آہ کس سے شرارت یہ شمع بزم
شب کردیے جو تونے جلا کر پلنگ فرش

ساقی کھینچ کر چادر مہتاب نے کیا
کیا چاندنی کا چرخ پہ یہ بید رنگ فرش

مجنوں کو غیر محمل سبز میان دشت
بھاتا نہیں مجھے سبب ہارونگ فرش

خار مژہ سے ڈر ہی نہیں تیری راہ میں
آنکھوں کو اپنی کیجیے اے خانہ جنگ فرش

ہر نقش پا پہ از گل قالیں ہے تیرا آہ
ہو کیوں نہ خاک کو سے تری بارنگ فرش

پھولوں کی سیج پہ مجھے بن تیرے کیا ہو چین
مارے ہے تن میں ہر رگ گل سے خدنگ فرش

ہیں اے ظفر جو خاک نشینان کوئے دہر
کلاہ ہے خاک کا انہیں جائے پلنگ فرش

مشتعل اور ہو کیا خانہ حق پہ آتش — عشق کی ہے دل پہ درد قلق پہ آتش
رشک رنگ مسی و پان سے ہے شعلہ رخسار — کیا عجب جاکے لگے شام شفق پہ آتش
تو چمن میں نہ ہو سرگرم فغاں بلبل زار — رکھ نہ دینا کہیں ہر گل کے ورق پہ آتش
عرق آلودہ ترا دست خابستہ نہیں — ہے یہ قربان ترے تو سن کے عرق پہ آتش

ذوق قلیاں کشی اس ماہ جبیں کو ہے ظفر
مہر نکلا جو سحر رکھ کے طبق پہ آتش

دل کو کیا دوں تجھے اے گبرو مسلمان فروش — دیکھ اوروں کی طرح ہیں نہیں ایمان فروش
دولت عشق سے رکھتا ہوں جوا ہر خانہ — چشم دریا ہے مری گوہر و مرجان فروش
وہ یہ کہتا ہے کہ آہنگ شب خوں کیجئے — نظر آجائے جو کوئی مسی و پان فروش
بلبل شیفتہ ہوں کنج قفس میں میرے — شاخ گل رکھ دے ذرا اے گل بستان فروش
مفت ہے کیجئے اگر نیم نگہ مژگاں پہ اشک — میں ہوں بازار محبت میں دل و جان فروش
چشم کیونکر نہ رکھے بوجہ مژگاں پہ اشک — مردماں ایک بھی ہے درغلطان فروش
نقد دل لے کے دیا بوسہ لب کیا اس نے — خود لگا کہنے کہ ہوں لعل بدخشان فروش
ہدف تیر قضا جلد کہیں ہو یارب — جتنے ہیں کوچہ دلدار میں پیکان فروش

روز و شب قرص مہ و مہر لیے پھرتا ہے
اے ظفر کیوں نہ فلک کو کہیں ہم نان فروش

وہ چشم ہو کیونکر سحر و شام فراموش — میں مست ہوں مجھ سے وہ کہاں جام فراموش
ہو جس سے کہ اک بار مرا نام فراموش — وہ یاد و عالم سے ہوا کام فراموش
کسی وجہ سے جاوے یہ پریشانی دل آہ — ہوتی نہیں وہ زلف سیہ فام مراموش
لے سر پہ وبال اپنے اسیروں کا نہ صیاد — اتنا بھی نہ ہو رکھ کے تہ دام فراموش
جس کام کو آئے تھے یہاں ملک عدم سے — افسوس کہ وہ ہم سے ہوا کام فراموش
اک میں بھی ترے دور میں ہوں بد سبوکش — تو مجھ کو نہ کر ساقی گل فام فراموش
ہو یاد ترے کعبہ رو کی نہ مجھے کیوں — کافر ہوں جو دل سے کروں اسلام فراموش
اس نرگس مخمور کا رکھتا ہوں تصور — ہے جیسے خیال گل بادام فراموش

آرام و قرار و خرد و ہوش وہی ہے
کیونکر ہو ظفر دل سے دل آرام فراموش

نہیں قمری کی طرح سرو گلستان پہ غش — شکل پروانہ میں ہوں اس شمع شبستان پہ غش
نہ ستو سنبل پہ ہوں میں اور نہ ریحان عشق — میں ہوں اس گل کے خط و کاکل پیچان پہ غش
جلوہ شام و شفق خوش نہیں آیا مجھ کو — دل مرا ہے ترے رنگ مسی و پان پہ غش
دیکھو تم لخت جگر سے میری مژگاں کی نمود — یارو کس واسطے ہو سرو چراغاں پہ غش
سامنے اس کی نہ کے نہیں کسیں ہے خدنگ — لب سوفار بھی ہے اس لب خنداں پہ غش
جس نے اے شوخ ترے دست حنائی دیکھے — ہو وہ کس رنگ بھلا پنجہ مرجان پہ غش
روز تم باندھتے ہو مجھ پہ خوشی سے بہتان — جان ہوتی ہے مری آپ کے طوفان پہ غش
ربط کچھ دست جنوں ہی کو گریباں سے نہیں — خار صحرا سے جنوں بھی ہوئے داماں پہ غش
مہ و خورشید سے کچھ مجھکو نہیں ہے مطلب — ہیں تو دل سے ہوں ترے عارض تابان پہ غش

ظفر مدام یہ ساقی سے اپنے کہتا ہے
بلور کا تو دکھا ساغر شراب تراش

گھر میں اس کے جاکے پھر کس کو رہے ہے گھر کا ہوش
نہ خبر تن کی رہے ہے اور نہ ظالم در کا ہوش

سیج پر پھولوں کی واں ساتھ ہے اور کے سوتا ہے وہ
تجکو یاں درد جدائی سے نہیں بستر کا ہوش

واعظا قول قیامت سے ڈراتا ہے مجھے
یاد میں اس فتنہ گر کی کس کو ہے محشر کا ہوش

سینکڑوں ساغر چڑھائے اور نہ بہکا تس پہ وہ
ہم نشیں تو دیکھ تو اب اس بت کافر کا ہوش

دام میں صیاد وش وہ میرے جب سے ہے اسیر
عندلیب دل کو ہے میرے نہ بال زیر کا ہوش

جب ہوا لے کر مقابل عشق فوج درد و غم
اڑ گیا عیش طرب کے بس وہیں لشکر کا ہوش

نامہ اعمال پر اپنا نہیں کرتا نظر
ظفر پڑھنے کا تجکو عشق کے دفتر کا ہوش

ہمیشہ باندھے ہیں ساغر شراب کو آتش
بڑے ہی جھوٹے ہیں کہتے ہیں آب کو آتش

برشتہ دل کو نہ کراس قدر تو سوزش عشق
جلانہ دیوے زیادہ کباب کو آتش

جلایا جلوے نے اس کے دل و جگر میرا
کہوں نہ کیوں کہ رخ پر عتاب کو آتش

لکھوں ذرا بھی اگر اپنی شرح سوزش غم
تو ایک دم میں لگ اٹھے کباب کو آتش

وفور اشک میں ہے چشم خون دل سے سرخ
لگی ہے ہجر میں جاکر غراب کو آتش

دیا ٹھہرنے نہ کوچے شعلہ خو کے ہمیں
فلک لگے ترے اس انقلاب کو آتش

جلایا اس نے مجھی کو ہے کاش کے یارب
لگا دے اس دل خانہ خراب کو آتش

الٰہی کس نے یہ کھینچی ہے آہ آتش ناک
کہ جس سے جاکے لگی آفتاب کو آتش

عجب نہیں کہ ظفر برق آہ آتش بار
لگانے دوش ہوا پر سحاب کو آتش

جو کہ سینے میں ہے داغ دل سوزاں کی طپش
وہ نہ ہو حشر کے دن مہر درخشاں کی طپش

خاک پر مرے خس و خار نہ کیونکر جل جائیں
اب تلک دل میں ہے سوز غم پنہاں کی طپش

ہم نے گو آنکھوں سیرو رو کے بہائے دریا
پر بجھی پر نہ بجھی ہاں غم جاناں کی طپش

نبض پر رکھتے ہی انگشت پھپھولا پڑ جائے
اے طبیبو وہ بلا ہے تپ ہجراں کی طپش

نہیں معلوم یہ کیا عشق نے بھڑکائی آگ
پھونکے دیتی ہے مجھے میرے دل و جاں کی طپش

لکھ یہ تبدیل ردیف اور غزل گرم ظفر
جس کو ہوس کے زیادہ دل یاراں کی طپش

جگر و دل میں ہے وہ نشتر مژگاں کی خلش
نہ سناں کی جسے پہنچے ہے نہ مژگاں کی خلش

بن ترے بستر گل پر مرے حق میں اے گل
ہر رگ گل میں ہے اب خانہ مغیلاں کی خلش

دیکھنا جوش جنوں ہے مرے سینے پہ سوار
نیش زنبور بھی ہے تار گریباں کی خلش

تن پہ ہر مو ہے مرے نشتر زہر آلودہ
دل میں جس دم سے ہے نیش غم جاناں کی خلش

تم ہو اورغیر ہیں اب اور ہے گل گشت چمن
ہم ہیں اور آبلہ اور خاربیاں کی خلش

گوکھ بالی کی مرے دل میں چبھی ہے جس طرح
نیش کثردم میں ہے کا ہے کو اس عنواں کی خلش

اے ظفر نشتر الماس سے بھی ہے افزوں
دل عشاق میں خار غم ہجراں کی خلش

سخاں اگرچہ ہے یہ موسم بہار تو خوش
بغیر بادہ نہ ہوں ایک میگسار تو خوش

خوشی سے ہنستے ہیں گل گرچہ روتی ہے شبنم
بلا سے ایک ہے ناخوش تو ہیں ہزار تو خوش

پھرا نہ ملک عدم سے کوئی ہزار افسوس
کہ اس سے پوچھئے بتلاؤ ہیں گے یار تو خوش

ہوئے وہ داغ جگر دیکھ کر مرے برہم
وگرنہ آئے ہے یاں سیر لالہ زار تو خود

بلا سے گردل پرخوں ہوا مرا پامال
لگا کے پاؤں میں مہندی وہ ہے نگار تو خوش

اگرچہ مرنے سے میرے ہے ہر اک جہاں غمگین
پر اس کو سن کے ہوا وہ جفا شعار تو خوش

تو اپنے رخ سے نہ کردور سبز خط کو
کہ لگتی آنکھوں میں ہے سیر سبزہ زار تو خوش

زمانہ ہجر کا ہے ایک خط لاکھ برس
اگرچہ وصل کے ہیں دن نہ تین چار تو خوش

غزل لکھ اور بھی تبدیل قافیہ میں ظفر

اس ایک بحر میں ہیں شعر آب دار تو خوش

بھی ہے دور فلک ہو چکا جہاں تو خوش   کہ اس کے ہاتھ سے ہو کوئی ایک آن تو خوش

غم و الم بھی تمہارا مجھے غنیمت ہے   کہ اس خیال میں رہوے گی میری جان تو خوش

اگرچہ ظلم و ستم ہیں بتوں میں سب ناخوش   بلا سے آتی ہے دل کو ادا و آن تو خوش

ہزاروں ہوگئے دل خون ایک بات میں آہ   تم اپنے جی میں ہوئے ہوگے کھا کے پان تو خوش

اگرچہ دل مرا جوں غنچہ تنگ تھا تم سے   پر آ گیا ترے ناوک کو یہ مکان تو خوش

اگرچہ دل میں ہے عیار تیرے بے مہری   مگر دکھانے کو لوگوں کے ہے زباں تو خوش

اڑا کے لے نہ گئی اس گلی میں مجھ کو صبا   ہوا تھا ضعف سے میں اپنے ناتوان تو خوش

رہا ہو آپ بھی گردش میں قیامت تک   ملا کے خاک میں مجھ کو آسمان تو خوش

ظفر شکیب و تواں پیشکش کر اس غم کا

کہ ہووے دل میں بلا سے یہ مہماں تو خوش

قسم خدا کی وہ ہے تیری شوخ و شنگ تراش   کہ بت تراش نہ ایسا نہ کوئی سنگ تراش

جو اس طرح سے ہے مشق ستم تجھے منظور   قلم کی طرح مرے سر کو خانہ جنگ تراش

اگرچہ حور پری حسن میں ہیں اب مشہور   ڈھلے کہاں سے تمہارا سا رنگ ڈھنگ تراش

کہاں ہیں قطرہ خوں چشم میں کہ عشق اس کا   یہ لایا موتی کے دانے ہیں ایک رنگ تراش

جو اس کے ناوک مژگاں کا وصف لکھنا ہے

تو اے ظفر کوئی تو خامہ خدنگ تراش

کیوں نہ یہ سن کر کھڑے ہوں باغ میں بلبل کے گوش   صبح دم شبنم نے یکسر بھر دیے ہیں گل کے گوش

منہ سے کیا اپنے نکالیں بات ہم ڈر ہے یہی   ہیں لگے رہتے ادھر کوان دونوں تو کل کے گوش

یا تو اے زاہد ہمیشہ چار قل سنتے تھے ہم   یا لگے رہتے ہیں اب آواز پر قلقل کے گوش

گوش بر آواز ہیں غماز یارو رات دن   ہو سکے تو بند کردو اس کے تم ڈل جل کر گوش

ہووے زیور کا تحمل کیوں کر اس کے کان میں   ٹوٹیں جس نازک بدن کے بوجھ سے کاکل کے گوش

چشم مستوں سے نہ اس کی ہو سکے ہم چشم دیکھ   ساقیا تو کھول دے محفل میں جام و مل کے گوش

اے ظفر اک بات میں مقراض فکر تیز سے

کترے ہے وقت سخن تو طالب آمل کے گوش

نہ مجکو عشق میں ہے جان کا نہ تن کا ہوش   اگرچہ ہے تو ہے اپنے ہی گلبدن کا ہوش

کیا جو مار کے ڈفن اس نے مجکو چوکھٹ میں   غضب ہی ہے مرے قاتل تیغ زن کا ہوش

بدن پہ عاشق وحشی کے کے خاک کافی ہے   جنوں کے جوش میں ہے کسی کو پیرہن کا ہوش

چمن ہے گریہ خونی سے تختہ دامن   وگر نہ کس کو ہے نظارہ چمن کا ہوش

ارادہ تھا کہ کہیں گے ہم اس سے حال اپنا   رہا نہ دیکھتے ہی اس کے پرفن کا ہوش

خبر بجز جو دے آ کے مرگ شیریں کی   تو پھر کہاں سے بجا رہوے کوہکن کا ہوش

ظفر وہ ہوش رہا اک نگاہ ناز کے ساتھ

اڑا کے لے گیا عشاق خستہ تن کا ہوش

ساقی نہ دکھا بزم میں تو جام کی گردش   یاد آتی ہے چشم بت خود کام کی گردش

پھرتی ہے مری خاک بگولے میں ہمیشہ   اب تک بھی مرے ساتھ ہے ایام کی گردش

اک شب نہ مرے پاس وہ آیا مہ تاباں!   گردوں نے نہ کی ایک مرے کام کی گردش

آنکھوں کے تصور میں تری صاف ہے لکھا   خامہ نے مرے جب دم ارقام کی گردش

مے بھرتے ہی ساقی کے ظفر ٹوٹ گیا جام

قسمت میں ہی بھی مے آشام کی گردش

نہ ملک پر ہے نظر اور نہ مال و زر کی تلاش
نظر کو اپنی ہے اک شوخ خوش نظر کی تلاش

ہمیشہ پیک تصور رہا مرا قاصد
کبھی ہوئی نہ مجھے مرغ نامہ بر کی تلاش

چمکتی ابر میں ہے برق سے کشو لو جام
حریف تیغ بکف ہے کرو سپر کی تلاش

ہمارے طائر دل کو اڑا کے اے صدقے
جو تم کو بہر تصدق ہو جانور کی تلاش

سراغ پا سکے عنقا کا کس طرح کوئی
مجال کس کی کرے جو تری کمر کی تلاش

عیاں ہے دیکھ سر نیزہ اب سر عاشق
تجھے ہے نخل محبت کے گر ثمر کی تلاش

خیال چھوڑیے دنیا کا کیجیے دین کا فکر
تلاش ادھر کی ہے کیا چاہیے ادھر کی تلاش

جسے تلاش ہے مضموں کی جانتا ہے وہ
کہ ہے تلاش سے سب کی جدا ظفر کی تلاش

کرتے ہیں بہت صاحب تدبیر پس و پیش
پر دیکھیے کیا کرتی ہے تقدیر پس و پیش

دل پہلے پھنسا زلف میں جاں جعد کے پیچھے
دونوں ہوئے وابستہ زنجیر پس و پیش

جب تک کہ رہا دم میرے دل سے رہے راہی
آہ سحر و نالہ شب گیر پس و پیش

کہ دیکھو قاصد کہ نہ تھے ہوش ٹھکانے
کچھ خط میں اگر حرف ہوں تحریر پس و پیش

دم جائے گا ساتھ اس کے پرائے مرگ کوئی دم
شاید ہو تری باعث تاخیر پس و پیش

یکساں ہے سر پشت سر سینہ ہے سوفار
کیا خوب برابر ہے ترا تیر پس و پیش

ہر روز ترے ساتھ ہے اے سرو خراماں
سائے کی طرح عاشق دلگیر پس و پیش

دل حسن کا ہے روشن وہ ظفر صورت خورشید
یکساں ہے سدا باعث تنویر پس و پیش

ہر طرح غیر کی دل جوئی ہے معقول چہ خوش
ہم سے ہر بات پہ بدخوئی ہے معقول چہ خوش

بات معقول کہوں میں تو کہے طرز سے وہ
تو اتالیق مرا کوئی ہے معقول چہ خوش

دل ہوا اس کا سوا اور مکدر ہم سے
گرد کیں گریہ نے کیا دھوئی ہیں معقول چہ خوش

جو نہ کہنا تھا کہا منہ سے وہ تم نے ہم کو
واہ کیا آپ کی کم گوئی ہے معقول چہ خوش

گر یہ ہے ختم فقط سوختہ جاں پہ مری
کہتے ہیں شمع بھی کچھ روئی ہے معقول چہ خوش

آگے اس زلف سمن سا کے چمن میں سنبل
کہتے ہیں مجھ میں بھی خوشبوئی ہے معقول چہ خوش

واہ ہم پوچھیں رہ عشق کو مجنوں سے ظفر
عمر کیا ہم نے یوں ہی کھوئی ہے معقول چہ خوش

یہ فریب آئے ہمیں ساقی کم ظرف کے پیش
کرنا افغاں کو ہے بدلے قدح ظرف کے پیش

پیش آوے گا وہ تو خط کہیں خونریزی سے
کہ بنانا ہے خط نسخ میں شنگرف کے عوض

ہو دم بحث نہ کیوں زیر و زبر و جاہل!
کہ پڑھے زیر ہو جو قاعدہ سے صرف کے پیش

اس نے عشاق خنک دل کا جو پوچھا احوال!
کر دیے ہم نے بھی وہ چار ڈلے برف کے پیش

تار زر کے تریاطراف کلہ پر ہیں حرف!
اور تابندہ ہیں ان حرفوں پہ ہر طرف کے پیش

لاکھ چمکائے فلک خط شعاع خورشید!
تاب کیا ہو سکے رتبہ سے جو ایک حرف کے پیش

بول اٹھا ہے بڑا بول جو کم ظرفی سے
ظفر آ جاتا ہے آخر کو وہ کم ظرف کے پیش

ردیف صاد مہملہ

بجز ادو تم کچھ نہیں ترا اخلاص!
یہی ادا ہے تو بس ہو چکا ادا اخلاص

بسان آئینہ مشتاق دید ہیں تیرے
کچھ اور کہتے نہیں تجھ سے باصفا اخلاص

یہ کیا طرح ہے مرے دلربائے ہرجائی
کشیدہ ہم سے ہے تو اور جا بجا اخلاص

بگوش دل اسے تم سن لو ہے گل خوبی!
برنگ بلبل شیدا ہوں یاد با اخلاص

قسم ہے تجکو تمہارے کہ منہ نہ دیکھوں گا!
کیا جو اور کسی سے مرے سوا اخلاص!

عجب طرح کا زمانہ یہ آ گیا ہے ظفر
کسی کے ساتھ کسی کو نہیں ذرا اخلاص

جو دیکھے داغ دل خانماں خراب کا قرص
تو جل کے سوختہ ہو جاوے آفتاب کا قرص

ہمارے مردمک دیدہ پہ آب کو دیکھا!
بھنور کا بحر میں کب ہے اس آب و تاب کا قرص

تپ فراق میں اس مہ جبیں کے دو مجھ کو!
بجائے قرص طباشیر ماہتاب کا قرص

یہ ترک چشم بتاں کے سپر ہے پہلو میں!
نہیں ہے حلقہ گیسوئے مشکناب کا قرص

نہ کیونکہ قوت دل ہو ظفر کہ وہ گل رو!
بنا کے دے مجھے وہ صندل و گلاب کا قرص

بھری تھی ساغر میں رات ساقی نے ایسی خوشبو شراب خالص
نہ اس کو پہنچے ہے مشک خالص نہ اس کو پہنچے گلاب خالص

اس آرزو میں کہ اس کے پاؤں کے چھلے کوئی مجھے بنا دے
ادھر تو ہے سیم ماہ خالص ادھر زر آفتاب خالص!!

حلاوتیں اس کے لعل لب کی نہ پوچھو بوسے کی ہے یہ شیرینی!
کہ جو کوئی آنکھیں خالص کو کھول دے لے کے آب خالص!

دل شکستہ درست میرا نہووے کیونکر ہاتھ آئے!
تمہارے بوسہ کے خال مشکیں کی مومیائی شتاب خالص

شمیم گیسوئے عنبریں سے ترے وہ ہمسر کبھی نہ ہو گا!
ہزار عنبر ظفر منگائے کہیں سے اے پرحجاب خالص

دشنہ ہے غمزہ ناز ہے شمشیر کا خواص — ابرو کماں نگہ ہے ترے تیر کا خواص
بیمار غم کو حلقہ گیسو میں روئے — دکھلا دیا ہے قرص طباشیر کا خواص
کب قدر ذی وقار کی ہیں جانتے عوام — سمجھے ہے رتبہ صاحب توقیر کا خواص
یہ سینہ داغ داغ مرا آہ سرو سے — پیدا کرے ہے گلشن کشمیر کا خواص
دیوانہ تیرا پائے بزنجیر کیا رہا — رکھتا ہے وہ تو نالہ زنجیر کا خواص
اس وقت کے امیروں سے ہو گا سوا شفیق — شاہ جہان و شاہ جہانگیر کا خواص
ہے طفل غنچے کے لیے دایہ جو نو بہار — شبنم کی بوند بوند میں ہے شیر کا خواص
ظالم مرے لیے سم افعی سے کم نہیں! — تیری شمیم زلف گرہ گیر کا خواص!
نفع و ضرر غذا کا نہ جانے شکم پرست — پوچھے ہے کون زاغ سے انجیر کا خواص
میرے دل گرفتہ نے گلزار دہر میں! — پیدا کیا ہے غنچہ تصویر کا خواص!

کشتہ کیا ہے جن کو محبت نے اے ظفر
رکھتی ہے ان کی خاک بھی اکسیر کا خواص!

نہ حور کی نہ خلد کے گلزار کی حرص — ہے فقط ہم کو ترے جلوہ دیدار کی حرص
دل کو روکیں تو کرے اور غم یار کی حرص — وقت پرہیز کے بڑھ جائے ہے بیمار کی حرص!
گرچہ ہے نوک مژگاں سے مشبک سینہ — دل کو اس پر بھی ہے تیر نگہ یار کی حرص!
رات دن سولی پہ ہوں یاد میں اس قامت کی — کسی کو اے فاختہ ہے سروچمن زار کی حرص
روغن آتش کو بجھا سکتا نہیں ہے ہرگز! — لقمہ چرب سے جاتی نہیں پرخوار کی حرص
پیش نیساں نہ کرے وا لب اظہار طلب — ہو صدف کو نہ اگر گوہر شہوار کی حرص
ہیں فقط داغ جگر عشق کی دولت کافی — تیرے عاشق کو نہیں درہم و دینار کی حرص
قطع سے اور بڑھا شمع کا شعلہ دیکھو! — سر کے کٹنے پہ نہیں گھٹتی ہے زردار کی حرص

بیٹھنے دیتی ہے کب کنج قناعت میں ظفر
ایک دشمن ہے یہ دنیا کی طلبگار کی حرص!

ردیف ضاد معجمہ

لب شکلیں گے ترے لعل یمن پر اعتراض! — زلف ہی کرتی ہے کیا مشک ختن پر اعتراض
ہم نے کی ہے جانکنی اور اس نے کی خاراکنی — واجبی ہے گر کریں ہم کوہکن پر اعتراض!
لاکھ پیچ و تاب کھائے موج دریا، پر کہاں — کر سکے اس آستین پرشکن پر اعتراض!
ہووے پھر صبح قیامت پر قیامت آشکار — گر لگائے کچھ مری خاک کفن پر اعتراض!
شاخ سنبل سے کالے شاخسار زلف گر — قدر ترا کرنے لگے سرو چمن پر اعتراض!
باندھے گنبد گر اک اپنی دود آہ سے! — لاکھ نکلیں خیمہ چرخ کہن پر اعتراض

آج کسی اہل سخن کو اس قدر مقدور ہے
کر سکے جو اے ظفر تیرے سخن پر اعتراض

تیری آنکھوں سے ہے گر نرگس بیمار کو فیض
ہے مرے بھی دل پہ داغ سے گلزار کو فیض!

صبحدم بام پہ آئے جو یہ بے مہر ذرا
تاب رخ سے ہے ترے مطلع انوار کو فیض!

بعد مجنوں ہوں وہ میں بادیہ پیمائے جنوں!
کہ مری آبلہ پائی سے ہے ہر خار کو فیض!

ماہ نو رشک سے گردوں پہ نہ کیوں کٹ جائے
ہو ترے ابروئے پر خم سے جو نادار کو فیض!

زلف مشکیں کے ترے تار ہیں وہ اے کافر
جن سے پہنچے ہے سدا نافہ تاتار کو فیض!

آئینہ مائل نظارہ نہ کیوں ہو تیرا
تیرے دیدار سے ہے طالب دیدار کو فیض

رشک سے اشک نکیوں ہار گلے کے ہوں مرے
سینہ یار سے ہے موتیوں کے ہار کو فیض

بعد مردن بھی رہا رنگ ظہور عاشق
خون فرہاد سے ہے لالہ کہسار کو فیض

کیا ہے انصاف کہ اک بوسہ لب سے تیرے
رہے ناکام ظفر اور ہوا اغیار کو فیض

دکھائیں گر ترے بیمار بے نصیب کی نبض
تو دیکھ کر نہ ٹھکانے رہے طبیب کی نبض

مرض نہ کیجیے کہ ہے وہ تو صحت کامل
حبیب دیکھے محبت سے گر حبیب کی نبض

جو آئے جانب مسجد وہ بت تو پھر دیکھے
کوئی موذن مسجد کی اور خطیب کی نبض

بچے گا یا نہ بچے گا یہ عشق کا بیمار
بغور دیکھو طبیبو تم اس غریب کی نبض

ہمیں جو تپ بھی چڑھے تو نہ پوچھیں حال کبھی
وہ دیکھیں عالم صحت میں بھی رقیب کی نبض

جو ایک جان دو قالب ہوں عاشق و معشوق
تو دیکھی جائے رگ گل سے عندلیب کی نبض

ظفر ہے عالم طفلی میں اس کا یہ عالم
رہے بجا نہ اسے دیکھ کر ادیب کی قبض

ردیف طائے مہملہ

بت کشمیر کے آیا جو نہیں طرف سے خط
کھل گیا راہ میں شاید کہیں اب برف سے خط

آمدِ حیاس نے کمر قتل پہ شاید ہمدم
لکھ کے بھیجا ہے جو خونخوار نے شجرف سے خط

عمر کی صرف اسی بحث میں تو نے ناداں
لکھنا آتا ہے کوئی نحو سے اور صرف سے خط

ہمدمو آہ مرا دل ہے اسی غم سے نڈھال
نہ پڑا تن پہ جو تیغ بن کم ظرف سے

چشم پر خوں ستری خانہ مژگاں سے ظفر
دیا گلزار رقم خاں کے ملا حرف سے خط

کس طرح جا کے کیجئے جاناں سے اختلاط — جب تک مجھے نہ اس کے ہودرباں سے اختلاط
مانند موج جیسے بگولیں برجیں وہ ہے — اس آستیں کو دیدہ گریاں سے اختلاط
کس روز چمکے آہ مری برق ساں کر ہے — اس حسن کو ہے آتش سوزاں سے اختلاط
ہیہات مثل گل نہ کسی رنگ ہو رفو — دست جنوں رکھے ہے گریباں سے اختلاط
اس روئے زیر زلف ک کیونکر پھرے نہ گرد — پروانے کو شمع شبستاں سے اختلاط
تکتا ہے دل مرا رخ روشن کو یوں ترے — جوں ہو چکور کو مہ تاباں سے اختلاط
صد چاک دل یہ الجھے نہ کاکل پہ اس کی کیوں — رکھتا ہے شانہ زلف پریشاں سے اختلاط

تک تک کے شکل و صورت آئینہ طلعتاں
مجھ کو ظفر رہیدل حیراں سے اختلاط

میں لکھا ہے جو کل اسے تدبیر سے خط — یا الٰہی وہاں پہنچے میری تقدیر سے خط
بے خط مجھ سے بیاں خط کا تو کرتے پہلے — نامہ بر دیگا تو اب کون سی تقریر سے خط
پہنچے کشمیر میں جو کاغذ کشمیری پہ — بت کشمیر نے بھیجا مجھے کشمیر سے خط
موت عاشق کی تری تیغ ادا سے نہ گئی — جسم پر اسکے نہیں پڑتا ہے شمشیر سے خط
ایک انٹی سی نزاکت ہے صنم کی واللہ — دونوں کانوں پہ پڑا زلف گرہ گیر سے خط
نامہ بر جان گئے ہم کہ خط جعلی ہے — خط سے ملتی ہے نہ تحریر سے تحریر سے خط
دیا وصل کے مضموں نے مرے دل کو غنی — کم نہیں حق میں مرے نسخہ اکسیر سے خط
کیا عجب کاغذ آتشزدہ بن جائے — میرے مضمون تپ عشق کی تاثیر سے خط
جب ہو قرآں سے ترا روئے کتابی روشن — تو مقابل ہو نہ کیونکر تیرا تفسیر سے خط
چہرہ تصویر سیر رکھتا ہے شباہت تیرا — اور مشابہ ہے ترا ہالہ تصویر سے خط

ہے ظفر تجھ کسی ناوک مژگاں کا خیال
جو مرا تسمہ لکھے ہے قلم تیرے سے خط

تجھے لکھتے ہیں تیرے دل جلے خط — جلیں گے ہاتھ ہاتھوں میں نہ لے خط
تمنائے قدم بوسی لکھی تھی — تو اس نے پاؤں سے میرے ملے خط
اندھیرے میں لکھا کیا خط گلزار — دکھا دے رخ پہ زلفوں کے تلے خط
سر تن زیب عیرانی کے آگے — تری شمشیر نے کھینچے بھلے خط
دم تحریر شوق آیا جو رونا — تو جوں کاغذ کی کشتی پہ چلے خط
کہو قاصد کو اس تو خط سے میرے — جواب خط کا لے ہی کر ٹلے خط
کبھی بے عذر اور حیلہ سے اس کے — نہ آیا صبح آیا دن ڈھلے خط

غلامی کا ظفر فخر جہاں کی
لکھا ہم نے تو بے آرے بلے خط

آج میں نے جو لکھا تھا تجھے تدبیر سے خط
شکر تو خط کہ وہ پہنچا مری تقدیر سے خط

اے پری رو یہ ہے خط کس ترے دیوانے کا
تو نے دروازے کی باندھا ہے جو زنجیر سے خط

خط کے پڑھتے ہی پڑیں تا مرے دل میں سوراخ
اس کماندار نے لکھا قلم تیر سے خط

کردیا تیغ نظر ہی نے ترے کام تمام
گو کہ قاتل نہ پڑا جسم پہ شمشیر سے خط

نامہ بر خط کے جو آتے ہی بھر آیا میرا دل
کیا لکھا اس میں یہ الٰہی جو ہے تاثیر سے خط

خط پہ خط آتے تھے اتوا تلک تو واں سے
نہیں معلوم کہ آیا نہیں کیوں پیر سے خط

اے ظفر کیونکہ نہ تجھے اسے عاشق ایماں
رخ وہ مصحف ہے تو کچھ کم نہیں تفسیر سے خط

اس نے برہم ہو جو بھیجا اے دل افسردہ خط
مثل گل ہم دیکھتے ہی ہوگئے پژمردہ خط

قاصدوں کی ہے شہادت گاہ اس بت کی گلی
واں تلک لے جائیگا کس کا ہے یہ دل گردہ خط

میرے سینے پہ وہ رکھ دینا کفن میں بعد مرگ
ہوگیا اک آن میں بس کاغذ نم خوردہ خط

نامہ جاناں کے پڑھتے ہی جو یہ آنسو بہے
قاصد ہو جاؤں میں گر پڑھتے پڑھتے مردہ خط

گو صریحا وصل کا اقرار تھا مر قوم پہ
یوں ہوا معلوم کچھ لکھا ہی ہو آزردہ خط

ہوگئی دل کی تسلی یک بیک میری ظفر
قاصدام از جانب دلدار چوں آوردہ خط

تجھ سے یہ مجھ کو توقع ہے مری جان غلط
میری دلجوئی کرے تو کسی عنوان غلط

ناصحا فصل بہاری میں جنوں کے ہاتھوں
مثل گل ہو نہ مرا چاک گریباں غلط

کھینچے ہر چند کہ وہ آپ کو گردوں پہ ولے
پہنچے عارض کو ترے مہر درخشاں غلط

لڑ گئی آنکھ کسی آئینہ رو سے میری
نہیں بے وجہ ہیں اب دیدہ حیران غلط

جس کو ہو زلف پریشاں سے تمہاری سرو کار
حال اس کا نہ ہو ہر حال پریشان غلط

میں ہزار اپنا کروں چاک گریباں لیکن
چاک بیدست جنوں ہووے مری جان غلط

مہر ہر چند اسے اپنی جتاؤں یارو
اے ظفر اسے یہاں وہمہ تاباں غلط

تم ظفر کو جانو عاشق ہے ہمارا ہی فقط
کھول کر آنکھ اس نے منہ دیکھا تمہارا ہی فقط

کھینچے خال گوشہ ابرو کی جو اس کے شبیہ
وہ بنائے پاس ماہ نو کے تارا ہی فقط

کیجے کیوں احسان سر پر ہمدموں شمشیر کے
قتل کو کافی ہے اپنے وہ اشارہ ہی فقط

کوئی دم کو دیکھنا ماریں گے سر دیوار سے
ہے ابھی آ کر تمہیں ہم نے پکارا ہی فقط

سخت جانی سے مری شرمندہ فولا بھی
کچھ بھی خجلت کش نہود سنگ خارا ہی فقط

خط ہے اس رخ پہ کہ لکھا خط ریحان میں خط
یا یہ وہ خط ہے کہ جو لکھتے ہیں قرآن میں خط

خوش نما داغ جگر پر ہے وہ ناخن کی تراش
ایسا ہونے کا نہیں مہر سلیمان کا خط

دامن دشت کو وحشت نے میری چاک کیا
سر بسر جادہ سے ہیں یہ جو بیابان میں خط

نہ کر ہستی کا بھروسہ کہ فنا یوں ہے اسے
جیسے مٹ جائے سرآب رواں آن میں خط

جلوہ دکھلاتے ہیں کیا کیا ہمیں اللہ اللہ
ہیں جو یہ رنگ مسی کے ترے دندان میں خط

لکھ کے بیتابی دل ہاتھ سے دوں پھینک اگر
لوٹے جو طائر بسمل ابھی میدان میں خط

پھٹ گیا سن کے مرا نالہ فلک کا سینہ
کہکشاں کا ہے یہ کب گنبد گردان میں خط

لکھتے لکھتے جو مجھے حال دل آیا رونا
بہہ گیا کھل کے مرا اشک کے طوفان میں خط

اے ظفر دوسری بھی گر تجھے لکھنی ہے غزل
پھر کر قافیہ باندھ اور ہی عنوان میں خط

زلف کے تار سے ہے رخ پہ کہاں یار کے خط
صحن گلزار میں چلتے ہیں پرا مار کے خط

پہن کر ہار گلے میں جو وہ سویا شب کو
پڑ گئے گردن نازک پہ کئی ہار کے خط

خط تو پکڑا ہی گیا تھا مرا لیکن نکلے
پاس قاصد کے مرے اور بھی دو چار کے خط

خط عارض ترا وہ ہے کہ نہ ہووے سرسبز
روبرو کوئی ترے اس خط گلزار کے خط

نامہ بر دیکھئے تقدیر میں لکھا کیا ہے
یار پڑھتا ہے مرا سامنے اغیار کے خط

یاد آئی دم تحریر جو وہ زلف دراز
ہوگیا ایک برابر کئی طومار کے خط

کھینچے ہے تار شعاعی سے ہمیشہ سر خاک
مہر بھی روبرو اس تابش رخسار کے خط

مہر سر نامہ اگر ہوویں نہ آنکھیں قاصد
کیونکہ معلوم ہوں حسرت کش دیدار کے خط

تیغ ابرو سے ہیں جانباز ظفر سینہ پہ
بے اجل پڑتا نہیں دھار سے تلوار کے خط

لے تو چلا ہے واں مرا قاصد جھپٹ کے خط — پر راہ میں نہ چھین لیں دشمن چمٹ کے خط
جانے نصیب الٹ جو نہ میرے تو بن پڑھے — رکھ دیتے کیوں وہ ہاتھ سے اپنے الٹ کے خط
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لے مضمون مرا رقیب — یہ کہیو نامہ بر کہ پڑھے اس سے ہٹ کے خط
سبزے کو دیکھ اب میں یاد آئے ہے مجھے — اس رخ پہ پیچ زلف معنبر کے لٹ کے خط
قاصد کے پرزے پرزے ہوئے غم ہے یہ مجھے — ٹکڑے ہوا بلا سے اگر میرا پھٹ کے خط
یہ کھل گیا کہ جائے گا کھل میرا مدعا — کھلنے لگا جو ہاتھ میں میرے لپٹ کے خط

لکھا صفائے دل سے نہ اک حرف اے ظفر
لکھ لکھ کے بھیجے اس نے ہزاروں کپٹ کے خط

ردیف ظائے معجمہ

رہیو اے دل تو اب اس زلف رسا سے محفوظ — حق سدا تجھ کو رکھے ایسی بلا سے محفوظ
ہیں سدا مشق ستم سے سر عشاق قلم — کوئی دیکھا نہ تری تیغ جفا سے محفوظ
باغ دنیا میں جو دیکھے ہیں یہ کہتا ہے اسے — رہے یہ پھول زمانے کی ہوا سے محفوظ
ہوگیا کبک دری آن میں پاماں خرام — تیری رفتار کی ہے کو ادا سے محفوظ
میں نے اس کا کل مشکیں کو نہیں چھیڑا ہے — مجھکو آئینہ دکھایا ہے خطا سے محفوظ
گل اورنگ ہے آغشتہ نجوں حسرت سے — کوئی پایا نہ تری فندق پا سے محفوظ
دست مژگاں سے اٹھا چشم کے دل زلف میں ہے — کاش ہر دو جہ رہے تیری دعا سے محفوظ
نقد دل لے ہی لیا اس نے مرا ہاتھوں ہاتھ — نہ رہا شوخ ترے دست حنا سے محفوظ

لوگ کہتے ہیں بھی دیکھ کے مجھکو بخدا
اے ظفر رہیو تو اس بت کی دغا سے محفوظ

مجھے تو وقت سخن شوخ تند خو سے لحاظ — اسے نہ شرم کسو سے نہ ہے کسو سے لحاظ
بھر آیا دل مرا سو بار پر نہ رویا میں — رہا یہ مدنظر پاس آبرو سے لحاظ
چمن میں آنکھ جھکائے کھڑی ہے کیوں نرگس — اگر نہیں ہے کسی شوخ لالہ رو سے لحاظ
وہ بے حجاب ہو گیا ایک ساغر مے سے — کہ ٹوٹے جس کا نہ سو شیشہ و سبو سے لحاظ
جہاں میں پائیگا کیونکر وہ گوہر مقصود — جسے تلاش سے ہو شرم جستجو سے لحاظ
لحاظ ہے یہ فقط تیری دوستی کا ہمیں — تری جو بزم میں کرتے ہیں ہم عدو سے لحاظ
قسم ہے خنجر قاتل تجھے مرے سر کی — جو وقت ذبح کرے تو مرے گلو سے لحاظ
چمن سے آئے نہ بے پردہ تا سر بازار — اور آئے گل جو نہ اظہار رنگ بو سے لحاظ

صفائی دیکھو ظفر آئینے کے دیدے کی
نہ خوبرو سے ہے اس کو نہ زشت رو سے لحاظ

جیسا ہاتھوں سے رہا تیرے یہ بسمل محفوظ
ایسا ہی روز جزا تو بھی ہو قاتل محفوظ

نالہ و آہ سے خو گر ہوں سدا میں غم کش
ہووے کیا نغمہ مطرب سے مرا دل محفوظ

مل گئی نعمت کونین اسے اک پل میں
ہوگیا دیکھ کے تجھ کو ترا مائل محفوظ

ابر و خاک میں مل جائے گی آئینے کی
ہوگیا خاک ترے ہو کے مقابل محفوظ

رقص مستانہ وہ کرتی ہے تری نرگس چشم
ساقیا دکھ کے ہو جائے ہے محفل محفوظ

جیتے جی پھر نہیں ملنے کا کسی دلبر سے
دے کے دل تجھکو ہوا خوب یہ بیدل محفوظ

کچھ نہ پائی خبر راہ نور دان عدم
کہ وہ تکلیف میں ہیں یا سر منزل محفوظ

خلد زاہد کو مبارک ہو کہ عاشق تیرا
ہے ترے کوچہ میں اے حور شمائل محفوظ

اے ظفر چاہئے ہاں لطف سخن میں ایسا
کہ جسے سن کے ہوں سب عالم و جاہل محفوظ

ردیف عین مہملہ

زلف مشاطہ نے تیری کیا پری پیکر کی قطع
وصل کی شب ہو گئی اس عاشق مضطر کی قلع

تار اشک چشم سے یہ صفحہ ہو سینہ مرا
بن گیا ہے مردماں اب یک قلم مسطر کی قلع

جی میں آیا چوم لیجے ہاتھ بس خیاط کے
کل سراپا دیکھتے ہی جامہ دلبر کی قلع

بن گیا خل سویدا دل میں مانند سپند
جب بنا سوز غم ہجراں سے دل مجمر کی قلع

لائے کیا حرف شکایت تجھ سے پھر وہ روکشی
جو زبان شمع شب گل گیر نے یکسر کی قلع

قطرہ خون جگر شاخ مژہ پر مردماں
ہیں بعینہ جلوہ گر اب لالہ احمر کی قلع

لکھ یہ تبدیل قوافی اے ظفر اے اک غزل
گفتگو تو نے تو کی ہر اک سخن پرور کی قلع

کیا نکالی شاشا نے دیکھو اس کاکل کی قلع
شاخ کی جو باغباں نے یک قلم سنبل کی قلع

چشم تر سے جبکہ ہو طغیانی دریائے اشک
ہو خم ابرو بھلا مردم نہ کیونکر پل کی قلع

ہاتھ سے صیاد کے معلوم گل گشت چمن
ہاں کھلیں کلیاں یہاں شہپر ہوئے بلبل کی قلع

ہوگئے گل نازاں چمن میں کیوں نہ پھولے اے صبا
ہے ازلی فی الحقیقت اس نے میرے گل کی قلع

غیر سے لکھوا کے تو نے قطعہ جب خط میں دیا
ہم نے امید وا اس روز سے بالکل کی قلع

ساقیا جوش سرشک خوں سے تجھ بن بن گیا
ہے بعینہ دیدہ تر اپنا جام مل کی قلع

خوش نہ آوے گفتگو کیونکر تری سب کو ظفر
شعر میں تیرے عیاں ہے طالب آمل کی قلع

کم نہیں ہے سوزش داغ دل دلگیر و شمع
بلکہ ہمسر ہے ہمارا نالہ شبگیر و شمع

کب تصور اسکا دل میں اور آہ آتشیں
ہیں یہ فانوس خیالی میں بہم تصویر و شمع

موج اشک چشم اے پروانہ کب ہے زیر پا
موج سودا ہے اسے باہم سمجھ زنجیر و شمع

اس رخ پر نور سے روشن ہو کیونکر ماہتاب
ایک ہو کیونکر چراغ مہر پہ تنویر و شمع

ہے اجل سر پر کھڑی یہ کھل گئی شب کو ظفر
ایک جا جونہی ہمیں آئی نظر گلگیر و شمع

عشق میں رکھتی ہے نسبت دیکھ تو بلبل سے شمع
بے سبب کب ہے لگن اپنی لگائے گل سے شمع

موج دود شعلہ اس کو مت سمجھیو اہل بزا
کھیلتی ہے رات کو اپنے سر کاکل سے شمع

شعلہ آواز قمری سے اگر جل اٹھے سرو
ساقیا دیکھیں اسے ہم چشم جام مل سے شمع

آہ آتشبار کیا نکلے دل پر داغ سے
ہم نے روشن کی ہے یارو حراغ گل سے شمع

آپ ہی نے یہ غزل لکھی ہے ورنہ اے ظفر
کب ہو روشن اس طرح کی طالب عالی ہے شمع

کس لیے ڈھونڈیں آہ ہم غنچہ و گل چراغ و شمع
تو ہی نظر میں ہے صنم غنچہ و گل چراغ و شمع

یہ دل تنگ و زخم تن داغ جگر اور آہ گرم
پاس ہیں اپنے دمبدم غنچہ و گل چراغ و شمع

جام و گلابی شراب ساغر چشم مست ناز
بزم میں اپنی ہیں بہم غنچہ و گل چراغ و شمع

خاطر تنگ و چاک جیب سوزش سینہ و جگر
ہیں یہ بہار بزم غم غنچہ و گل شراغ و شمع

قطرہ خون و لخت دل مردمک اور مژہ پر اشک
ہیں یہ ظفر بچشم نم غنچہ و گل چراغ و شمع

گرچہ غرق اشک تر ہے گریے کی شدت میں شمع
جلتی ہے تسپر بھی لیکن سوزش الفت میں شمع

کچھ ہو پرواہ جدائی کی مری اس یار کو
یوں جلے پروانے کی سوز غم فرقت میں شمع

کون ہے جی کو جلاتا اپنے سوز عشق سے
لیک جلنا ہی لکھا تھا یہ میری قسمت میں شمع

قبر پہ میری بلا سے گر نہیں جلتا چراغ
سوزش دل سے تو روشن ہے مری تربت میں شمع

کٹ گیا سر کھل گیا تن جل گیا دل کرے
عشق کے باعث یہ اب تو آ گئی آفت میں شمع

ہم تو رہویں شعلہ ساں تجھ بن ہمیشہ بے قرار
بار پاوے اس طرح سے یار کی خلوت میں شمع

تجھ سے تاب حسن میں روکش نہ ہوئے شعلہ گاہ
اور نہ ہو ہمسر کبھی تجھ سے قدو قامت میں شمع

شمع کو کیا تاب اس کے روبرو سرکش رہے
کیا ہوا ساق بلوریں ہے تری صورت میں شمع

اے ظفر رکھتی ہے اپنا نام روشن بزم میں
گوتہ فانوس ہے اس گوشۂ عزلت میں شمع

دریا بہائے گر مژہ اشکبار شمع
تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

ہوتا ہوں شب جو انجمن آرائے رنج و غم
لیتا ہوں اپنی آہ کے شعلے سے اپنی آہ کے شعلے سے کار شمع

اس شعلہ خو پہ کیونکہ نہ دوں اپنی جان میں
پروانہ کس طرح سے نہووے نثار شمع

ہے دل جلوں کو سوز محبت سے تازگی
آتش سے ہے شگفتہ گل نو بہار شمع

گرمی سے تیرے حسن کی ہو وہ عرق عرق
اے شعلہ رو جو بزم میں تو ہو دو چار شمع

تر ساقدم زباں ہیں لے کیا کریں بیاں
گویائی زباں پہ نہیں اختیار شمع

ممکن نہیں کہ ہو نہ سزا جرم عشق کی
پروانے کے ہے واسطے موجودہ وار شمع

سوز غم فراق سے ہے کیا عجب اگر
بن جائے میرے تار نفس مثل تار شمع

پردہ ظفر نہ سوز محبت کا ہو سکا
فانوس کیا ہوا جو ہوا پردہ دار شمع

شعلہ عشق نہیں ہے دل مایوس میں شمع
جل رہی ہے عجب اس پردہ فانوس میں شمع

جنبش شعلہ سے پروانہ کے جل جانے پہ
ہاتھ ملتی ہے کھڑی حسرت و افسوس میں شمع

دیکھ کر چرخ کو شب تو نے نشے میں بدمست
کہکشاں ہے کہ ہے اس خانہ معکوس میں شمع

گورا گورا بدن اے سیم بدن تیرا صاف
نظر آئے ہے سراپا ہمیں ملبوس میں شمع

گھر میں درویش کے ہے روشنی دل سے چراغ
چاہیے محفل اسکندر و کاؤس میں شمع

آہ پر سوز سے کر دل غم پنہاں کا چراغ
اس تجسس کو ہے لازم کف جاسوس میں شمع

وصل کی بات نہیں کھینچے ہے پروانے کو
کیوں ظفر شوق کنار و بوس ہوس میں شمع

ایک ہے کیونکر چراغ مہر و تنویر و شمع
بلکہ ہمسر ہے ہمارا نالہ شبگیر و شمع

ہے تصور دل میں اس کا اور نہ آہ آتشیں
ہیں یہ فانوس خیال میں ہم تصویر و شمع

موج اشک چشم پروانہ نہیں ہے زیر پا
جذب سودا ہے اسے باہم جو ہے زنجیر و شمع

صبح ہوتے وہ فنا ہو یہ سدا جلتا رہے
پھر برابر کیونکہ ہو داغ دل دلگیر و شمع

ہے اجل سر پر کھڑی یہ کھل گئی سب کو ظفر
ایک جا جونہی نظر آئے ہمیں گل گیر و شمع

ردیف غین معجمہ

اس دل جلے کو چاہئے کیا گور کا چراغ
ہے داغ دل ہی کشتہ رنجور کا چراغ

اس رخ کے روبرو مہ پر نور کا چراغ
تارا سا یوں ہے جیسے کوئی دور کا چراغ

جو دیکھے تیرے اس رخ روشن کو زیر زلف
سمجھے کہ چاند ہے شب دیجور کا چراغ

ہے دل کو آئینہ میں کہاں سوز عشق دیکھ
جلتا ہے قمقمے میں عجب نور کا چراغ

کیونکر کہوں کہ داغ محبت ہے دل سے دور
آتا نہیں ہے کام دلا دور کا چراغ

روشن رکھے ہے خانہ دل میں مدام عشق
سوز دروں سے روزن ناسور کا چراغ

کس شعلہ خو کے کوچہ سے آئی صبا کو یوں
بھڑکا حیات عاشق مہجور کا چراغ

جو نیش زن ہیں رہتے ہیں دنیا میں بے فروغ
دیکھا ہے کس نے خانہ زنبور کا چراغ

چشم و چراغ بادہ کشاں ہے یہ جام مے
روشن ہے جس دیدہ مخمور کا چراغ

مونس ہو اور کون تپ غم میں رات بھر
دلسوز ہو نہ ہو ترے رنجور کا چراغ

مثل حباب گر نہ ہمیشہ ہوائے نفس
چاٹے ہے کاسہ سر مغرور کا چراغ

تربت پہ بے کسوں کی مناسب ہے ساقیا
روشن ہو جام بادہ انگور کا چراغ

روشن اگر ہو نور حقیقت سے تیری چشم
ہے ہر شرار سنگ نہاں طور کا چراغ

ہے صرصر حوادث دوراں کا غم بھی ساتھ
کیونکہ جلے کہیں دل مسرور کا چراغ

روشن ترے فروغ سے کیونکر نہ ہو چراغ
تو ہی ظفر ہے خانہ تیمور کا چراغ

جگر برشتہ و جاں خستہ دل فگار دریغ
ہزار حسرت و صد حیف و صد ہزار دریغ

مدام داغ نصیب دل و نصیب جگر
نفس نفس نفس سرد و بار بار دریغ

سحاب و آب رواں لالہ زار و جوش بہار
نہ جام بادہ نہ محبوب گلعذار دریغ

ہمیشہ وعدہ خلافی شعار یار افسوس
ہمیشہ جانب در چشم انتظار دریغ

ہم محبت و درد فراق و رشک رقیب
ہجوم آفت و یک جان بے قرار دریغ

صد آرزوئے وصال و حیات نیم نفس
نفس شماری و اندوہ بے شمار دریغ

ہزار خنجر الماس و یک دل صد چاک
ظفر دریغ دریغ آہ و صد ہزار دریغ

عشق آفت ہے نہیں ناصح کافر ملا دروغ — ہے اس آفت میں آ ا جس نے یہ جانا دروغ
پھیرنے کو میرا دل کہتے ہیں یار اس کو برا — بولتے ہیں مصلحت آمیز یہ دلا دروغ
میں کہوں اپنی کہانی سنئے سرتاپائے صدق — قصہ خواں سے آپ کیا سنتے ہیں افسانا دروغ
کل کی جھوٹی بات سن کر کل نہیں ہے آج تک — آج بھی کل ہی سی قاصد مت خبر لانا دروغ
لگ رہی ہے شمع اس کو تیری دلسوزی کی لو — عشق کا وعدہ کوئی کرتا ہے پروانا دروغ
کہتے ہیں قرآن سر بیگانہ اے وعدہ خلاف — مت سروعدہ مرے سر کی قسم کھانا دروغ

میں امور عاشقی میں اے ظفر ہوشیار ہوں
لوگ دیوانہ مجھے کہتے ہیں دیوانہ دروغ

سدا کھاؤں جگر پہ داغ پہ داغ — دکھاؤں تجھ کو دلبر داغ پہ داغ
دیا کیا تو نے دلبر داغ پرداغ — کہ میں جوں لالہ دل پہ داغ پہ داغ
وہ گل کے گل تکیہ پہ سوئیں — تو ہم کھادیں نہ کیونکر داغ پہ داغ
پر طاؤس کے مانند ہے اب — دل سوزاں سراسر داغ پہ داغ
فراق یار میں یاں دست بردل — ہوا گل پہ گل اور داغ پہ داغ

خجل ہیں داغ لالہ کے بھی جس سے ہمارے ہیں وہ دل و داغ پہ داغ
گھمنڈ اے لالہ اھر نہ کیجو مرے بھی ہیں جگر پہ داغ پہ داغ
دھواں کیوں ساتھ آہو کے نہ نکلے پڑے ہیں دل پہ جل کر داغ پہ داغ

شب ہجراں کی کیا کہیے ظفر ہائے
رہے کھاتے ہم اکثر داغ پہ داغ

کیا لائے اس ابرو کی بھلا تاب دم تیغ ہو جائے اسے دیکھتے ہی آب دم تیغ
جو تشنہ لب آب شہادت ہو ہمیشہ سفاک اسے کرتی ہے سیراب دم تیغ
تجھ بن کبھی گر بادہ کشی کرتا ہوں میں آہ لگتی ہے ہر اک موج سے تاب دم تیغ
کیوں کر نہ حباب اپنا سراب ہاتھ پہ رکھے بن جائے جو سر گرداب دم تیغ

کویں کر نہ خم تیغ ظفر صورت ل ہو
کردے جو رواں خوں کا وہ سیلاب دم تیغ

پایا نہ جائے کس کے گرفتار کا دماغ پہنچے فلک پہ کیوں نہ پھر اس یار کا دماغ
کیونکر نہ میرے کعبہ دل پہ لگائے لات عرش بریں پہ ہے بت عیا ر کا دماغ
ہوتا ہے بوئے گل سے پریشان اے نسیم نازک تر اس قدر ہے دل راز کا دماغ
بالیں پہ اس کی شور مچاؤ نہ ہمدمو نازک بہت ہے عشق کے بیمار کا دماغ
منصور تو کسی کو نہ لایا خیال میں حق ہے کہ عالی ایسا ہو سردار کا دماغ
مجنوں نے جبکہ دشت جنوں میں رکھا قدم یکسر کچھ اور ہوگیا ہر خار کا دماغ

پایاں تک غرور حسن ہے اس کو کہ اے ظفر
پاتا نہیں ہر ایک طرح عدار کا دماغ

میں اگر اپنے دکھاؤں دل مایوس کے داغ
سب کی نظروں سے گرا دوں پر طاؤس کے داغ

گر تجسس میں پھرا گا یہ شب و روز مرے
پاؤں اک روز میں دونگا ترے جاسوس کے داغ

لب ساغر پہ نشان لب پاں خوردہ جو تھا
شوق بوسہ سے مٹا دوں لگا ہیں وہ چوس کے داغ

تھا بتوں کا جو مرے داغ جدائی دل میں
ہوگیا تازہ وہ پھر سنتے ہی ناقوس کے داغ

نہیں مٹنے کے پس از مرگ بھی ہرگز ظالم
ہیں مرے دل پہ سدا حسرت و افسوس کے داغ

علم فتح و ظفر تیرا عیاں ہے وہ ظفر
دل پہ کیونکر نہ پڑیں قیصر و کاؤس کے داغ

یہ سوز دل سے جو ہے قالب بشر میں چراغ
کیا ہے عشق نے روشن اندھیرے سے گھر میں چراغ

وہ شمع رو جو مزارات کو کبھی جھانکے
تو ہووے روزن در کس طرح نہ در میں چراغ

پھرے ہے پارہ دل دیدہ پہ آب میں یوں
جلا کے چھوڑدے جیسے کوئی بھنور میں چراغ

صفائی دل سے نہو کیونکر نور حق ظاہر
چھپے ہوئے مہر کا کب دامن سحر میں چراغ

جسے ویرات کو میں رات دن جلوہ تجھ سے
ہوا ہے دیدہ غول اس کی رہگور میں چراغ

جلے وہ رات کو میں رات دن جلو تجھ سے
کرے مقابلہ کیا سوزش جگر میں چراغ

تلاش دولت دنیا ہے دیکھ چشم بلا
کہ چشم مار سیہ سے ہے گنج زر میں چراغ

فروغ عقل ہو گیا نور عشق کے آگے
سدا حقیر ہے خورشید کی نظر میں چراغ

جو آئے رات کو مہماں وہ ناز بزم فروز
تو کیوں نہ گھی کے جلیں خانہ ظفر میں چراغ

دکھلائے اگر موج سرشک آب دم تیغ
ہو جائے لب تشنہ کو سیراب دم تیغ

جب جنبش ابرو سے تری قتل ہو عالم
پھر شرم سے ہو جائے نہ کیوں آب دم تیغ

اے طفل سرشر تو ہی بہادر ہے کہ سب میں
دکھلاتا ہے وہ تیر نگہ تاب دم تیغ

جلا دو کھا اپنی تو شمشیر تو مجھ کو
کشتہ ہوں میں ابرو کی جو ہے آب دم تیغ

در کار نہیں تشنہ کہ ہے آب شہادت
لے کر نہ نکل موج گہر داب تیغ

دم کیونکر ظفر اس کا نہ ہر دم میں بھروں اب
ہے گرد رواں خوں کا وہ سیلاب دم تیغ

ہوتا ہے روشن بھلا دل کی طرح کب چراغ
غیرت خورشید ہے یہ گھر شب چراغ

تجھ سا کوئی مہ جبیں پائے نہ ہرگز کہیں
ڈھونڈھیے لیکر اگر دیدہ کو کب چراغ

خانہ دل میں رہے روشنی داغ عشق
بجھنے نہ پائے مرا یہ کبھی یا رب چراغ

کرسکے اظہار ہم اس سے نہ سوز جگر
ہوگئے گل عقل کے یہ سر مطلب چراغ

دل تو ہے پر آرزو کیونکہ بجھے گی ہوس
ہے ابھی روغن ہے یہ خوب لبالب چراغ

داغ ترے عشق میں کھاتے ہیں ہر روز داغ
جلتے ہیں گھی کے ترے گھر میں جو ہر شب چراغ

کیوں نہ بجھے سوز دل دیکھ کے اس زلف کو
کالے کے آگے ظفر جلتا ہے ہاں کب چراغ

ردیف وفا

مجھ میں اور گل میں باہم گفتگو تھی صاف صاف
بات کی لغزش نہ تھی واللہ جو تھی صاف صف

شکوہ کیا اس بے وفا کی بد زبانی کا کروں
رات کو جو بات تھی بے پردہ سو تھی صاف صاف

یار کے نزدیک میں بیٹھدر ہوں یاں تک کر شب
گالی ہی ہر دم زباں پر رو برو بھی صاف صاف

نکہت گل لے گئی دل کو ہمارے باغ میں
تیری ہی سی اے سراپا ناز بو بھی صاف صاف

رو برو اس مہروش کے اڑ گیا سب رنگ و
دیکھنے میں چاند کی صورت بھی گو تھی صاف صاف

خندہ گل نے رلایا مثل شبنم صبحدم
ہنسنے کی تیری ہی سی اس میں بھی جو تھی صاف صاف

شمع کی مانند جو آنسو بہاتے ہو ظفر
ساق سیمیں کس کی دیکھی رات کو بھی صاف صاف

پھرے نہ کیونکہ سراپا لے حباب بکف
موج زن دریائے خوں بہنے لگا یکسر بکف

نہیں ہیں اشک کے قطرے یہ صاف اے مردم
شکل نرگس کیوں نہ رکھوں روز شب ساغر بکف

ہمیں وہ گردش چشم اس کی یاد آتی ہے
دست مژگاں لے لیا ہے یہ گل احمر بکف

ہے تیرے حسن کا دریوزہ گر بہت بے مہر
مثل گل ہوتا ہمارے بھی اگر کچھ زر بکف

نہ کچھ لے کے مرے دل کو ہاتھ میں برباد
دام الفت سے نہ لے اب تو میرے شہپر بکف

ہمیں خیال یہی ہے سدا سے اے یارو
جو ہری بازار میں آوے نہ پھر گوہر بکف

اے ظفر تیرے سخن کی دیکھ کر تیزی کا دم
ذکر کیا رستم جو رکھے روبرو جدھربکف

جو کبھی آپ کا دل یار ڈلا اور طرف
ہم نکل جاویں گے بس سر کو کٹا اور طرف

مطلع ثانی

جان من جب سے ترا دھیان بٹا اور طرف
دل مرا پھٹ گیا اور جی بھی ہٹا اور طرف

مت گھٹا دل کو مرے لب سے لگا ساغر مے
کر چلی یاں سے برس کر یہ گھٹا اور طرف

شکل زنجیر کھلی رہ گئیں آنکھیں جس دم
تم گئے آب دم تیغ چڑھا اور طرف

لو میں پروانہ کی دلسوزی سے بن جو گن شمع
شب کو جلتی ہے کھڑکی کھولے جٹا اور طرف

شعلہ آہ میرا لیوے جو پلٹے نہ فلک
برق چمکائے نہ روکش ہو پٹا اور طرف

کیوں نہ روؤں میں تیری جان کو اے قاصد اشک
حیف مکتوب مرا جا کے پھٹا اور طرف

ہائے تقدیر کے لکھے نے دکھائے یہ دن
ایک دن تھا جو ادھر سو بھی بٹا اور طرف

لکھ اسی قافیہ میں اور غزل ایسی ظفر
فکر کو اپنی ادھر سے نہ ہٹا اور طرف

کل تلک دیکھے ہی جاؤ گے سدا اور طرف
کبھی دیکھا تو کرو ایک ذرا اور طرف

بیٹھتے ہو کر جو تم رات کو جا اور طرف
دل لگایا ہے کہیں آپ نے کیا اور طرف

بوسہ جب مانگا تو بولے وہ بھی جھنجھلا کے
جاؤ جی جاؤ چلو کھاؤ ہوا اور طرف

جانب ابروئے دلدار سدا رہ اے دل
چھوڑ کر قبلہ نہ پھر قبلہ نما اور طرف

زخم دل دیکھ مرا تجھ پہ پھبے گا جراغ
ٹانکے مت سوزن مژگاں سے لگا اور طرف

ق

دل گرفتہ جو گیا بزم میں اس کی شب کو
جی میں جب آ گیا مت اٹھ کے چلا اور طرف

مسکرا ہ-انجم میں لے ہاتھ لگے یوں کہنے
مر ہی جاؤں گا جو تو یاں سے گیا اور طرف

ناگنی زلف بتاں کی یہ عجب کافر ہے
کاٹ کے بیٹھی ہے یاں ہو کے روتا اور طرف

سر چڑھانا نہ دلا اس کو برب کعبہ
ناگنی سر کی ہے وہ اپنی بلا اور طرف

لکھ ظفر تیسری تبدیل قوافی میں غزل
تو سن فکر کی مت باگ اٹھا اور طرف

یاں سے ناچار نکل جائیں گے ہم اور طرف
دیکھ کر آپ کے الطاف و کرم اور طرف

مطلع ثانی

یوں نہ کہتا کہ چلے کس کی بہم اور طرف
تم ہوئے اور طرف ہو گئے ہم اور طرف

گردش چرخ کے ہاتھوں سے بھی ہیہات چلے
ہم بھی پیوست ہو بادیدہ نم اور طرف

ان دونوں وہ جو نہیں گرم صحبت ہم سے
دل لگایا بخدا تو نے صنم اور طرف

دھائی جوڑے سے لگا تو جو لگے آ میرے
کھا کے سب مر گئے اغیار بھی سم اور بھی

بے قراری نہ کوئی پوچھو عزیزو میری
شب سے اٹکا ہوا ہے سینے میں دم اور طرف

رات کو گھر میں مرے آپ کے آنے سے لوگ
جا کے کرتے ہیں بیاں وصل کا غم اور طرف

رو کے کہتے ہیں کہ کس آنکھ سے دیکھیں ملتے
یہ غضب عشق یہاں جو رو ستم اور طرف

ہائے تقدیر کے لکھے نے دکھائے یہ دن
ایک دن تھا جو ادھر سو بھی بنا اور طرف

صفحہ دل پہ لکھو لے کے قلم اور طرف

دل اگر لاکھ رکھے اب تک و دو اور طرف
پر بھی جوں شمع لگے چاہیے لو اور طرف

ناصحا منع کیے سے کوئی پھرتا ہوں میں
دل ہے گو ایکطرف گرچہ ہیں سو اور طرف

شعلہ رو کو مری دلسوزی پہ آیا نہ خیال
دل گدازا اپنا ان کی لگی لو اور طرف

رشک سے ناخن پا کے ترے اے غیرت مہر
شب کو مغرب سے گیا ہے مہ نو اور طرف

بن گیے آہ یہ آب دم تیغ اے قاتل
کوئی بجھتی ہے میری پیاس سے چھو اور طرف

اس طرف کا جو تمہارے نہیں ہے دل میں خیال
دل بٹا رہتا ہے بس آپ کا تو اور طرف

کیونکر اس ترک پسر سے کروں بوسے کا سوال
مجکو کہتا ہے دہن سیکہ برو اور طرف

نازو انداز و ادا عشوہ اشارت چشمک
غمزہ الطاف و کرم ہیں سبھی تو اور طرف

اپنے لشکر سے بچے کیونکر بھلا کشور دل
جاتی کب عشق کے دریا کی ہے رو اور طرف

دکھلا نہ رخ پہ صید فگن تو کمند زلف
باد سحر ہوں میں تو گرفتار بند زلف

جو شانہ اس کو اے صد چاک تو نہ چھیڑ
ماریہ سے کم نہیں ہرگز گزند زلف

خال سیاہ اس رخ گلنار پر نہیں
آتش سے رہ گیا ہے یہ جل کے سپند زلف

آشفتہ مجھ سے کس لیے ہوتا ہے میری جان
خاص یہ میرا دل ہے اگر ہو پسند زلف

ہر صبحدم ہے باؤ کے گھوڑے پہ پہ سوار
غیر از نسیم کون ہے دیکھو اب سمند زلف

کیونکر نہ اس کو دام گرہ گیر اب کہیں
خالی نہیں گرہ سے دلا بند بند زلف

عاشق کے ملک دل پہ چڑھی ہے ظفروہاں
لے کر سپاہ حسن و نشان بلند زلف

شانے کی ہر زباں سے سنے کوئی لاف زلف
چہرے ہے مہ یہ رات کو یہ موشگاف زلف

جس طرح سے کو کعبہ پہ ہے پوشش سیاہ
اس طرح اس صنم کے ہے رخ پر غلاف زلف

برہم ہے اس قدرجو مرے دل سے زلف یار
شامت زدہ نے کیا کیا ایسا خلاف زلف

مطلب نہ کفر ودیں سے نہ دیر و حرم سے کام
کرتا ہیدل طواف غذرا رو طواف زلف

ناف غزال چیں ہے کہ ہے نافہ تتار
کیونکر کہوں کہ ہے گرہ زلف ناف زلف

آنکھوں میں آج دن و گریباں ہے روز شب
اے مہروش زری کا نہیں سوے باف زلف

کہتا ہے کوئی جیم کوئی لام زلف کو
کہتا ہوں میں ظفر کو مسطح ہے کاف زلف

وصل کی ہونے نہیں دیتے جو تدبیر حریف
ان کی تقصیر نہیں ہے مری تقدیر حریف

دل پہ یوں وار کیا تیغ نگہ کا اس نے
جس طرح کھینچ کے مارے کوئی شمشیر حریف

بسمل ابرو مژگاں ہوں کسی قاتل کا
نہ مری تیغ ہے دشمن نہ مرا تیر حریف

دشت وحشت کو ارادہ ہے کہ آباد کرو
کھول دے کاش مرے پاؤں کی زنجیر حریف

نامہ یار کو قاصد سے اڑائیں گے غیر
دیکھو لے بھاگے ہیں کیا نسخہ اکسیر حریف

دوستی میں تیری دشمن ہوئی یہ خلق مری
ہدف تیر بنائیں میری تصویر حریف

چھٹن نا د محبت نہ پھرے زلف سے ہم
ہم کو پرواہ نہیں گر کرتے ہیں تکفیر حریف

شمع ساں رکھتے ہیں ہر چند زباں اپنی دراز
اے ظفر دیکھیں تو کیا کرتے ہیں تقریر حریف

ہے جو پیشانی عشاق بد احوال پہ حرف — فال میں بھی وہی نکلے ہے سر فال پہ حرف
خط کے لکھنے کی تو فرصت نہیں پر جلدی میں — لکھ دوں دو چار کبوتر کے پر و بال پہ حرف
آنکھ کا سرمہ جو رومال سے پونچھا اس نے — بن گیا سرمہ سے اک صاد کا رومال پہ حرف
گر نہ ہووے گا غلط نسخہ سودا میرا — آئے گا اس بت نو خط کے خط و خال پہ حرف
کیا خبر ہے کہ بنا کھند کروں کب سے — نہیں تاریخ کے اس کاخ کہن سال پہ حرف
ہائے کیا بے ادبی ہے کہ ترے نام سے ہے — کندہ عاشق کے نگین دل پامال پہ حرف

ابر رحمت کو بھی سایہ نے کیا جن کے سیاہ
اے ظفر ہیں وہ مرے نامہ اعمال پہ حرف

ذبح کرتا کہ ہو اک دم ہی کی قاتل تکلیف — کر تڑپنے میں اٹھائے گا یہ بسمل تکلیف
ہائے وہ چاند سی صورت مجھے یاد آتی ہے — تیرے دیکھے سے مجھے ہے مہ کامل تکلیف
یہ ہمیں ہیں جو ترے رنج و الم سہتے ہیں — جھیلی ورنہ بڑی سخت ہے مشکل تکلیف
عیش کی بات تو کی جائے رقم کچھ اس کو — غم ہجراں کی نہیں لکھنے کے قابل تکلیف

اے ظفر پوچھ نہ تو مجھ سے کروں کیا خیال
عشق میں جو کہ اٹھاتا ہے مرا دل تکلیف

ملیں گے اس سے گر ہم بے تکلف — گلے ہوویں گے باہم بے تکلف
کہیں گے منہ سے جو ہم بے تکلف — لکھیں گے خط میں پیہم بے تکلف
برنگ زلف ہم سودا ازدوں پہ — نہ ہو جے ایسے برہم بے تکلف
دل اپنا دے جو اس جان جہاں کو — وہ ہو رسوائے عالم بے تکلف
مرے زخموں میں بھر دو چارہ سازو — نمک تم جائے مرہم بے تکلف
ہمارا خانہ دل ہے مصفا — رہے اس میں سدا ہم بے تکلف
تکلف سے صفا ہانی میں ہے غم — ترے ابرو میں ہے خم بے تکلف
تکلف آشنا ہیں آشنا سب — مگر ہے نالہ ہمدم بے تکلف
اگر اک دم بھی وہ مجھ سے جدا ہو — نکل آئے مرا دم بے تکلف
کیا محفل میں اس کی تو نے رسوا — مجھے اے چشم پرنم بے تکلف

ظفر تم جام مے ہاتھوں سے اپنے
پلاؤ اس کو جم جم بے تکلف

یوں تو نامے کا مرے اک ایک وہ پڑھ جائے حرف
پر وہی رہ جائی جو مطلب کا ہووے وائے حرف

شمع ساں یہ شعلہ جاں ہو گرچہ سرتا پا زباں
تاب کیا سوز محبت کا زباں پر لائی حرف

خط اگر ہوتے رقم جتے بہت دفتر سیاہ
ہم نے شوق وصل میں وصلی پہ کچھ لکھوائے حرف

تل بے گرمی جل گئے کتنے قلم ہم ایک بھی
اپنی شرح سوزش دل کا نہ لکھنے پائی حرف

تھا ہمیں منظور دکھلانا شکست دل کا حال
لکھ کے جو خط شکستہ میں اسے دکھلائی حرف

رکھتی ہر راز نہانی میں ہے وسعت گفتگو
تیری تنگی وہاں میں تنگ ہے پر جائی حرف

روبرو تیرے لب تو خط کے اب یا قوت لب
کیا تعجب گر نگینی لعل پر بھی آئی حرف

آب تو گریہ سے گزرے پہ نوشتہ کا مرے
لوح پیشانی سے کیا ممکن کوئی مٹ جائی حرف

چشم اس کی صاد ابرو نون ہے دیکھ اے ظفر
کاتب قدرت نے لکھا حرف کیا بالائے حرف

عرق اس زلف میں یا موج پہ ہیں آب کے کف
ور یا منہ میں یہ افعی کے ہیں زہراب کے کف

دیکھے زاہد ترے ابرو کو اگر وقت نماز
لائے کیا کیا نہ وہ پیچھے خم محراب کے کف

کیا بلا زہر محبت کی ہے ظالم تاثیر
منہ سے نکلے رواں عاشق بیتاب کے کف

دیکھنا کا ترے ماہ سے ہو نور دو چند
کھول دے اپنا جلو تو سامنے مہتاب کے کف

خون دل بحر ہے اور چشم ہے میری گرداب
اشک جو چشم میں ہیں گر ہیں گرداب کے کف

تو بہار اپنی دکھائے تو چمن میں شبنم
تھوک کر پھینکے نہ منہ پر گل شاداب کے کف

تل بے مستی کر ظفر بزم میں جائے پینے
منہ میں بھر آئے ہے مینائے مے ناب کے کف

ردیف قاف

ہر نفس حسرت و ہر دم قلق
ہر گھڑی اڑتے ہیں یہ دل کے ورق

دے ہے یہ استاد محبت مجھے
رنج و الم غم سے سبق بر سبق

ایک ہی بے تابی دل سے مری
ہل گئے سب ارض و سما کے طبق

جلد آ نا کر جان محزوں
تن بے جان میں باقی ہے رمق

آج اس مست پہ طرفہ بہار
زلف آشفتہ جبیں زیر عرق

لب پہ رنگ مسی و سرخی پاں
ہے بہم جلوہ شام شفق

رد حاسد ہے جو منظور ظفر
پڑھو قل اعوذ برب الفلق

ٹپک پڑا نہیں اس زلف کی شکن سے عرق
ٹپکتا زہر ہے یہ سانپ کے دہن سے عرق

پیام کس کا یہ لایا کہ اتنا گرم آیا
رواں جو ہے مرے قاصد کے پیرہن سے عرق

چمن پہ اوس سی پڑ جاوے دیکھ کر اک بار
تمہارے رخ پہ نمایاں ہو اس پھبن سے عرق

نہ سمجھو شبنم اسے دامن اپنا چھوڑ دیا
صبا نے پونچھ کے پیشانی چمن سے عرق

مریض عشق کو بتا رہی ہے شربت سیب
اگر نمود ہ تیرے لب و ذقن سے عرق

عرق عرق ہے خجالت سے دیکھ کر کس کو
ٹپک رہا ہے جو یوں شمع انجمن سے عرق

ظفر سناؤں جو یاروں کو میں بھی گرم غزل
تو آئی جائے انھیں گری سخن سے عرق

یوں تو مدت سے ہے الطاف و عنایات میں فرق
لیکن ایسا نہو آجائے ملاقات میں فرق

پہنچے کیا حسن کو اس مہر لقا کے لیلی
فرق دونوں میں ہے یوں جیسے ہو ذرات میں فرق

دونوں میں جائے تماشا جو تماشا دیکھو
کچھ نہیں خانقہ و کنج خرابات میں فرق

دل و جاں اس میں اگر جائے بلا سے جائے
غم جاناں کے نہ کچھ آئے مدارت میں فرق

رابطہ دو دل میں ہو پیوستہ جہاں مثل دولاب
ہے عجب بات کہ آئے وہاں اک بات میں فرق

تیری شوخی کے ہیں انداز سمجھنے مشکل
چشم و ابرو ہے وہی پر ہے اشارات میں فرق

اے ظفر چاہئے درویش کو ضبط اوقات
ذکر اور شغل کا اس جگہ ہو اوقات میں فرق

نہ رنگ پان مسی کردو چار شام شفق
جہاں سے جائے گا اٹھ افتخار شام شفق

نشے میں چشم سیہ دیکھ کر تہ ابرو
ہوا نہ جانب قبلہ گزار شام شفق

قریب زلف و رخ یار کب ہے گوہر گوش
کوئی ہے اختر تاباں کنار شام شفق

شراب سرخ جو ہو جام لاجوردی میں
رہے نظر میں نہ اپنی وقار شام شفق

نہیں ہے سرخ وہ سوباف جعد مشکیں پر
بغور دیکھ ظفر ہے بہار شام شفق

مکتب عشق میں دل کیوں کہ نہ لے روز سبق
سورہ نور کے رخسار ترے ہیں دو ورق

غنچے بے وجہ نہیں بیگر یباں یہ صبا
فکر میں اس دہن تنگ کی ہے مستغرق

کون اس سر حقیقت سے ہو آگاہ ولے
دار پہ کھینچا ہے منصور کو کیوں کہنے سے حق

نہ پاں لعل مسی زیب یہ ہے تیری کہاں
مہوش دیکھ سر شام یہ پھولی ہے شفق

قطرہ فشاں ہو سحر جوں گل تر سے شبنم
یوں ترے عارض گلگوں سے ٹپکتا ہے عرق

گرمی جوش نہ کرو غیروں سے تم بہر خدا
ہم بھی الطاف و کرم کے ہیں تمہارے ذی حق

سورہ صاد ہے چشم اس کی کہ جس پہ یہ ظفر
خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق

ہوا ہے کون گرفتار زلف آب میں غرق
ہوا ہے جس سے کہ گرداب پیچتاب میں غرق

حنا سے سرخ نہیں دست و پا ترے قاتل
ہوئے ہیں یہ کسی عاشق کے خون ناب میں غرق

دو چند کیونکہ نہ کیفیت اس میں ہو ساقی
کہ عکس لب ہے ترا ساغر شراب میں غرق

کسی کے سامنے کرتا نہیں ہے آہ آنکھیں
میں دیکھتا ہوں اسے رات دن شراب میں غرق

قصاص خون جگر کیوں نہ لے وہ کہتا ہے
ہوا ہے گوشہ داماں مرا شہاب میں غرق

گیا نہیں مرا سینہ ہی بیدرنگ تڑق
نگہ وہ ہے تری کافر کہ جائے سنگ تڑق

اگر ترے خط عارض کی دیکھ لے سبزی
تو جائے رشک سے کیونکر نہ جام بنگ تڑق

نہ کیوں وہ دھوپ میں چہرے کا رنگ ہو تبدیل
کہ جائے دو رخ تصویر کا بھی رنگ تڑق

کرے مقابلہ گر ترک چشم سے اس کی
تو جائے زہرہ رستم بھی وقت جنگ تڑق

ظفر وہ نالہ آتش فشاں ہے یہ اپنا
کہ جائے سن کے جسے سینہ تفنگ تڑق

روز گھر غیر کے رہنا تجھے مہمان طریق
یہ بھی کوئی ہے بھلا اے بت نادان طریق

شانہ ساں سلسلہ زلف میں بیعت ہے سے
زاہد اس دل صد چاک کا پیچان طریق

وصل کب اس سے مرا ہوگا یہ بتلا رمال
کیا کروں دیکھ کے میں عقلہ لحیان طریق

شیخ ہے سبحہ بکف میرے گلے میں زنار
اپنا اپنا اب اے گبرو مسلمان طریق

اہل دنیا میں وہی جو کہ بدلتے ہیں یہاں
طمع زر کے لیے مذہب و ایمان طریق

اے ظفر اس سے محبت کی توقع مت رکھ
آدمیت کا جو رکھتا نہیں انسان طریق

میری آہ آتشیں رکھتی ہے اب تاثیر برق
بلکہ دی اس نے گھٹا سب عزت و توقیر برق

دیکھ کر شرارت حسن کی خورشید رو
زرد و خجلت سے ہے رنگ چہرہ تغییر برق

ساقیا دے ہاتھ میں مسوں کے ساغر سے پہر
دم بدم ابر بہاری کھینچے ہے شمشیر برق

دھجیاں دم میں اڑا دیں برق کی ہے یہ یقیں
خار وادی کا ہمارے گر ہو دامن گیر برق

گرم رو کو عشق کی دل کی طپش دے ہے اڑا
ابر کو کب روک سکتی ہے بھلا زنجیر برق

شوخی چشمک سے تیرے دیجے گر تشبیہ کچھ
صفحہ قرطاس پر ٹھہرے نہ یہ تصویر برق

مطلع خورشید ملع اس غزل کا ہے ظفر
چمکے اس کے روبرو کیا روئے پر تنویر برق

چند دن کی زندگی کس کو کریں باہم رفیق
دل ہی مونس ہے ہمارا اور یہ اپنا دم رفیق

عیش و عشرت کی رفاقت پہ دلا ہرگز نہ بھول
یہ رفاقت ہے دو روزہ ہاں مگر ہے ہم رفیق

نام میرے قتل کا منہ پہ نہ قاتل لائیو
سر کو دینے کو ہے میرے ساتھ اک عالم رفیق

میرے دامن سے لگے رہویں نہ کیونکر خاردشت
جوش وحشت میں بھی تو ہیں میرے اب ہمدم رفیق

غیر کو جب دوست اپنا جانتا ہے وہ ظفر
اس کے کاہے کو لگے ہونے بھلا ہمدم رفیق

پارہ ساغر و شیشہ نہیں ابرک کے ورق
ساقیا کیونکہ کہوں شیشے کو عینک کے ورق

چار چشم ایسا بھی کم نہ ہوگا اتارے صدقے
میری تصویر کا لے ساتھ وہ چومک کے ورق

یوں ہیں لخت دل سیپارہ مرے اشک کے ساتھ
جیسے قرآن سے ہو ہاتھ میں کورک کے ورق

انجواں کو مرے اس طرح تراشا اس نے
جیسے باریک اتارے کوئی زردک کے ورق

غیر مانع جو ہوا پڑھنے کو میرا قصہ
تم نے گردان دیا ساتھ ہی چٹکی کے ورق

ٹکڑے نکلے دل صدر خستہ کے کب آہ کے ساتھ
کھنڈ گئے باد سے قندیل مشبک کے ورق

تیرہ بختی کا ظفر حال میں کیا لکھواؤں
کیوں سیہ اتنا کروں عشق میں بلبک کے ورق

نہ گیسوے غرق افشاں میں اور سحاب میں فرق
نہ تاب رخ میں ترے اور نہ آفتاب میں فرق

نہ فرق یکسر مو مشک دبوے کاکل میں
نہ کچھ پسینے میں عارق کے ور گلاب میں فرق

نہ کچھ شراب و نکہ میں تیرے کی بیشی
نہ تیری چشم میں اور ساغر شراب میں فرق

نہ قامت اور قیامت میں کچھ تفاوت ہے
نہ فتنہ و نگہ چشم میں اور ساغر شراب میں فرق

نہ فرق تیرے بنا گوش صبح میں ہرگز
نہ کچھ جبیں میں تری ور ماہتاب میں فرق

نہ برق ور نگاہ غضب میں تیری دوئی
نہ کچھ ہے شعلے میں اور حسن بے حجاب میں فرق

ظفر یہ وصف میں اس کے غزل لکھی تون
اب اپنے وصف میں لکھ تا نہ ہو جواب میں فرق

نہ خون دل میں مرے اور نشے شراب میں فرق
نہ میرے سینہ بریاں میں اور کباب میں فرق

نہ مرے اشک میں ورت ارچنگ میں دوری
نہ میرے نالے میں اور نالہ رباب میں فرق

نہ لعل و پارہ دل میں مرے تفاوت کچھ
نہ آنسوؤں میں مرے اور درخوشاب میں فرق

نہ داغ سینہ میں نہ آفتاب میں ہے دوئی
نہ دود دل میں مرے ور کچھ سحاب میں فرق

نہ رنگ زرد میں اور شعلہ چراغ میں دود
نہ درد شمع میں اور دل کے پیچ تاب میں فرق

نہ ہے جدائی مرے اشک و جوش دریا میں
نہ مرے کاسہ سر میں ہے اور حباب میں فرق

نہ سوز سینہ میں ور برق میں فرق ظفر
نہ کچھ ہے پارہ میں ور دل کے اضطراب میں فرق

نہ کیجئے ہم سے بہت گفتگو تڑاق پڑاق
وگرنہ ہووے گی پھر دو بدو تڑاق پڑاق

چٹک کے بول نہ اٹھا چمن میں غنچہ و گل
سنے کلام جو تیرے کبھو تڑاق پڑاق

الٰہی محتسب سنگ دل کے ٹوٹیں ہاتھ
کہ توڑتا ہے یہ جام و سبو تڑاق پڑاق

وہ دینے پائے نہ گالی کہ لے لئے ہم نے
ہزار بوسہ روئے نکو تڑاق پڑاق

جو کچھ وہ پوچھے تو رک جائیو نہ اے قاصد
تجھے خدا کی قسم کہیو تو تڑاق پڑاق

ذرا بھی سینہ صد چاک میں جو تڑپا دل
تو ٹوٹ جائیں گے تار رفو تڑاق پڑاق

جو ایک بات ہوں تو جواب میں اس کے
سنائے تو مجھے وہ تند خو تڑاق پڑاق

سزا ہے دل کی اگر اس کو باندھ کر زلفیں
لگائے کوڑے تیرے روبرو تڑاق پڑاق

ظفر مزاج جو شوخی پسند ہے اپنا
تو چاہتا ہے کوئی خوب رو تڑاق پڑاق

ردیف کاف

سوزغم ہیں تازہ مرے زیب بدن خشک
ہے طرفہ گل تر سے بہار چمن خشک

کیا کیا گل شبنم زدہ ہو غرق خجالت
تر ہو جو پسینے میں تیرا پیرہن خشک

نکلے رگ مجنوں سے دم فصد لہو کیا
کانٹا سا بنا اس کا تو وحشت میں تن خشک

غربت میں اگر آپ بنا بھی ہو تو اس سے
بہتر مرے نزدیک ہے خاک وطن خشک

محشر میں بھی آویں تو وہ ڈوبے ہوئے آویں
زیبا ہو شہیدوں کو نہ تیرے کفن خشک

پیاسا ہے تیرا تیر بتا کس کے لہو کا
دکھلا دے ہے سوفار صریحاً دہن خشک

سوزاں ہے تری آہ ظفر آتش دل سے
یوں جیسے جلے آگ میں کوئی رسن خشک

سوز دل سے کیا گلوئے عاشق مضطر ہے خشک
دیکھ کر ہوتا جسے قاتل دم خنجر ہے خشک

جسم مجنوں گرمی سودا سے کیا یکسر ہے خشک
بلکہ مغز استخواں بھی ہوگیا جل کر ہے خشک

جوش باراں ہے تو کیا ساقی نہیں ہے بادہ لطف
خشک ہے جیتا دھرا الٹا پڑا ساغر ہے خشک

اس طرح اہل صفا دنیا میں ہیں دنیا سے پاک
جس طرح رہتا ہمیشہ ب میں گوہر ہے خشک

اشک خوں مژگاں پہ میری دیکھیو اے مردماں
کس طرح سیراب ہے گل شاخ گل کیونکر ہے خشک

تل بے گرمی تیری اے سوز محبت بعد مرگ
عین بارش میں بھی اپنی گور کا پتھر ہے خشک

کاسہ گردوں میں اے تشنہ لب پانی کہاں
لگ رہی اس میں تو کچھ تھوڑی سی خاکستر ہے خشک

جب سے دکھلائی ہے تو نے تابش خورشید حسن
چشمہ آئینہ میں آب اے پری پیدار ہے خشک

اے ظفر کٹتی ہیں راتیں مجھ کو روتے ہجر میں
کون سی شب جوش گریہ سے مرا بستر ہے خشک

بلا سے جوں گل کاغذ جگر کتر کر پھینک
ہمارا نامہ نہ لیکن کتر کتر کر پھینک

چمن میں یہ جو گل و برگ تر پریشاں ہیں
دیے ہیں یا کسی بلبل کے پر کتر کر پھینک

جو دیکھے رفو زنار کو فلک تیرے
خطوط مہر کی دے تار زر کتر کر پھینک

تصور خط سے سرزد ہوا تھا کیا گل گیر
کہ تو نے اس کے دیئے موئے سر کتر کر پھینک

زباں چلتی ہے قینچی سی اس ستم گر کی
کہیں نہ دے ورق دل ظفر کتر کر پھینک

کہاں ہے رخ پہ بالے کے گر نزدیک نزدیک
ستارے ہیں یہ نزدیک قمر نزدیک نزدیک

مرا سینہ ہے باغ عشق جس میں نالہ و آہ
لگائے ہر روش پر ہیں شجر نزدیک نزدیک

خیال ناخن پازیب سرو قامت یار
پڑے دس پانچ ہیں گلبرگ تر نزدیک نزدیک

مرے خط سے کھلے گی اس پہ میری خواہش وصل
لکھیں سطریں ہیں میں نے اسقدر نزدیک نزدیک

برنگ خانہ زنبو رہیں اے ناوک انداز
ترے تیروں کے میرے دل میں گھر نزدیک نزدیک

نہ پہنچا بو الہوس کا واں تلک دست کوتاہ
جو نخل عشق کے پھلے کچھ ثمر نزدیک نزدیک

دکھا کے دور سے وہ جنبش مژگاں کو یک بار
چبھوئے دل میں سو سو نیشتر نزدیک نزدیک

مثال دانہ تسبیح زیب سینہ عشق
ترے کشتوں کے اے قاتل میں سر نزدیک نزدیک

کہاں قرب اس کو حاصل ہو جو کھینچے آپ کو دور
کہ سچ ہے دور ہے اے ظفر نزدیک نزدیک

کیوں نہ ہو آنکھوں میں اپنی عزو جاہ مردمک
خال رخ سا ہے تری رنگ سیاہ مردمک

چشم قاتل سے دلا ہوا مقابل دیکھ کر
یک قلم ہے دیں صف مژگاں سیاہ مردمک

نیلوفر دریا میں ڈوبا رشک کھا کر مردماں
دیکھ چشم تر میں مرے جلوہ گاہ مردمک

پل میں بن جائے فرنگ زاد یہ طفل سرشک
سر پہ ٹک رکھ لے اگر اپنے کلاہ مردمک

چشم کا سطحہ ہمارے کچھ نہیں محضر سے کم
جلوہ گر ہے جس پہ یہ مہر گواہ مردمک

داغ بردل رشک سے کیونکر نہ ہووے دیکھ کر
چشم پر خوں میں مری رنگ سیاہ مردمک

ساتھ رکھتا ہے سپاہی تیغ کے یعنی سپر
ہے نگاہ چشم کو لازم پناہ مردمک

ہے گل احمر سے یہ بھنورا کوئی لپٹا ہوا
چشم پر خوں میں تجھے ہے اشتباہ مردمک

لکھ بدل کر قافیہ ایسی غزل تو اے ظفر
جس پہ بسم اللہ ہو مد نگاہ مردمک

مار کر ہم نے کیا اس دل بیتاب کو خاک
نہ کیا ایک مہوس نے بھی سیماب کو خاک

اشک تھمنے کے نہیں گرچہ ہے آنکھوں میں غبار
روک سکتی ہے کوئی بہتے ہوئے آب کو خاک

خاک کو مسند کمخواب سمجھتے ہیں فقیر
اور وہ جانتے ہیں مسند کمخواب کو خاک

صاف دنیا سے ہیں دنیا پہ کوئی روشن دل
خاک پر لگتی نہیں چادر مہتاب کو خاک

سطح خاکی پہ بہت زور دکھائے لیکن
عاقبت کھا ہی گئی رستم و سہراب کو خاک

خاک ہوتا ہوں میں اس پر کہ جھٹک دے وو ہیں
گر لگے جاکے مرے دامن احباب کو خاک

تاب داماں سے ظفر اس کے گرے گر بجلی
کرے اک دم میں جلا کردو خوش آب کو خاک

نہ لکڑے خاک پہ دلہائے پاش پاش کے پھینک
جو پھینکے بھی تو سرراہ اپنی کاش کے پھینک

ہلال عید فلک پر ہو منفعل کیا کیا
زمیں پہ ناخن پا تو جو دے تراش کے پھینک

ڈسا ہے زلف کی ناگن نے دل کو افسوں کو
کوئی بجھے ہے یہ دانے نہ پڑھ کے ماش کے پھینک

مہوس آپ تو ہو خاک ڈھونڈ مت اکسیر
جو ہاتھ میں بھی وہ بعد سو تلاش کے پھینک

بھیکات بار گاہ عشق میں ہیں یہ دونوں
نہ کیوں ہو نالہ کے ساتھ آہ دلخراش کے پھینک

وطن میں کیونکہ رکھے چین سے بشر کو فلک
کہیں سے دے ہے کہیں واسطے معاش کے پھینک

سوائے لخت دل داغدار دیکھ ظفر
ورق نہ گنجفہ عشق میں قماش کے پھینک

نہیں ہے گیند کہ تو جس کو دے اچھال کے پھینک
یہ دل ہے ٹوٹ نہ جائے ذرا سنبھال کے پھینک

جو ہے نصیب میں رماں وہ ہی ہوگی شکل
ہمارے واسطے قرعے کو تو سنبھال کے پھینک

کرے جو مجھ سے وہ شوخی سے قصد ہم چشمی
تو دوں نکال کے دیدے ابھی غزل کے پھینک

ذکر بجز دل عاشق ہدف کسی کا جگر
خدنگ ناز کو تو اپنے دیکھ بھال کے پھینک

ہوا میں نامہ اڑے مرغ نامہ بر کی طرح
جو لکھ کے ہاتھ سے دوں شوق میں وصال کے پھینک

بہت میرے نصیبوں میں ہو تو مجھ کو دست
گلی میں یار کی دیں بعد انتقال کے پھینک

یہ کیا ستم پہ ستم ہے خدا سے ڈر صیاد
نہ پر اکھاڑ کے مرغ شکستہ بال کے پھینک

سمجھ نہ طائر دل زیر زلف خال اس کے
دیا ہے تیرے لیے دانہ نیچے جال کے پھینک

ظفر کمال ہے تکلیف کے دل کے ہاتھوں سے
جو میرا بس ہو تو سینے سے نکال کے پھینک

لگی ہے اس ترے وحشی کے یہ بدن سے خاک
لگائے تو دے اگر جھاڑ پیرہن سے خاک

کہاں رہا ہے زر گل خبر تو لے بلبل
اڑا کے لے گئی باد خزاں چمن سے خاک

ہوئے نہ ہم ہیں فقط راہ عشق میں برباد
ہزاروں ہگئے یاں قیس و کوہکن سے خاک

ڈرے جو سوز محبت سے دل میں پروانہ
تو کیا لگائے وہ لو شمع انجمن سے خاک

ہر ایک شخص چو زیر فلک مکدر ہے
جھڑی ہے کیا کہیں اس خیمہ کہن سے خاک

بچا نہ خاک سے دامن کہ ہاں کرے گا کیا
لگے گی زیر زمیں جب ترے کفن سے خاک

ظفر ہے تو بھی وہ آتش زباں کہ ہو جل کر
دل حسود تری گرمی سخن سے خاک

کھلے جو اس بت بے مہر کی جھلک سے پلک
نہ ذرہ بھر کبھی میری لگی پلک سے پلک

کبھی بھی خار پہ ٹھہرا ہے قطرہ شبنم
حسود کیونکہ نہ ہو اشک کی ڈھلک سے پلک

اٹھا کے دست دعا مانگتا دعاہائی یہ
لگی نہیں ترے بسمل کی شب پلک سے پلک

دلا وہ طفل فرنگی کہیں نہ بولے فیر
لڑائیو تو سدا اس کی اس پلک سے پلک

گھٹا کا سن کے گھٹا دل برائے برق یہ بات
لگی ہے رعد کی جس پل مری پلک سے پلک

ترے فراق میں کوٹا میں اس قدر سینہ
لگے فلک پہ ملک کی نہ اس دھمک سے پلک

ظفر ملا سکے کیا کوئی ہم سے انسان آنکھ
بروز جنگ نہ جھپکائیں ہم فلک سے پلک

قطرہ خوں مت سمجھنا یہ بداغ مردمک
پر ہے گلگوں سے ہے اپنا ایاغ مردمک

چشم کے دریا میں ہر دم اب تو مانند حباب
جوش گریہ سے ہوا پر ہے دماغ مردمک

عاشق شیدا تصدق کو ترے اے جان من
رکھ قفس میں چشم کے لایا ہے زاغ مردمک

اشک زہر آلودہ میری چشم تر میں روز شب
بن گیا اے مردماں طوطی باغ مردمک

کچھ کنول سے کم نہیں ہے دیدہ پر خوں مرا
جلوہ گر جس ی ہمیشہ ہے چراغ مردمک

خال ہے اس رخ پہ یا اے دیدہ ہائے انتظار
جلوہ گر ہے رات دن عکس سراغ کمر مردمک

فرقت گل رو سے شکل لالہ احمر ظفر
چشم پرخوں نیمری کھایا ہے داغ مردمک

یوں ہوا خاک میں پنہاں تن زار باریک
گم ہوں جو ہاتھ سے گر کر کوئی تار باریک

موئے قلم سے فکر یار کی تصویر نہ کھینچ
اے مصور یہ بہت دیکھ ہے کار باریک

سرخ ڈورے ہیں نقاش ازل نے کھینچا
صفحۂ چشم پہ واں نقش و نگار باریک

دامن یار پہ لائے نہ گرانی یہ نسیم
چھان لے خاک سے تیرے تو غبار باریک

حاجت فصد نہیں دشت میں دیوانوں کو
نوک نشتر ہے ظفر بر سر خاک باریک

ردیف کاف فارسی

ہے وہ سوز عشق سے میرے دل مضطر میں آگ
نے کسی مقتل میں ہے وہ نے کسی مجمر میں آگ

داغ دل میں آگ لخت دل میں چشم تر میں آگ
عشق کی سوزش سے ہے پھیلی ہوئی گھر گھر میں آگ

ہوگیا میں خاک جل کر پروہی ہے سوز دل
اپنے دامن کو بچائے میرے خاکستر میں آگ

خط میں ہے مضمون دل میرا ڈرا جاتا ہے دل
شعلہ زن ہووے کبوتر کے نہ بال و پر میں آگ

واں کف پائے حنائی تک جو پہنچا دست غیر
یاں لگی تلووں سے ایسی جا پہنچی بس سر میں آگ ے سوز ہجراں

یار بن ہوتا ہے مے نوشی سے دل میرا کباب
ے پانی بھر مرے ساغر میں آگ

شعلہ جوالا مت سمجھ کر یہ اے ہمدم
آ گئی ہم دل جلوں کو دیکھ کر چکر میں آگ

یہ لگانا اور بجھانا تجھ پہ ظالم ختم ہے
ہووے تو دم بھر میں پانی بھی تو ہو دم بھر میں آگ

جی جلائیں کیوں نہ میرا یہ بتان سنگدل
دل ظفر ان کا ہے پتھر اور ہے پتھر میں آگ

میرے ان کے ملنے سے گر رشک یاں کھاتے ہیں لوگ
کیا مزا کر سکتے ہیں اپنا ہی سر کھاتے ہیں لوگ

جو کہا تم نے سو سچ میں غیر سے ملتا نہیں
جھوٹی قسمیں کیا یہاں پھر آن کر کھاتے ہیں لوگ

مجھ کو لکھا خط جو ہے اس سبز خط نے ہم نشیں
زہر کیا کیا دیکھئے اس بات پر کھاتے ہیں لوگ

تو بھی در پہ جانے سے اس کے وہ باز آتے نہیں
جھڑکیاں درباں کی اے دل استقدر کھاتے ہیں لوگ

غصہ بھی کھاتے ہیں اور ہم خون دل پیتے ہیں نت
ساتھ کھانا ان کے جب واں بیٹھ کر کھاتے ہیں لوگ

کچھ تو ہے ان کو مزا اس میں بھی ہائے شیریں دہن
گالیاں جو تلخ تیری آن کر کھاتے ہیں لوگ

کیوں نہ اب بد ہو وہ مجھ سے ہے یقین وہ بد گماں
چغلیاں جا جا کے میری اے ظفر کھاتے ہیں لوگ

ردیف لام

بکا جو خون جگر عشق میں شراب کے مول
گزک میں لخت جگر بک گئے کباب کے مول

گلابی رنگے عرق چین اگر وہ غیرت گل
تو بیچیں خون جگر ہم ابھی شہاب کے مول

عرق کا قطرہ ترے رخ سے اے گلستان رو
جو ہاتھ آئے تو لوں شیشہ گلاب کے مول

ہوا کے گھوڑے پہ وہ شہسوار جس ہے آج
کر ماہ نو کو بھی لیتا نہیں رکاب کے مول

جسے وہ جان سے مارے وہ طرہ مشکیں
پھر اس کی خاک بھی بکتی ہے مشکناب کے مول

عجب یہ شہر محبت کا جوہری بازار
بکے ہے اشک کا قطرہ درخوش آب کے مول

ظفر وہ روئے کتابی ہے مصحف عشاق
کسی کتاب کا کیا آگے اس کتاب کے مول

دیکھو چشم شوخ پر چیں سر ابرو کے بل
خوشنما ہیں شاخ میں کیا سر پاس آہو کے بل

سنبل پیچاں آگے کیونکر نہ اس کی خاک سے
مر گیا جو دیکھ کر اس زلف عنبر بو کے بل

روکش موج تبسم ہے موج بوئے گل
چلتے چلتے پیٹ میں پڑتے ہیں اس گلرو کے بال

اشک یوں مژگاں سے آتے ہیں ڈھلک کر چشم سے
پہلے پہلے جس طرح لڑکے چلیں زانو کے بل

دیکھا بل کھاتی جو دود شمع کو محفل میں رات
یاد آئے شعلہ رو مجھ کو ترے گیسو کے بل

واہ وا اے جذبہ شوق محبت واہ وا
رابعہ بصری سی کعبہ کو گئی پہلو کے بل

بل بے گرمی تپ بجلی بھی تھرانے لگے
دیکھے ماتھے پر اگر اس شوخ آتش خو کے بل

جائے ہیں کیا کیا گھسٹتے رہبر وا راہ وفا
سر کے بال پاؤں کے بال سینہ کے بل بازو کے بل

سیدھے کب ہوتے ہیں جن کی ہے طبیعت میں کجی
کس طرح کوئی نکالے موج آب جو کے بل

اے ظفر شانے سے بل نکلے نہ زلف یار کے
بلکہ اورافزوں ہوئے اس کافر خم کے رو کے بل

خط یہ گرا قاصد کس کا کمر سے نکل
تجھ کو جو اس نے کہا دور ہو گھر سے نکل

تیر گیا اس کا یوں زخم جگرور سے نکل
جیسے نظر جائے صاف روزن در سے نکل

کون کہے ہے کہ آہ تو نہ جگر سے نکل
لیک نہ تنہا نکل بلکہ اثر سے نکل

ضبط کیا گریہ پر رک نہ سکا کب کیا کروں
گر ہی پڑا اشک تر دیدہ تر سے نکل

عکس رخ مہ جبیں شب جو فلک پر گیا
بھاگ گیا آفتاب صبح کو گھر سے نکل

پار جگر کے ہوا تیر غم یار کا
یہ وہ بلا تیر ہے جائے پہر سے نکل

نالہ سوزاں سے گو ہم ضبط کریں گے تو کیا
شعلہ دل شمع ساں جائے ہے گھر سے نکل

ان دنداں کا جب آکے تصور بندھا
اشک میری چشم سے آئے ہے گہر سے نکل

پردے میں کیا تاک جھانک کرتا ہے پردہ نشیں
جینے سے مینہ بھڑا اپنے ظفر سے نکل

جو نکلے چشم سیاہ سے اشک آبرو سے نکل !
جو نکلے جسم سیاہ سے جاں آرزو سے نکل

بھرا ہے چشم میں خوں دل سے اس طرح آکر
کہ جیسے جام میں آجائے مے سبو سے نکل

اسیر عشق کے ہے سر کیساتھ قید بلا !
کہ طوق فاختہ کے جائے کب گلو سے نکل

تری ہے چشم مکش وہ قاتل سفاک
دبک کے جائے اجل جسکے روبرو سے

مثال آئینہ یکساں سمجھ تو خوب اور زشت
بلا نہ تھر میں کسی کو نہ کہہ کسو سے نکل !

رفو کرے مرا جیب جگر رفو گر کیا
کہ یہ تو اور بھی جائے ہے سو رفو سے نکل !

اگرچہ دل ہو مرا دو جہان سے آزاد
نہ جائے آئینہ تا قید آبرو سے نکل

بنایا حلقہ جوہر کو اس لئے زنجیر
نہ جائے سلسلہ زلف مشک بو سے نکل

بڑا غرور تھا تقریر کا ظفر جنکو
وہ اک سخن میں گئے تیری گفتگو سے نکل

نہ رکھیں غیر پھر اتنا ترا امداد کاتل !
نکلے تکلے کی طرح سے اگر اک آہ کاتل !

دیکھے گر گیسوئے خوبان پری زاد کاتل !
تو نکل جائے ابھی طرہ شمشاد کاتل !

تل بے نفرت کر رہا چیں بجبیں وہ ہر وقت
نہ کیا ہم سے جبین ستم ایجاد کاتل

سخت دل طول ال سے ہے خم و پیچ میں یوں
نا رکھا جائے ہے جس طرح سے فولاد کاتل

گدگدی کیوں نہ کروں میں کہ خوش آتا ہے مجھے
ہائے کھاتا تکہ شوخ پری زاد کاتل

کیونکہ سیدھا ہو کہ ہے تیر مژہ میں تیری
اے ستم کیش عجب آفت و بیداد کاتل

رشک ہو سنبل پیچاں کو ہوا سے جس دم
دود دل کھائے تیرے عاشق ناشاد کاتل

پھڑک اے مرغ گرفتار اڑا دے ٹکڑے
رشتہ دام بہت رکھتا ہے صیاد کاتل

اے ظفر اپنی ریاضت کا عجب تکمل ہو
نہ تو تل پیر کا کام آوے نہ استاد کاتل !

دل نہ پہلو سے مرے اٹھ کے دل آزار سیمل
اے وفا کیش نہ اس یار جفاکار سے ل

رنج دنداں پہ اے شیخ مسی کے کب ہے
طرفہ قسم یہ گیا ہے در شہوار سے ل

چشم مخمور تری دیکھ کیدل کیوانخ ہو خوش
آج یہ مچھ گیا نرگس بیمار سے ل

مرد ماں دیدہ خونبار کی دولت اپنی
پاٹ دامن کیا گیا تختہ گلزار سے ل

دامن چرخ جلادے نہ کہیں دیکھ اے ابر
شعلہ آہ مرا برق شرربار سے ل

روکشی کرنے کو آیا تھا ولے نیساں بھی !
آبرو پائی مری چشم گہربار سے ل

تیغ ابرو سے کریگا تجھے اک دم میں شکار
اے دل زار نہ تو اس بت خونخوار سے

جس سینہ میں میرے نہ ہو کس طرح بہار
داغ دل اپنا گیا لالہ کہسار سے ل

جس طرح مار سیہ گل سے لپٹ جاتا ہے
زلف یوں تیری گئی ہے گل رخسار سے ل

تیر کے لگتے ہیں اک پل میں گیا ہے دیکھو !
لب زخم جگر اپنا لب سوفار سے ل

اے ظفر آج عجب ابر ہوا ہے تو بھی
مے کشی کرنے کو اس ساقی سرشار سے ل

وہاں کیا پہنچے آئے اے صنم گل
جھڑے یاں نخل دل سے صبحدم گل

دکھایا شعلہ وعارض جو تونے
خجالت سے ہوئی شمع حرم گل

ترا رخ ہے پسینے میں نہیں تر
رہے ہے جیسے شبنم سے بہم گل

مرے دامن میں کب لخت جگر ہیں
یہ لالہ کے ہیں میں چشم نم گل

اگر تو سیر کر گلشن میں جاوے
تو چومے شوق سے تیرے قدم گل

رہے ہے غیر کے بر میں تو گلرو
نہ کیونکر سینہ میں اب کھاویں ہم گل

نہیں تر خون سے مژگاں ہے حیرت
نکالے شاخ نرگس یک قلم گل

مرے دل کے ہیں جیسے داغ رنگیں
کسی نے ایسے دیکھے ہیں کے کم گل

دل بلبل سے نکلے کیوں نہ نالہ
سدا اس پر تو کرتا ہے ستم گل

صبا اس کا بھی بس تو دم بھرے ہے
کچھ ایسا زور دے ہے تجھ کو دم گل

جھکے دل سے نگاہیں وہ ہیں دیکھیں
رہے نرگس کی گردن کیوں نہ خم گل

ظفر خون جگر پیتا ہے سب وہ
نہیں رکھتا جو بلبل کا الم گل

یہ ممکن کیا جو رخ سے ہو بہم گل
تو آئے گل بھی نظروں میں صنم گل

مرے دامن پہ اشک خوں کے تونے
کھلائے خوب میں اے چشم نم گل

نسیم باد سے گلشن میں گل کا
بجھے ہے کب چراغ صبحدم گل

مژدہ سیاشک گرتے یوں ہیں سوجا
عجب جھاڑے ہے نرگ یک قلم گل

چمن میں گل نمط چہرہ ترا دیکھ
تصدق ہوتے ہیں ہر ہر قدم گل

جو روئے اشک خوں سے بیٹھ کر میں
ہوا یک دست یہ فرش ستم گل

ظفر گلزار کیا لکھی غزل ہے
عجب گلشن ہے تو سب میں ستم گل

اے جفا کیش تو اب گھر سے نکل پاؤں کے بل
سونگ چھاتی پہ مری شوق سے دل پاؤں کے بل

مجھ کو سوجھے ہے کہ اک روز میں گر جاؤں گا
تل عشق سے چوں شمع پگھل پاؤں کے بل

سر پہ عاشق کے نہ کر شور قیامت برپا
اس لڑکپن سے بس اب تو نہ مچل پاؤں کے بل

وقت کا تو ہے سلیماں یہ مرا دل ہے مور
دیکھ بس اس کو مری جان نہ مل پاؤں کے بل

اس کی پامالی کرے گی تری اے کبک خرام
رو برو اس کے نہ چال سے چل پاؤں کے بل

وہ فرنگی کا پسر دیکھ مری نوج سرشک
بولا مت دور کیا لیجئے دل پاؤں کے بل

شیشہ و جام لے تو ہاتھ میں اپنے اٹھا
ساقیا نشہ مے ہے نہ اچھل پاؤں کے بال

سر نہیں آج اٹھاتا دل بے تاب مرا
یا یہ چلتا تھا ترے کوچے میں کل پاؤں کے بل

لکھ ظفر اور غزل لیکی کر جاتی ہے زمیں
سب غزل خوں ترے اب آگے سے ٹل پاؤں کے بل

چشم سے مت اشک نکل پاؤں کے بل   طفل ابتر نہ رہ عشق میں ری چل پاؤں کے بل
شمع کے سر سے لگے الفت پروانہ میں آگ   ہر ترے عشق میں ری یونہی گئے جل پاؤں کیب ل
آبلہ سمجھوانہ اے دشت نورد دل جنوں!   ہم نے اس راہ میں پایا ہے پھل پاؤں کے بل
زلف یوں چہرے پہ بلتی ہے سہا سے اس کی   جس طرح مار سیہ کھائے ہے بل پاؤں کے بل
باغ میں دیکھ کے رفتار ترے خوش قد کی!   گر گیا سرو چمن خاک میں کل پاؤں کے بل
آتش عشق میں میرے دل بے تاب کو دیکھ   اڑ گیا رشک سے سیماب اچھل پاؤں کے بل

اے ظفر آہ نے کل جن کے عصا تھام لیا
ورنہ ہم صنف سے جاتے نہ سنبھل پاؤں کے بل

حال کا اس کے جو دیکھے متصل کاکل کے گل   نیلوفر کا کب کھلے پھر پاس پھر ہر سنبل کے گل
سر پہ اس غم سے رکھے کیوں کر نہ وہ کالی کلاہ!   جب کہ غائب ہو نظر سے باغ میں بلبل کے گل
اشک کے قطرے نہیں ہیں دامن مژگاں کے ساتھ   ٹپکتے ہیں در پہ چمن کے موتیا کے حل کے گل !
نے ہے قرص ماہ تاباں نے ہے قرص آفتاب   چرخ مینا فام پر ہیں عکس جام مل کے گل

اے ظفر باغ سخاتی ہے ترا ہراک سخن!
جھڑتے ہیں تحسیں کے منہ سے طلبا آمل کے گل

ہے نہ قرباں سی رخ قاتل خوں ریز پہ گل!   کھاتی سنبھل بھی ہے اس زلف دلاویز پہ گل
کوئی اس طفل فرنگی سے یہ پوچھے کر دھرا   ساغر بادہ گل رنگ ہے یا میز پہ گل!
ایک دن ہوگی صبا اس کی خزاں دامن کش   صبح ہنستا تو ہے بلبل کی سداریز پہ گل
تختہ لالہ ہے داماں چمن میں پھولا!   یاحا کے ہیں یہ تیرے تن شبدیز پہ گل
لب پاں خوردہ سے ہو تیری نہ کیوں رخ پہ بہار   ارغواں کا ہے کھلا سبزہ نوخیز پہ گل
چشم مست بت سے نوش پہ یہ خال نہیں   نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

جان شیریں دی ظفر کوہ میں فرہاد نے حیف
کھائے شیریں نے سدا الفت پرویز پہ گل

کیا اشک تر ہیں اپنے چشم پر آب گول   دیکھے صدف میں ایسے نہ درخوشاب گول
دل میں مدام چشم بتاں کا ہے یہ خیال   ساقی دکھا نہ ہم کو سبو سے شراب گول
لاتا ہے اپنے پیچ میں ہر اہل بزم کو!   عمامہ کج کے شیخ فضیلت ماب گول
گری سے زلف یوں ہے تمہاری عرق فشاں   برسائے جوں تگرگ زمیں پرحاب گول
وزدی سے اس نے گرم یہ گولا اٹھایا ہے   وست فلک میں صبح نہیں آفتاب گول

اقرار وصل میں بخدا دیکھیو ولا
باتیں کرے ہے کیا ہی وہ خانہ خراب گول

دیکھ ان سپچوں کو عاشق محرم کہے ہے یہ
دریائے حسن میں ہے ظفر گیا حباب گول

آج گلشن میں ہیں کس عاشق دل گیر کے پھول
غمزدہ ہیں جو گریباں کو صاف چیر کے پھول

حاجت گل نہیں مرقد پہ کچھ اس کے گلرو
تن پہ ہیں زخم تیرے کشتہ شمشیر کے پھول

گل رنگیں سے نہیں کم ترا ہر ایک سخن
منہ سے جھڑتے ہیں ترے کشتہ شمشیر کے پھول

شفق شام خجل ہوگی نہ لالا کے پرو
دیکھ بالوں میں تو اب زلف گرہ گیر کے پھول

پھرتے ہیں دامن فتراک میں اس قاتل کے
آج اک دام میں یہاں خون سے نخچیر کے پھول

داغ جیسے میرے سینے کے ہیں ویسے کب ہیں
خوشنما یہ سپر قاتل بے پیر کے پھول

یوں ہیا اس غنچہ وہاں کا دل حیراں کو خیال
آگے رکھ دے کوئی جوں بلبل تصویر کے پھول

شاخ غنچہ ترے ناوک و پیکاں سے خجل
اور پرشرم ہے سوفار سے اب تیر کے پھول

چمن خلد جنہیں دیکھ کے ہو سرو ظفر
ہیں ترے باغ میں وہ گلشن کشمیر کے پھول

نہ دور شام کو اتنی بد خوئی سے کیا حاصل
تمہیں دینا ہی ہوگا بوسہ ختم وقی سے کیا حاصل

دل آزاری نے تیری کردیا بالکل مجھے بیدل
نہ کر اب میری دلجوئی کہ دلجوئی سے کیا حاصل

نہ جاب تک چاک ہو دل پھانس کب دل کی نکلتی ہے
جہاں ہو کام خنجر کا وہاں سوئی سے کا حاصل

برائی یا بھلائی کو ہے اپنے اوسطے لیکن
کسی کو کیوں کہیں ہم بد کہ بد گوئی سے کیا حاصل

نہ کر فکر خضاب اے شیخ تو پیری میں جانے دے
جواں ہونا نہیں ممکن سیہ روئی سے کیا خاصل

چڑھائے آستیں خنجر بکف وہ یوں جو پھرتا ہے
اسے کیا جانے ہے اس عربدہ جوئی سے کیا حاصل

عبث چپہ نہ رکھ داغ دل سوزاں پہ تو میرے
کہ انگارے پہ ہوگا چارہ گر روئی سے کیا حاصل

شمیم زلف ہو اس کی تو ہو فرحت مرے دل کو
صبا ہووے گا مشک چیں کی خوشبوئی سے کیا حاصل

نہ ہوئے جب تلک انساں کو دل سے میل یک جانب
ظفر لوگوں کے دکھلانے کو یک سوئی سے کیا حاصل

گر شک رواں ہووے مرانا مہ بردل
لکھوں ورق پارہ دل پہ خبر دل

نا قاصد دل ہے نہ کوئی نامہ بر دل
ہو جاوے ہے کچھ آپ ہی دل کو خبر دل

کرنا نہ شکستہ اسے تو سنگ ستم سے
بیقدر جو ہوئی تجھے قدر گہر دل

سودائے محبت میں نہیں سود کی امید
یا جی کا زیاں اس میں یا ہے ضرر دل

وہ دل میں بھری میرے غم عشق نے آتش
جل جائے دو عالم جو گرے یک شرر دل

کیا ٹھہر سکے آگے تیغ ستم کے
ہووے نہ اگر داغ محبت سپر دل

دیتا ہے دل اپنا وہی اس آفت جاں کو
نے جانے کا ہے خوف نہ جی کو خطر دل

دل جائے گر اس کوچے کو ہے جان بھی ہمراہ
وقت سفر دل ہے یہی ہم سفر دل

تا منزل مقصود پہنچنا نہیں ممکن!
ہووے نہ اگر شوق ترا راہبر دل!

جب تک نہ کھلے یار تری زلف کا عقدہ
کیا دل ہے کہ واہو وے مرا قفل درد دل

منت کش عیسیٰ نہیں میرا دل بیمار!
ہے دولت جاں بخش ظفر چارہ گر دل

بات نہ کر ساقیا ہم سے تو چل ہشت کول!
ہووے گا ساغر سے کیا مول لئے یکمشت کول!

چرخ پہ کیا کیا ہوا شب مہ کامل خجل
دیکھ کے اس یار کا ناخن انگشت کول!

تا کوئی جانے ہوا یہ نہیں وابستہ خوں
آپ وہ بن جائے ہے وقت زدو وکشت کول!

اشک کا دریا مرہ وہ ہے کہ خم فلک!
ہے روش لاک پشت اک عیاں پشت کول!

زلف کے حلقے میں ہو گر وہ رخ آتشیں!
پیچ ہو آتش کدہ مذہب زردشت کول!

آئے ہے کس دھج سے آج دیکھوتو وہ جنگجو
تیغ خمیدہ بکف ڈھال پس پشت کول!

ہر گل ارنگ ہو قطرہ خوں اے ظفر
دیکھے گر اس شوخ کی فندق انگشت کول

اس گلبدن کی بو ہے جو عطر قبائے گل!
پھر کس طرح سے باغ میں اترا نہ جائے گل

گر کان بھی ذرا ترے آگے ہلائے گل
کیا کیا طمانچے باد بہاری کے کھائے گل

صدقے جو تیرے دست نگاریں کے جائے گل
قرباں ہوں ناخنوں کے نہ کیوں برگہائے گل

زیبا ہو کیوں نہ ہاتھ میں ساقی کے جام مے
ہے وہ برنگ شاخ تو یہ ہے بجائے گل

گرہوں نہ سوز عشق سے معجز نمایاں!
اے شمع کیونکہ پرورش آتش سے پائے گل

آ جائے گر ہوائے گلستاں قفس تلک!
بلبل کا دم ہوا ہو یہ کہہ کر کر ہائے گل

بے اشک لخت دل کے ثمر کا نہ ہو نمود!
آئے ثمر نہ شاخ میں جب تک نہ آئے گل

ڈرتا ہے میرے صرصرنالہ سے آسماں!
خورشید کا چراغ کہیں ہو نہ جائے گل

ہے ربط حسن و عشق کو آپس میں اے ظفر
گل ہے برائے بلبل و بلبل برائے گل!

تو لاکھ اٹھائے ہوئے جلد اپنا قدم چل!
ہو گا وہی قاصد جو گئی پہلے قلم چل

ہے فوج سرشک آج رواں چشم سے اپنی
اے نالہ دل تو بھی وہاں لے کے علم چل

پھر بزم میں اس جنبش مژگاں کا چلا ذکر!
باتوں میں کہیں جائے نہ تلوار بہم چل

وحشت مجھے کہتی ہے کہ زنداں بھی یہ تم سے
کیوں تنگ ہے یاں جانب صحرائے عدم چل

گردن پہ مری دیکھو تو اے خنجر قاتل!
رک رک کے نہ یوں تجھ کو مرے سر کی قسم چل!

چھوڑا نہ محبت نے مجھے دیکھ کے زاہد
ہر چند کہا تو نے کہ آ سوئے حرم چل

جاتا ہے ترے کشتۂ رفتار کا تابوت
ساتھ اس کے بھلا تو بھی تو دو چار قدم چل

سینے سے جو دم آئے لبوں تک تو کہے ضعف
تھ جائے گا تو لے کر ذرا راہ میں دم چل

کچھ بات جو کہتا ہوں ظفر اس سے تو واللہ
کہتا ہے عجب ناز سے مجھ کو وہ صنم چل

فنا ہے ساتھ تو پھر زندگی سے کیا حاصل
فنا ہے پہلے فنا ہو کر بقا حاصل

جھکا دے سجدے میں آنکھوں کو سوئے کعبۂ دل
کہ ہو رہے گا ثواب اس اس نماز کا حاصل

جو دل کو صاف ہو کرنا تو خاکساری کر
کرے ہے خاک سے دیکھ آئینہ صفا حاصل

دیا جواب مجھے زندگی نے یاں لیکن
جواب نامہ نہ قاصد کو واں ہوا حاصل

سمجھ کے راحت جاں اس کو دل دیا ہم نے
ہوا نہ پر ہمیں کچھ رنج کے سوا حاصل

زمیں پہ آئے اگر آسماں سے عیسیٰ بھی
مریض عشق کو تیرے نہ ہو شفا حاصل

نہیں خوش آیا ہمیں زخم بے نمک کھایا
نمک وہ زخم پہ چھڑکے کہ تو ہو مزا حاصل

ہزار پارہ کیا اس نے تیغ سے دل کو
ہزار شکر ہوا دل کا مدعا حاصل

بجا آپ کو ہے خا پائے فخر الدین
کیا ظفر نے یہ کیا علم کیمیا حاصل

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

کم ظرف پر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ
مانند جوش غم نہ زیادہ ابل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوز دل کے ساتھ
اس پر سپند وار نہ اتنا اچھل کے چل

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما
سائے سے بچ کے اہل فریب و دغل کے چل

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل
بل ہے تو بل کے بل پہ تو کچھ اپنے بل کے چل

انسان کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ
اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

پھر آنکھیں بھی تو دیں ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم
کہتا ہے کون تجھ کو نہ چل، چل سنبھل کے چل

ہے طرفہ امن گاہ نہاں خانۂ عدم
آنکھوں کے روبرو سے تو لوگوں کے ٹل کے چل

کیا چل سکے گا ہم سے کہ پہچانتے ہیں ہم
تو لاکھ اپنی چال کو ظالم بدل کے چل

ہے شمع سر کے بل جو محبت میں گرم ہو
پروانہ اپنے دل سے یہ کہتا ہے جل کے چل

بلبل کے ہوش نکہت گل کی طرح اڑا
گلشن میں میرے ساتھ ذرا عطر مل کے چل

گر قصد سوئے دل ہے ترا اے نگاہ یار
دو چار تیر پیک سے آگے اجل کے چل

جو امتحان طبع کرے اپنا اے ظفر
تو کہہ دو اس کو طور پہ تو اس غزل کے چل

چمکے تھے چار سو سپر یار کے پھول!
خورشید و مہ یہ دو ہیں انہیں چار میں کے پھول

تختہ ہے موتیوں کا جو انجم سے آسماں!
بکھرے ہیں کس کے طرہ دستار میں کے پھول

گلچیں بنا تصور بوسہ کی لاتی ہے!
چن چن اس کے گلشن رخسار میں کے پھول

مجنوں کے ہیں جو خون کف پا سے خار سرخ!
ہیں یہ جنوں کے وادی پر خار میں کے پھول

چھٹی پھر ایک دم میں پھلجھڑی کی رات
جھاڑے جو ہم نے آہ شرربار میں کے پھول

ہوں وہ گلے کے ہار اگر اس سے پوچھئے!
بکھرے ہوئے پڑے ہیں یہ کیوں ہار میں کے پھول

کردی صبا نے ڈھیری میرے سامنے تو کیا
لے لیتے گل فروش سے بازار میں کے پھول

احسان کرے جولائے قفس تک مرے صبا
وہ چار تازہ تور کے گلزار میں کے پھول

رنگیں ہوئے ہیں خون سے فریاد کے ظفر
سب لالہ زار دامن کہسار میں کے پھول

لے کر کڑک داغ لوں کیونکر دل مضطرب سے چھیل
یہ نہیں وہ نقطہ لیجے جس کو کاغذ پر سے چھیل

کہدے حمای کو پھینکے سنگ پا کو ہاتھ سے
پائے نازک کو نہ دے تیرے کہیں پتھر سے چھیل

جو ہے شے اصلی وہ ہرگز دور ہو سکتی نہیں
کیونکہ لے جوہر کو کوئی تیغ پر جوہر سے چھیل

ناخن دست جنوں کی یوں نمایاں ہے خراش
میرے سینے کو دیا گویا کہ ہے خنجر سے چھیل

کوئی صیقل گر نہیں ایسا زمانہ میں کردے
زنگ کیں آئینہ گردون بد اختر سے چھیل

جائے ہے دشت مغیلاں میں اگر مجنوں تو خار
پوست اس کا ڈالتے ہیں یوں تن لاغر سے چھیل

جس طرح کوئی پکڑ کر انگلیوں میں اے ظفر
لے سراسر چھال چوب خشک کے اوپر سے چھیل

ہو بدل ہوا ہنسی سے دیکھ کر جاناں کی شکل
چشم واشل وہن ہو اشک ہو دنداں کی شکل

خر موج تبسم سے ہوں زخمی کس کے ہیں
ہے جوہر اک زخم دل میرا گل خنداں کی شکل

گر زلیخا دیکھے تیری صورت مہ جبیں!
پھر کبھی ہرگز نہ دیکھے وہ مہ کنعاں کی شکل

جیسے ہے اس مصحف روئے کتابی کا خیال!
ہے دل سیپارہ بھی سیپارہ قرآں کی شکل

گو نہیں کہنے کی طاقت حال دل پر اے حبیب
سب کہے دیتی ہے بیمار غم ہجراں کی شکل

اشک خوں سے یاد ہیں دست حنائی کے ترے
پنجہ مژگاں ہے رنگین پنجہ مرجاں کی شکل

چشم آہو حلقہ زنجیر آئے ہے نظر
دیکھتا زاہد جو اس غارت گر ایماں کی شکل

ہو نہ انسانیت انساں میں تو پھر انساں ہے کب
اے ظفر گرچہ ہوا ظاہر میں وہ انساں کی شکل

خوش آوے باغ میں کیا مجھ سے بے دماغ کو گل!
کہ میں سمجھتا ہوں اپنی ہی دل کے داغ کو گل

عجب نہیں ہے کہ ہو باغ باغ اے بلبل
جو دیکھیں باغ میں گل پوش رشک باغ کو گل!

نہ بد خصال کو ہو قدر حسن جز عاشق
سوئے مرغ چمن خوش نہ آوے زاغ کو گل

چمن سے ڈھونڈتا ہوے ہزار تا بازار
نہ پائے رنگ پریدہ کے پر سراغ کو گل

مجھے یہ ڈر ہے کہیں میرا صرصر نالہ
کرے فلک پہ نہ خورشید سے چراغ کو گل

چمن سے کم نہیں مستوں کی محفل رنگیں
سمجھتے غنچہ گلابی کو اور ایاغ کو گل

ظفر ہے کام دل تنگ کو چمن سے کیا
پسند آئے ہے دل ہائے بافراغ کو گل

ردیف میم

بہار کا مرے سر پہ ہے آ گیا موسم
وہ گل ہو پاس تو وہ کیا ہی عیش کا موسم

سرنگ گل نہیں ہوتی شگفتگی دل کو
کہ کس طرح کا اب آیا ہے اے صبا موسم

گھٹا نہ دل کو مرے جام مے پلا ساقی
ہوا ہے اور یہ برسات کا ہے کیا موسم

رفو گر یہ ہے اور آہ سرد سوزش دل
ہر ایک چیز کا ہے یاں جدا جدا موسم

ہوا نہ سرخ یہ چہرے کا رنگ زرد مرے
تمہارے عشق میں اپنا ہے ایک سا موسم

چمن میں کیونکہ نہ زنجیر پا ہو موج نسیم
اجاڑ کا ابھی یارو نہیں گیا موسم

بدل کے قافیہ لکھ دوسری غزل بھی ظفر
بہار باغ حسن کا تو ہے سدا موسم

نظر میں ہے وہ شباب رنگا کا موسم
خوش آئے کیونکہ ہمیں لالہ زار کا موسم

دلاؤ یاد نہ اس جوشِ حماقی کی
مبادا آگ لگا دے چنار کا موسم

اسیر کنج قفس ہوں میں اے نواسنجو
بلا سے میری گر آیا بہار کا موسم

نہ وہ گلوں کا رہے تختہ نہیں ہے جس کو خزاں
سدا رہے ہے دل داغ دار کا موسم

نہیں یہ لخت جگر سے ہے شاخ مژگاں تر
شگوفہ پھولا ہے ہے برگ و بار کا موسم

نمود خط کی نہ کیونکر ہو تیرے چہرے پہ
بہار تو گئی آیا ہے خار کا موسم

ظفر دکھائے ہے برسات کی ہوا ہم کو
ترے یہ گریہ بے اختیار کا موسم

رکھتے ہیں ناوکوں کی پروا کب بھلا بلبل کے زخم
سی تو یہ صیاد رشتہ سے رگ ہر گل کے زخم

رشک کھاتا ہے لب سوفار جس کو دیکھ کر
رہ گیا تیر کا تیرے وہ دل پہ کھل کے زخم

نوشدارو سے نہیں کم حق میں یہ ساقی مرے
لایا پھر انگور تیرے ملتے ہی بسم کے زخم

رکھ دے گر سوہان اپنا اس پہ پوچھائے کی جا
تو ابھی بھرا میں تیروے کشتہ کاکل کا زخم

آج وہ تیغ سخن میں تیرے برش ہے ظفر
جس سے پڑتا ہے جگر پہ طالب آمل کے زخم

اپنی دانست میں چوکے نہیں تدبیر سے ہم
کیا کریں بس نہیں ناچار ہیں تقدیر سے ہم

روز رہتے ہیں ترے ہجر میں دل گیر سے ہم
کام رکھتے ہیں سدا نالہ شبگیر سے ہم

بخدا دل سے گیا صبر و قرار و آرام
جب سے واقف ہوئے یار و بت بے پیر سے ہم

سر بسر دام بلائے دل آشفتہ ہے وہ
بس حذر کیوں نہ کریں زلف گرہ گیر سے ہم

یوں تو کب تا ہے اے شوخ کماں ابرو پہ
کھینچ لائیں گے تجھے آہ کی تاثیر سے ہم

دھیان سونے کا نہیں چشم کو اپنی تب سے
جب سے وابستہ ہیں اس سونے کی زنجیر سے ہم

قتل منظور ہے گر تجھ کو تو بسم اللہ
آرزو وصل کی اب رکھتے ہیں تکبیر سے ہم

تشنہ لب جان کے دکھلا نہ عرق ابرو کا
اور یہاں سیر ہیں آب دم شمشیر سے ہم

گردش چرخ کے ہاتھوں سے ظفر چکر میں
آہ فانوس خیالی کے ہیں تصویر سے ہم

مر گئے اے واہ ان کی ناز برداری میں ہم
دل کے ہاتھوں سے پڑے کیسی گرفتاری میں ہم

سب پہ روشن ہے ہماری سوزش دل بزم میں
شمع ساں جلتے ہیں اپنی گرم بازاری میں ہم

یاد میں ہے تیرے دم کی آمد و شد پر خیال
بے خبر سب سے ہیں اس دم کی خبرداری میں ہم

جب ہنسایا گردش گردوں نے ہم کو شکل گل
مثل شبنم میں ہمیشہ گریہ و زاری میں ہم

چشم و دل بیا ہے اپنے روز شب اے مردماں
گرچہ سوتے ہیں بظاہر پر ہیں بیداری میں ہم

دوش پر رخت سفر باندھے ہے کیا غنچہ صبا
دیکھتے ہیں سب کو یاں جیسے کہ تیاری میں ہم

کب تلک بے دید سے یارب رکھیں چشم وفا
لگ رہے ہیں آج کل تو دل کی غم خواری میں ہم

دیکھ کر آئینہ کیا کہتا ہے یارو اب وہ شوخ
ماہ سے صد چند بہتر ہیں ادا داری میں ہم

اے ظفر لکھ تو غزل بحر و قوافی پھر کر
خامہ دُر ریز سے ہیں اب گہر باری میں ہم

دیوانگی میں ہم نے لیا کب وطن میں دم
مجنوں کا اپنے آگے نہ ٹھہرا ہے بن میں دم

دم میں نہیں فراق بہت سیکتی میں دم
جز نالہ کب ہے نے کی طرح سے بدن میں دم

مانند بوئے گل نہ پریشاں مزاج کر
لینے دے باد صبح ہمیں تک چمن میں دم

میں اس پری کا کشتہ کا گل ہوں دوستو
واں کل پڑھ کے کچھ مجھ پہ کفن میں دم

محفل میں اس کی قلقل مینا کی طرح آہ
اٹکا گلے میں آن کے ہر سخن میں دم

خط کیا لکھوں پیام کہوں کیا کہ اب مرا
جوں بوئے گل سمائے ہے کب پیرہن میں دم

ہنگامہ جزا کا نہیں غم مجھے ظفر
بھرتا ہوں دل سے دوستی پنجتن میں دم

جو منہ سے لے مرے کوئی جگر کے داغ کا نام
وہ پھونک مارے تو ہو جائے گم چراغ کا نام

بہار اس تن گل خوردہ کی اگر دیکھو
تو پھر زباں سے کبھی لو نہ سیر باغ کا نام

نہ ہوتا گر یہ ترا خط سبز خال سیاہ
نشاں نہ طوطی کا ہوتا کہیں نہ زاغ کا نام

ہمارے سینہ سوزاں میں ہے وہ آگ بھری
کہ اس کے سامنے روشن نہ ہوا زاغ کا نام

برنگ طائر عنقا جہاں سے اڑ جائے
جو کوئی لے دل گم گشتہ کے سراغ کا نام

پھر ہے زیر نظر جب کسی کی گردش چشم
بلائیں لیتے ہیں لے لے کر ہم ایاغ کا نام

ہزار غنچے گلستاں میں ہو رہے ہیں شگف
ظفر جہاں میں نہیں ہے کہیں فراغ کا نام

تیرے جس دن سے خاک پا ہیں ہم
خاک ہیں ٹھیک کیمیا ہیں ہم

جس طرح چاہے ہم کو لے جائے
جانتے دل کو رہنما ہیں ہم

جو کہ منہ پر ہے وہ ہی دل میں ہے
مثل آئینہ با صفا ہیں ہم

ہمدموں مثل صورت تصویر
کیا کہیں تم سے صدا ہیں ہم

تیرہ بختی میں ہیں یہ بخت سفید
کیا مگر سایہ ہما ہیں ہم

تو جو ناآشنا ہوا ہم سے
یہ گنہ ہے کہ آشنا ہیں ہم

ہم ہیں جوں زلف عارض خوباں
گو پریشاں ہیں خوشنما ہیں ہم

خوں بہا ایک ناز میں ہے ادا
کشتہ خنجر ادا ہیں ہم

اے ظفر پوچھتا ہے مجھ کو صنم
کیا کہیں بندہ خدا ہیں ہم

کرتے غرہ سے جو یہ دعویٰ ایمان ہے ہم
کفر یہ ہے اسے توڑیں تو مسلمان ہیں ہم

چشم وا ہم جو ہیں اس باغ میں مثل نرگس
نہیں معلوم کسے دیکھ کے حیران ہیں ہم

کیونکہ کچھ لے سکیں ہم وہ ہی نہ دیوے جب تک
صاحب خانہ یہاں اور ہے مہمان ہیں ہم

باوجودیکہ ہیں اک مور سے بھی ہم کم زور
پر ہوا باندھتے ہیں یہ کہ سلیمان ہیں ہم

نہ تو ہیں نکہت گل اور نہ ہم دود چراغ
پر یہ ہے حال کہ باحال پریشان ہیں ہم

داغ سینے کا چھپے کیونکہ برنگ خورشید
رکھتے مانند سحر چاک گریبان ہیں ہم

اے ظفر اس نے تو انسان کو بنایا ضعیف
ضعف سے نالے کریں کیونکہ انسان ہیں ہم

دل اگر مانگو گے تم کو اے صنم دیویں گے ہم
پر نہ دنیا اور کو یہ بھی قسم دے دیں گے ہم

کاروغن کا کریں گے اشک دل کی آگ پر
ور بھڑکے گی جو چھینٹا چشم نم دے دیں گے ہم

جانتے ہو آپ سادم ساز جانبازوں کو بھی
دم ہی سمجھے جاؤ گے گر اپنا دم دیدیں گے ہم

زاہد بے مغز کو ہوگی نہ کیفیت نصیب
جام مے کیا گرچہ اس کو جام جم دیدیں گے ہم

منہ نہ موڑیں گے تری تیغ ستم سے دیکھنا
سر تلک بھی عشق میں اے پرستم دیویں گے ہم

گر کہوں دو گے نشاں کیا تم دم رخصت مجھے
ہنس کے کہتے ہیں کہ کچھ درد والم دیں گے ہم

یہ بھی تھا تقدیر میں لکا کہ اے نوخط تجھے
یوں دل و جاں دین و ایمان یک قلم دیں گے ہم

سب نکل جائیں گی اے قاتل ہماری حسرتیں!
جب تڑپ کر دم ترے زیر قدم دیدیں گے ہم

کندہ ہے دل کے نگینے پہ ہمارے نام دوست
اے ظفر کیونکر کسی کو یہ رقم دیں گے ہم

یونہی آنکھوں سے رواں آنسو اگر رکھیں گے ہم
موسم اک برسات کا سا سال بھر رکھیں گے ہم

ہمدمو جس دم محبت میں قدم رکھیں گے ہم
دیکھ لینا اس کو بھی اپنا سا کر رکھیں گے ہم

گر نہیں صورت دکھاتے بھیجو تصویر ہی
خیر اسی کو ہجر میں پیش نظر رکھیں گے ہم

تجھ کو بھی وسنے نہ دیں گے رات بھر اپنی طرح
شور و غل کوچے میں تیرے اس قدر رکھیں گے ہم

جان و دل تاب و تواں یو تم بھی رکھواپنے پاس
یاں ہجوم غم سے کس کس کی خبر رکھیں گے ہم

گزرے ہم اس سر سے قاتل کیا کریں گے رکھ کے سر
ایک سر کے ساتھ سو کیوں درد سر رکھیں گے ہم

یہ دل دیوانہ واں بن جائے رہنے کا نہیں
گرچہ زنجیروں سے اس کو باندھ کر رکھیں گے ہم

وہ بت سرکش نہ رکھے گا ہمارے گھر میں پاؤں
سر بھی اپنا گرہ اس کے پاؤں پر رکھیں گے ہم

کر چکے ہیں امتحاں جس بے وفا کا لاکھ بار
اس سے امید وفا کیا اے ظفر رکھیں گے ہم

خوں جو کرتا ہو رگ عاشق ناشاد سے کم
نگہ یار نہیں نشتر فصاد سے کم

دم جو بھرتے ہیں بہت تیری محبت کا رقیب
ابھی واقف ہیں ترے شیوہ بیداد سے کم

کچھ اسیران قفس میں نہ رہا دم شاید
آتی آواز ہے جو خانہ صیاد سے کم

رہتے ہمسائے بہت شب کو ہیں مجھ سے نالاں
آنکھ لگتی ہے جو ان کی مری فریاد سے کم

خوبرو اور بھی ہیں یوں تو ستمگار بہت
لیکن انصاف یہ ہیں اس ستم ایجاد ہے کم

قتل کرتا ہے تمہارا لب جاں بخش مجھے
نہیں عیسے بھی مرے واسطے جلاد ہے کم

دے جو وحشت کا سبق مجھ کو گلستاں میں بہار
تو نہ ہو موج صبا سلسلہ استاد ہے کم

جوہر ظلم و ستم دیکھ کر معلوم ہوا
کہ دل سخت نہیں یار کا فولاد سے کم

اے ظفر معرکہ عشق و جنوں میں اب ہم
نہ تو مجنوں سے ہیں کم اور نہ فرہاد سے کم

جو لکھیں خط انہیں ہم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
نہ ہونے دیں محبت کم ادھر سے وہ ادھر سے ہم

کہاں قسمت کہ بزم عیش میں دے جام بھر بھر کر
مے گل رنگ کے ہر دم ادھر سے ادھر سے ہم
کچھ اس کے آگے بولیں حضرت دل ہم سے کیا قدرت
اگر ہم چشم ہوں بادل ہمارے دیدہ تر سے
کریں سیراب اک عالم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
اڑائی خاک کیسی دشت کی مجنوں نے اور ہم نے
چلے وحشت زدہ جس دم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
تری محفل میں ہیں پروانے پر ہم دل جلے بھی ہوں
کریں تا شرح سوز غم ادھر سے وہ ادھر سے ہم
ظفر گھبرا رہا ہے دل نہیں دو چار بھی ہمدم
کہ تھامے اس کو دے کر دم ادھر سے وہ ادھر سے ہم

ردیف نون

کس نے دیکھا خم ابرو کو ہے پیمانے میں
چل رہی آج جو تلوار ہے میخانے میں
یوں اچھل پڑتے نہیں دیکھ کے بجلی کی چمک
اڑ گئے ہوش ہمارے ترے ڈر جانے میں
بید مجنوں کے تلے کیوں نہ ہو تکیہ تیرا
عشق نے پھینکا ہے مجنوں تجھے ویرانے میں
ہونٹ چاٹا کیے ہم دام سے چھوٹے پر بھی
دی تھی صیاد نے کیا چاٹ ملادانے میں
گدگدی کس لیے کی ہم سے کہ ٹوٹے یکدیں
بند محرم کمر یار کے تل کھانے میں
رات کو نیند نہ اس ماہ جبیں کو آئی
پھوٹکا افسوں تھا عجب ہم نے بھی افسانے میں
کیا نزاکت ہے کہ گل عکس در گوش سے آہ
یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے میں
شمع نے عشق کے سررشتہ سے شب محفل میں
کاڑھیں الفت کی ہیں کلیاں پہ پروانے میں

اے ظفر سوچ کے آرام سے ہا پاؤں پسار
سو قیامت ہوئی آک آنکھ کے لگ جانے میں

تمہارے عشق میں ہم اے جو کیا کیا نہ رکھتے ہیں
جگر صد چاک رکھتے ہیں دل دیوانہ رکھتے ہیں
خدا کی یاد میں ہر دم دم اپنے کو رکھ اے زاہد
جو دانا ہیں نہیں وہ سبحہ صد دانہ رکھتے ہیں
چھپاؤں کس طرح سے اپنی اور اس کی میں الفت کو
یہی مذکورہ دائم عاقل و فرزانہ رکھتے ہیں
نہ کیونکر قبر پہ مجنوں کی پہلے فاتحہ پڑھ لیں
کہ ہم بھی عزم رفتن جانب ویرانہ رکھتے ہیں
کوئی دم بھر کی ہستی میں غنیمت ہے ہمیں رہنا
حباب آسا لبالب عمر کا پیمانہ رکھتے ہیں

فراق یار میں ہم ہو رہے ہیں آپ ہی حیراں
زباں پر داغ و عذر اکا کب فسانہ رکھتے ہیں

سخاں سے ہم کو بیعت ہے کوئی کہہ دیو سے زاہد سے
کہ ہم اب تکیہ گہ اپنا در مے خانہ رکھتے ہیں

برنگ طائر قبلہ نما مت پوچھ کچھ ہمدم
کہ تنہائی میں ہم کیا حال بیباکانہ رکھتے ہیں

غزل اک اور پر مضموں پڑھیں کیونکر نہ محفل میں
ظفر کہتے ہیں ہم بھی وضع استادانہ رکھتے ہیں

ہمارے سن کے نالے کیا سدا ہمسائے نالاں ہیں
کہیں طوفاں نہ برپا ہو کہ یہ آنکھیں بھی گریاں ہیں

مقابل تو ہمارے شاخ گل کے باغ میں مت ہو
تن پر داغ سے ہم غیرت سرو چراغاں ہیں

سمجھ لوں گا میں مت روکو مجھے صحرا نوردی سے
کہ اپنی آبلہ پائی ہے اور خار مغیلاں ہیں

یہی ہے دوستی کا اب مزہ آپس میں اے یارو
جو اپنے قدر داں وہ ہیں تو ہم بھی ان پہ قرباں ہیں

ہنسا ہے کون ایسا کھلکھلا کر اے صبا سچ کہہ
چمن میں صبحدم غنچے جو سب سر در گریباں ہیں

نہ قرباں کیونکہ ہم ہوویں کہ اپنا دل بھی قرباں ہے
کہ وہ سینے میں اب پیہم لگاتے تیر مژگاں ہیں

پروئے تو نے کیا نادرسخن میں گوہر معنی
ظفر تحسین کناں محفل میں اب سارے سخنداں ہیں

بھلا ان کو کہیں کیونکر نہ ہم یکجاں دو قالب ہیں
نبی و مرتضیٰ یارو بہم یکجاں دو قالب ہیں

نوائے عشق میں وہ اور ہم یکجاں دو قالب ہیں
دو نے بجتے ہیں جوں ہمدم بہم یکجاں دو قالب میں وہ لے ہم

بظاہر گرچہ دوری ہے عزیز چشم عالم میں
اور وہ اپنا صنم یکجاں دو قالب ہیں

تمہارے ساتھ سایہ دار رہتا ہوں سدا ہمدم
جدائی کس طرح ہو یکدم یکجاں دو قالب ہیں

کھلے چشم حقیقت میں تو اس دم یہ نظر آوے
کہ کس صورت حباب موج ہم یکجاں دو قالب ہیں

ظفر ہے ایک ان آنکھوں میں دوئی نور بینائی
وحیدہ یہ ترے سر کی قسم یکجاں دو قالب ہیں

دیکھے جو ہمارے بت مغرور کی گردن
غلماں کے تن سے ہو جدا حور کی گردن

شب تاج زرآلود پہ نازاں تھی عبث شمع
گلگیر نے اک دم میں وہیں دور کی گردن

دیکھا جو تری چشم مخمس کو چمن میں
خجلت سے جھکی نرگس مخمور کی گردن

بالیں پہ جو تو آئے مری جان تو اٹھے
تکیے سے ترے عاشق رنجور کی گردن

سو فار ہے یوں سینے سے باہر کہ وہ جیسے
نکلی پڑی ہے خانہ سے زنبور کی گردن

یکدم میں لگا منہ سے میں پی جاؤں جو ساقی
ہاتھ آئے خم بادہ انگور کی گردن

ہو کون مقابل فلک گردوں کے کہ جس نے
توڑی ہے دلا قیصر و فغفور کی گردن

تبدیل قوافی سے غزل لکھ ظفر ایسی
تا جس سے جھکے جرات و مجبور کی گردن

تہمت نہ رکھو اپنے گرفتار کی گردن
اس بات میں کٹ جائے گی دو چار کی گردن

یہ خوبی قسمت ہے کہ اقرار وفا پر
اک بار بھی ہرگز نہ ہلی یار کی گردن

مینائے بلوریں میں ہو جوں بادہ گلگوں
یوں پان سے رنگیں ہوئی دلدار کی گردن

محشر میں یقین ہے کہ یہ زلف سیہ اے یار
ڈالے گی بلا میں تیرے بیمار کی گردن

خالی ہوا مینا تو خجالت سے سر بزم
اٹھتی ہی نہیں ساقی سرشار کی گردن

حیرت کا یہ عالم ہے کہ جوں گردن تصویر
ہل سکتی نہیں اب ترے بیمار کی گردن

تبدیل قوافیے غزل پڑھ ظفر ایسی
تحسیں پہ ملے سامع اشعار کی گردن

کچھو نہ قلم عاشق ناشاد کی گردن
بے جرم کا خوں ہوتا ہے جلاد کی گردن

مت فصد کرو میرا لہو ورنہ بہے گا
خوں ہوے گا ناحق مرا فصاد کی گردن

گردن کے جو نقشہ کا گیا سوچ میں تیری
زانوں سے نہ پھر اٹھ سکی بہزاد کی گردن

اے تیغ نگہ حشر کو ہوں گا میں گلوگیر
گر تونے مرے تن سے یہ آزاد کی گردن

شیریں نے تو جاں الفت پرویز میں کھوئی
اور اس کے گئی عشق میں فرہاد کی گردن

باندھے نہ ہوا باغ میں ہر سرو پھر اپنی
دیکھے اگر اس غیرت شمشاد کی گردن

افسوس ظفر دیکھنے کو حال کے تیر
اٹھی نہ کبھی اس ستم ایجاد کی گردن

انھیں دیوانہ ہم سمجھیں ہیں جو مستی پہ ہنستے ہیں
بھلا کیوں رشکاران جہاں مستی پہ ہنستے ہیں

صفا رکھتے ہیں جو آئینہ دل کو یہاں اپنے
وہ اے زاہد تری اس آرسی جستی پہ ہنستے ہیں

نہیں لیتے ہیں اک بوسہ پہ دل اور مسکراتے ہیں
تماشا ہے کہ وہ اس جنس دل سستی پہ ہنستے ہیں

شراب عشق کی کب اہل دنیا سمجھیں کیفیت
عجب لاھیر ہے سب عالم مستی پہ ہنستے ہیں

دلاور ہیں بہادر ہیں ظفر و جو رستم میداں
وہ اعدا کی سدا شمشیر دو دستی پہ ہنستے ہیں

رقم نہ کرکے پیام عتاب دو خط میں
مرے سوال کا لکھ کر جواب دو خط میں

خدانخواستہ آزردگی نہیں تم سے
جو لکھ کے اور بھی تہمت شتاب دو خط میں،

اشارہ قتل کا شنگرف سے نہ کیوں کر لکھے
عزیزو وہ بت خانہ خراب دو خط میں

تمہارے روئے مخطط پہ یا کر ہے ابرو
لکھی ہے یا یہ خدا نے کتاب دو خط میں

عزیزو کاتب عصیاں جو ہیں انہیں کہہ دو
رقم یہ کھینچئے میرا حساب دو خط میں

ہمیشہ غیروں کو دیتے ہو تم نئے القاب
مجھے بھی ایک تو لکھ کر خطاب دو خط میں

نشانی پارہ دل مانگے گر ظفر قاصد
تو رکھ کے تم کوئی برگ گلاب دو خط میں

وہ اپنے گھر میں واں پھولوں کی جب چادر پہ سوتے ہیں
تو ہم یاں غم سے یارو خاک کے بستر پہ سوتے ہیں

نہ ٹھہرے کس طرح مژگاں پہ میری اشک کا قطرہ
یہادر جو کہ ہیں وہ دار اور خنجر پہ سوتے ہیں

ہلایا برگ گل کا یہ صبا نے صبح دم پنکھا
سراپنا دھر کے مرغان چمن شہپر پہ سوتے ہیں

بلاتے تم جو گھر میں ہم کو آدھی رات کو اپنے
ہم آویں کس طرح درباں تمہارے در پہ سوتے ہیں

ہمیشہ منعماں دہر ہیں یاں مائل غفلت
عبث بھولے ہوئے یہ فرشہائے زر پہ سوتے ہیں

میسر فرش کیا ہوتا کہاں ٹھنڈی ہوا کھاتے
عدم کے سب مسافر رکھ کر سر پتھر پہ سوتے ہیں

نہیں کچھ دین و دنیا کی خبر ہے اے ظفر ان کو
جو اپنے سر کو رکھے زانوئے دلبر پہ سوتے ہیں

خاک تم سے مل سکیں اے ہمصفیران چمن
ہم گرفتار قفس تم زیب ایوان چمن

سینہ پہ داغ میں نالاں رہے کیوں کر نہ دل
نغمہ سنجی سے نہیں خالی ہیں مرغان چمن!

دیکھ کر دست حنائی اس کا مرجاؤں نہ کیوں
روبرو جس کے مخجل ہے دست مرجان چمن

شبنم و نرگس نہیں کیجا غم بلبل میں آہ
آج ہے سرگرم زاری چشم گریان چمن

عرس ہے کس کے شہیدوں کا بتا اے باغباں
لالہ وگل سے جو ہے سرد چراغاں چمن

زلف وخط کا اس کی کس صورت یہ دل ہووے اسیر
منفعل جس سے ہے سنبل اور ریحان چمن

اے ظفر میں ہوں غلام طوطی ہندوستان
کب مقابل ہوویں میرے عندلیبان چمن

شب کیونکہ دیے ہار کے گل زیر گریباں
چھاتی پہ تری نقش ہیں گل زیر گریباں

دے جام نہ ساقی کہ میں ہوں چور نشے میں
ہونٹوں سے ڈھلی آتی ہے گل زیر گریباں

یہ ہمکہ یا قوت ہے چشموں سے ہماری
لخت جگر آیا نہیں ڈھل زیر گریباں

لینے کو ترے بوسہ ناوک کے لب زخم
سینے میں رہے ہیں مرے کھل زیر گریباں

کھلتا ہے ابھی پردہ کونین ظفر دیکھ
منہ کھولتے ہیں جوں غنچہ گل زیر گریباں

کبھی تو آؤ ہمارے گھر میں سنو ہماری بھی چار باتیں
عجب ہے شکوہ رقیب کا یاں ہزار منہ میں ہزار باتیں

چڑھا ہے کوٹھے پہ کون اپنے کہ دیکھنے کو اب آہ جیسے
بگولہ بن کر یہاں فلک سے کرے ہے اپنا غبار باتیں

نہ ہم کو دیجئے گا آپ ہر دم بھریں گے الفت کا تیرے ہی دم
ہو گئی کسی کے ہے آگے ہمدم یہ سب ہیں کتنے کی یار باتیں

چڑھ جاؤ مت پھول کوئی لاکر ہنستا ڈونگ اس کو کھلکھلا کر
کچھ ایسی یارو بنا کے لکھو ہمارے لوح مزار باتیں

کریں ہیں سرگرم گفتگو واں ہم اپنے محفل میں شعلہ خویاں
کیریں ہیں دیوار و در سے ہم یاں تری ہی لیل و نہار باتیں

خیال ہم کو رہے مقرر رقیب بیٹھے ہیں یاں سراسر
جتائیں پردے میں اب بجا کر یہ اس نے مطرب ستار باتیں

تمہارے اعجاز پاسے کیا ہے عجب نہیں اس سے رشک عیسیٰ
ہر ایک تصویر فرش قالی کرے جو بے اختیار باتیں

ادا خوبی تو ان بتاں کی پسند خاطر ہے اک جہاں کے
تمہار پر لکنت زباں کی دلاتی کیا کیا پیار باتیں

گئے ظفر کل جو اس کے ہم گھر کھلا یہ شکوے کا آگے محشر
گزر گئی شب تمام تم پہ نہ ہو چکیں نہ ہمار باتیں

عجب وہ ہیں جو دل کی ناشکیبائی سے پھرتے ہیں
ہم اس چشم حقیقت بیں کی بینائی سے پھرتے ہیں

یہ دانہ وہ ہے جس کی جستجو میں روز شب یارو
بسان آسیائی دانہ دانائی سے پھرتے ہیں سے جو ہم سودے میں

وہ کیا جانے کیا آشفتگی لائے گی اب سر پہ
ان زلفوں کے سودائی سے پھرتے ہیں

چمن میں وہ کے روکش شاخ گل کھینچے ہے خمیازہ
جو ہم سودے میں ان زلفوں کے سودائی سے پھرتے ہیں

عبث تو درپے تدبیر ہے اے ناصح مشفق
کمر لچکا کے وہ جس وقت انگڑائی سے پھرتے ہیں

صف عشاق کا ہے ناک میں دم ان کے ہاتھوں سے
کہیں سو دراز دے بھی کوئی رسوائی سے پھرتے ہیں

الٰہی جلوہ فرماکون ہے یاں روز شب ایسا
کے بتان ہند خود بینی سے خودرائی سے پھرتے ہیں

قدم آنکھوں سے چومے کیوں نہ مجنوں آن کر اپنے
کہ خارستاں میں اب ہم آبلہ پائی سے پھرتے ہیں

عبث دامن کشاں خیابان جنوں تو ہے
کوئی ہم اہل وحشت دشت پیمائی سے پھرتے ہیں

گل خورشید نقش قدم سے ان کے آ گیا ہے
جدھر یہ مہ جبیناں جلوہ آرائی سے پھرتے ہیں

دلانا ہے آشوب قیامت اس جگہ برپا
یہ خوش قامت جہاں انداز رعنائی سے پھرتے ہیں

ظفر تبدیل بحر و قافیہ کی یہ غزل سنیے
یہاں دانشوران ہند دانائی سے پھرتے ہیں

اس کے کوچے میں دلا جا کے جو ہم پھرتے ہیں
آ کے تب گرد عدو خوف سے کم پھرتے ہیں

واں جو ہر دم وہ کھڑے تیغ علم پھرتے ہیں
یاں ہتھیلی ہی پہ سر کو لئے ہم پھرتے ہیں

ہم جدائی میں یہاں بیٹھے ہیں جن کے غمگیں
واں خوشی ہو کے وہ غیروں سے بہم پھرتے ہیں

جائے گردوں نے نہ دی بزم میں ان کو افسوس
جو سدا ساتھ لئے لشکر غم پھرتے ہیں

رات دن پوچھے ہے کیا ہم تو مہ و خور کی طرح
جستجو ہی میں سدا تیری صنم پھرتے ہیں

پل میں بہہ جاوے گا خجلت سے وہیں ابر تلک
ٹک جو ہم لے کے یہاں دیدہ نم پھرتے ہیں

ہے سراپا وہیں رہنے کی ظفر جی میں ہوس
کوئی اس کوچے میں ہم رکھ کے قدم پھرتے ہیں

شمع رو جب کہ ترے گھر سے نکلتے ہم ہیں
شعلہ ساں تب کف افسوس سے ملتے ہیں ہم

نگہ مہر سے دیکھ اے بت بے مہر ذرا
مثل خورشید تپ عشق میں جلتے ہیں ہم

سادہ رو غیرت آئینہ ہے ہر جلوے
دیکھ سینے کی صفا کوئی کھٹکتے ہم ہیں

اثر زہر الم سے یہ نہیں آنسو سبز
مونگ چھاتی پہ ترے ہاتھ میں دلتے ہم ہیں

سنگ در ہیں کہ ترے در پہ قدم گاڑا ہے
سر تلک بھی تو نہیں درپے سے ٹلتے ہم ہیں

تو جدا لاکھ کرے ہم کو پر اے خانہ خراب
دیکھ جوں سایہ ترے ساتھ ہی چلتے ہم ہیں

اپنی آہ سحری بھی ہے عصائے پیری
دستگیری سے سدا جس کے سنبھلتے ہم ہیں

میٹھی باتیں کرو کچھ تلخ پہ دشنام نہ دو
زہر اب آپ اگلتے کر اگلتے ہم ہیں

لکھ چکے یہ تو غزل لیکن اسی بحر میں اب
قافیہ اور ظفر لکھتے بدلتے ہم ہیں

رخ نہیں سیدھا جو بس آپ کا پاتے ہم ہیں
تھام کر اپنا کلیجہ وہیں تھم جاتے ہم ہیں

جب تمہیں غیر کے گھر دیکھ کے آتے ہم ہیں
اسی باعث سے ترے گھر میں کم آتے ہم ہیں

ہاتھ کا پنکھہ ترا یہ یمنی ہوگا خجل
لخت دل دست مژہ میں جو دکھاتے ہم ہیں

پاؤگے گھوڑے پہ اب تو تو جہاں گرد ہوا
دیکھنا کوچے کی کیا خاک اڑاتے ہم ہیں

کام ہے تم سے جو دل کا لگانا بخدا
سنگ سے شیشہ دل دیکھ بھڑاتے ہم ہیں

شمع رو کانپے ہیں بو سے تری مثل پتنگ
رشتہ فکر سے اب غوطہ میں جاتے ہم ہیں

مثل خورشید اگر لاکھ لڑا تو آنکھیں
تجھ سے بے مہر کوئی آنکھ چراتے ہم ہیں

خاک یا کوڑی ہم خاک شفا جان کے بس
دیکھ جوں سرمہ اب آنکھوں سے لگاتے ہم ہیں

ترک شاہی کو کر اب طرز گدائی لے کر
کوڑی کوڑی کا سب اسباب لٹاتے ہم ہیں

جی میں کچھ ہوئے محبت نہیں اس کی خاطر
مفت میں جان و جگر اپنا گنواتے ہم ہیں

پھر کر منہ پہ غضب دیدہ و دانستہ مجھے
کہتے ہیں گے اسی باعث نہیں آتے ہم ہیں

چشم کیا خاک رکھیں اس سے ظفر ملنے کی
جب کبھی قصہ غم ان کو سناتے ہم ہیں

یہ ترے دنداں نہیں رنگ مسی میں چمکے ہیں
پارچہ الماس کے گھر میں جڑے نیلم کے ہیں

صبح آوے گا چمن میں کیا صبا وہ رشک گل
اوڑھنی وبر گل کی ڈوبی جو صبا شبنم کے ہیں

تن یہ گل خوردہ نہیں اپنا ہے اے رشک چمن
اس تن ہر زخم پر پھاہے لگے مرہم کے ہیں

اے خریدارو میں کیا ہی جنس ہوں لیکن کر آ
سب جلاتے آپ یاں مانند یہ ہیزم کے ہیں

مرد مان اشک و لخت دل کی کچھ جانی نہ طرز
لعل و گوہر سے بھلا قیمت میں یہ کیا کم کے ہیں

فرش قالیں پہ کہاں تھے گل انہوں کے ہم نشیں
سب یہ گل بوٹے بنائے میری چشم نم کے ہیں

تیغ سے قاتل تری کب زخم دل پر لگ سکے
ور میاں مارے ہوئے ہم ابرو نے پرخم کے ہیں

کب اٹھائے سے کسی کے آہ اٹھ سکتے ہیں ہم
تیرے سنگ آستاں بن بیٹھے کیا ہی جم کے ہیں

دیکھ کر لطف و کرم ہم پر تمہارے جان من
سارے اپنے آہ دشمن جان کے اور دم کے ہیں

فکر ہے یہ ہی مجھے کیوں کر بچیں گے ان دنوں
ہم چڑھے نظروں میں یاد آہ اک عالم کے ہیں

ہر کسی کو دل نہ اپنا اے ظفر دے کے گنوا
کون ہے اپنا یہاں جتنے ہیں جیتے دم کے ہیں

تجھ سے کب آنکھ ملے ہے وہ ستمگر مژگاں
دمبدم دل پہ لگاتی ہے یہ خنجر مژگاں

چنگل باز سے کب ہے تری کمتر مژگاں
طائر دل کو اچک لے گی یہ کافر مژگاں

خار سے کھٹکے ہیں جو سینہ میں اکثر مژگاں
دور ہوں آہ وہ دل سے مرے کیوں کر مژگاں

قطرہ اشک نہیں جھاڑے ہے گوہر مژگاں
رگ یکساں سے مرے کیوں نہ ہو ہمسر مژگاں

روبرو آنکھوں کے یہ لخت جگر کی دولت
بن گئی سنتے چراغاں کی ہے یکسر مژگاں

منہ سے کیا آئینہ کا ہووے جو تک سینہ سپر
ناوک اندازی نے توڑا اے مرے چتر مژگاں

پانی مانگے نہ الٹ وہ کبھی پھر کر اس دم
مارے جس کی یہ رگ جان پہ نشتر مژگاں

ٹکڑے کردے ہے بس اکدم میں ہزاروں دل کے
شیر کے بال سے کیا کم ہے یہ دلبر مژگاں

کووک اشک کو آنکھوں میں بٹھا کر مردم
بادکش جھلتی ہے دامن کا بنا کر مژگاں

بندھ رہا تار یہ اشکوں کا نہیں چشموں سے
صفحہ دل پہ مرے کرتی ہے مسطر مژگاں

مرغ جاں تھمیں نہ کس طرح ظفر سنتے ہی
مارے اب تیر جو وہ دل پہ سراسر مژگاں

داغ دل ہی کیا فقط ہے یہ چراغ آتشیں
سینہ سوزاں بھی ہے اپنا اجاغ آتشیں

سرکشی کرتی ہے کیا پروانہ جاں سوز سے
شمع سوزاں کا فلک پر ہے دماغ آتشیں

دل نے بھی عاشق ہو میرے سینہ پر داغ میں
جو خلیل اللہ دیکھی سیر باغ آتشیں

کیوں نہ گلشن میں کریں مے نوش نافرمانیاں
ہاتھ میں لالا کے ہے ساقی لیاغ آتشیں

لالہ خود رو کہاں ہے دامن کہسار میں
کوہکن کے آتش غم سے ہے داغ آتشیں

کون پاکتا تھا میرے اس دل شگفتہ کو
آہ سے پایاظفر لیکن سراغ آتشیں

مہ و خورشید نے واجب سے فلک کی آنکھیں
سامنے ان کے نہیں آج تلک کیں آنکھیں

یاد میں اس ترے حسن شکیں کی ہم نے
کثرت رشک سے ہیں کان نمک کیں آنکھیں

حلقہ ناف ترا دیکھ کے پریوں نے نثار
اپنی اے غیرت صدر حور و ملک کیں آنکھیں

شب کو ہے ماہ جبین انجم افلاک کے بند
دیکھتے ہی ترے دنداں کی چمک کیں آنکھیں

اس کا یہ آنکھ چرانا نہیں بے جا بے ظفر
ہم سے رکھتے ہیں وہ بے شبہ و شک کیں آنکھیں

ہیں لخت جگر پنجہ مژگان کے بس میں
یا سرخ لڑانے کو یہ چھوڑے ہیں قفس میں

صیاد مرا رکھ دے قفس جا کے چمن میں
بیتاب ہوں نظارہ گلشن کی ہوس میں

ایسا بھی تو میں مورد تقصیر نہیں ہوں!
کیوں گالیاں دیتے ہو مجھے بیٹھ کے دس میں

پروانہ صفت کیونکہ جلے شمع کے اب گرد
کب اس طرح جل جانے کی طاقت ہے مگس میں

مجنوں کی طرح ناقہ لیلا ہی نہ جاتا
تاثیر نہ ہوتی اگر آواز جرس میں

کیا کیجے دلا سیراب اس بحرجہاں کی
ہستی ہے ہوا مثل حبابا ایک نفس میں

جانے ہے ظفر وعدہ خلافی کو تمہاری
بے فائدہ جھوٹی عبث اب کھاتے ہو قسمیں

کہوں کیا عالم ہستی میں منہ سے جھاگ جاتے ہیں
کبھی سوتے ہیں مخموری میں گاہے جاگ جاتے ہیں

نہیں شکوہ کچھ ان سے ہے ہمارے بخت کی خوبی
ہمیں جب دیکھتے ہیں وہ تو گھر میں بھاگ جاتے ہیں

شرارت کیا کہوں ان کی کہ میرے خرمن دل میں
سدا برق تبسم سے لگا کر آگ جاتے ہیں

نہ ہو پامال اب کیوں کر بھلا یاروں دل عاشق
سمند ناز کی اپنے وہ چھوڑے باگ جاتے ہیں

نہ دھڑکا دزدکا ان کو نہ کچھ خطرہ ہے رہزن کا
عدم کے جانے والے دیکھو کیا بیباک جاتے ہیں

ترا کیوں کر خیال اب دل سے اے مطرب پسر جاوے
جب آتے ہیں نیا سنتے ہوئے اک راگ جاتے ہیں

گلی اس طفل ہولی باز کی کیا برج سے کم ہے
جو عاشق کھیلنے ہر رنگ سے واں پھاگ جاتے ہیں

قدم کس منہ سے راہ عشق میں واں بوالہوس رکھے
ظفر اس جا تو قیس و کوہکن سے دھاگ جاتے ہیں

یاد کیا تم نے کیا شب اپنے گھر میرے تئیں
ہچکیاں آتی رہیں یاں تاسحر میرے تئیں

کیوں رلاتے ہنس کے ہو تم اس قدر میرے تئیں
آبرو ہے آپ کی مدنظر میرے تئیں

واہ ساقی ازل ساغر میں تونے بھر دیا
بادہ ناب اس کو ور خون جگر میرے تئیں

خط کو پشت لب دہن کی دیکھ کرکہتا ہے دل
مل گئے کوثر پہ دیکھو اب خضر میرے تئیں

کشتی دل کا خدا حافظ کہ اب نکلے ہی آہ
چین پیشانی تر موج خطر میرے تئیں

اب کہاں سے طاق پہ واز تا بام قفس
کردیا صیاد نے بے بال و پر میرے تئیں

اس ہجوم خال کا دل سے نہ جاوے گا خیال
دو اڑایا روت کے تو دو کہیں گر میرے تئیں

ہے کہاں اشک مسلسل عشق کی سرکار سے
یہ ملے خلعت میں ہیں سلک گہر میرے تئیں

کردیا خانہ خراب اس خانہ دل کا مرے
خاک تجھ سے چشم وہا اے چشم تر میرے تئیں

اس کے کوچے کا تو رستہ دل میں ہے کہتے ہیں لوگ
لے چلی ہے بے خود تو اب دگر میرے تئیں

زند گانی کی حلاوت تب اٹھے گی اے ظفر
ایک بوسہ دے اگر وہ لب شکر میرے تئیں

رکھے ہے مجھ کو یوں زیرفلک تقدیر چکر میں
کہ فانوس خیال میں جوں تصویر چکر میں

کہیں دیکھا ہے شاید اس نے تیری ناف کا حلقہ
بھنور کی طرح جو ہے عاشق دلگیر چکر میں

سمجھ کر مہر تاج زر سرا اس کا تو قلم کرتا
کہ تھا رانجھا بھی تیرے واسطے اے ہیر چکر میں

بیاباں گرد تھا تنہا نہ مجنوں عشق لیلا میں
کہ پروانہ ہے گرد شمع اے گلگیر چکر میں

رہے ہے روز شب گردوں پہ تیرے حسن کے آگے
مہ تابندہ خورشید پہ تنویر چکر میں

بگولا یہ نہیں صحرائے وحشت میں ہے اے یارو
رکھے ہے خاک میری عشق دامنگیر چکر

کروں گر نالہ و افغان ظفر میں تو اسی دم یاں
حباب آسا ہو کاخ چرخ کی تعمیر چکر میں

ہم شکل ابر روتے یا چشم زار میں
گالیوں کی وہ ہمیں دیتے وہاں بوچھار ہیں

رخ پہ زلفت عنبریں کے کب سرا سرہار ہیں
خرمن گل پہ بٹھائے تونے کالے مار ہیں

ایک تو دست جنوں سے تھا گریباں تار تار
دوسرے دامن کشاں صحرا کے یکسر خار ہیں

پھونک دوں آتش فلک پہ شرط ہے طبع رسا
آہ کے شعلے مرے جوں برق آتش بار ہیں

حق ہے کیا منصور کی تھی دار پہ سرفرازی سندگی
اشک مژگاں پہ مرے منصور سے سردار ہیں

زلف وخال و خط سے اس کے کیونکہ دل اپنا بچے
چور اس جنس گراں کے اب بھی دو چار ہیں

اور جلدی سے ظفر لکھو غزل رنگیں تم
ہے زمیں خاصی شگفتہ قافیے بسیار ہیں

وائے قسمت ملتے ہیں ملنے کے کیا آثار ہیں
وہ ہیں اپنے گھر میں بیٹھے ہم پس دیوار ہیں

ہاتھ میں کھینچے ہوئے وہ اپنی واں تلوار میں
سر کے دینے کو یہاں ہم دمبدم تیار ہیں

خوف انہوں کا ہے ان کو ہم کو بیگانوں کا ڈر
مل سکیں کیونکر کہ وہ مجبور ہم لاچار ہیں

کیا مصیبت ہے بھلا کیونکر نہ روئیں زار زار
ہم سے وہ بیزار ہیں اور ہم انہوں پہ زار ہیں

لے خبر للہ جا کر اب تو ان کی اے صنم
آج مرتے ہیں ترے دو چار جو بیمار ہیں

لخت دل اور اشک کب جھڑتے ہیں آنکھوں سے مرے
لعل کے ٹکڑے ہیں یہ اور وہ در شہوار ہیں

ہم نے کیا تقصیر کی ہے کیا گناہ سرزد ہوا
گالیاں کیوں آپ دیتے اب ہمیں ہر بار ہیں

ہم تو ان کو چاہتے ہیں جان و دل سے عاشقیں
ہم کو وہ چاہیں نہ چاہیں اس کے وہ مختار ہیں

دیکھیے آویں نہ آویں ہم کو کیا معلوم ہے
لیک آنے کا ظفر وہ کر گئے اقرار ہیں

ہجر کے ہاتھ سے اب خاک پڑے جینے میں
درد اک اور اٹھا آہ نیا سینے میں

خون دل پینے سے جو کچھ ہے حلاوت ہم کو
یہ مزا اور کسی کو نہیں مے پینے میں

دل کو کس شکل سے اپنے نہ مصفا رکھوں
جلوہ گر یار کی صورت ہے اس آئینے میں

اشک و لخت جگر آنکھوں میں نہیں ہیں میرے
ہیں بھرے لعل و گہر عشق کے گنجینے میں

شکل آئینہ ظفر سے تو نہ رکھ دل میں خیال
کچھ مزا بھی ہے بھلا جان میری لینے میں

موج دریا سے نہ ہو کس وجہ ہمسر آستیں
روز شب رہتی ہے میری چشم تر پہ آستیں

سرو ہمسر ہو سکے ہے تیرے قد دلجو سے کیا
کیا چڑھاتا ہے تو اے رشک صنوبر آستیں

موج طوفاں خیز اس کو دیکھ کو کہتی ہے خلق
اس نے پہنی ہے قبا کی اپنی چن کر آستیں

کیا بنے یہ دیدہ تر اپنے ہم چشم حباب
موج دریا بن گئی اب اے ستمگر آستیں

روز شب اشکوں کی دولت سیر چشمے کی عیاں
چشم تر بھر رہی ہے اکرو چادر آستیں

خار صحرا نے اڑائیں دھجیاں دامن کی کا
چاک ہے دست جنوں سے بھی سراسر آستیں

یہ بھنور خورشید سے ہے کار چوبی دیکھ لو
بن گئی ہے موج دریا کی مشجرا آستیں

دوسری لکھو غزل تم اے ظفر نازک چمن
چھو سکے تری نہ یہ خوف خطر گر آستیں

دیدہ تر کو جو پونچھا میں نے رکھ کر آستیں
بن گئے تکمہ حباب اور موج یکسر آستیں

آستیں کو کون تیری چھو سکے اے جامہ زیب
مار پیچاں کی ہے صورت ہر شکن پر آستیں

چمکے ہے ساعد پہ تیرے جوں ثریا تو رتن
تیری رشک کہکشاں ہے ماہ پیکر آستیں

اشک اپنا بھی کوئی اے مرد ماں طوفان ہے
چھوڑتا ہرگز نہیں یہ طفل ابتر آستیں

پھر نہ عالم میں کہیں یک دست طوفان ہو بپا
اسلئے رکھتا ہوں یارو چشم تر پر آستیں

تیغ کو تکتے ہیں اس دم اس کے جانباز ان عشق
جب الٹتا کہہ کے ہے اللہ اکبر آستیں

دید سے آئینہ روئی رہ گیا اے مردماں
چشم تر پہ بن گئی سد سکندر آستیں

مجھ کو یہ ڈر ہے مبادا کو دامن گیر ہو
خوں سے آلودہ ہے تیری اے ستمگر آستیں

ابر نیساں کیوں نہ خجلت سے پانی اے ظفر
طرفہ تیرے کلک کی جھاڑے ہے گوہر آستیں

گر قلم تو لے دم تحریر سیدھے ہاتھ میں
یک قلم گل گاؤں میں تصویر سیدھے ہاتھ میں

طائر دل دوں ہوں تجھ کو پر کہیں جائے نہ چھوٹ
تھام تو مضبوط یہ نخچیر سیدھے ہاتھ میں

نائب مجنوں ہوں میں دوستوں بہر شگون
لے کے پہناؤ مجھے زنجیر سیدھے ہاتھ میں

اے ترے قربان کو ذبح کرتا ہے اگر
لے چھری پڑھ کر ابھی تکبیر سیدھے ہاتھ میں

دست چپ ہی میں نا ہیں چوری غضب میں نے کی کچھ
ہے چرائی یہ تری تصویر سیدھے ہاتھ میں

پاؤں بایاں چوم لے مانی ترا نقشہ اگر
کھینچے گر لے کر قلم تصویر سیدھے ہاتھ میں

دے نشانی اب تو چھلا اپنے سیدھے ہاتھ کا
کھائے گل رانجھا بھی تا اے ہیر سیدھے ہاتھ میں

کچھ ہوئے طالع مرے سیدھے جو خط اس نے لکھا
کہہ کے بسم اللہ بے تاخیر سیدھے ہاتھ میں

دے خلال اس کو ظفر بازی کا کیوں کرتا ہے سوچ
دست چپ ہیں ہے وزیر اور میر سیدھے ہاتھ میں

ایک تو مہندی کی ہے تحریر دونوں پاؤں میں
دوسرے ہے کفش بھی تصویر دونوں پاؤں میں

آ کے پابوسی کریں کیونکر نہ عشاقان تہند
ہے پدم تیرے بت بے پیر دونوں پاؤں میں

اشک یوں تار مژہ پر ہے رواں بے لخت دل
جوں چڑھے نٹ باندھ کر شمشیر دونوں پاؤں میں

قتل کر کے دل مرا قاتل کی پابوسی کو آہ
لوٹتا ہے صورت نخچیر دونوں پاؤں میں

سونے دیتے کی نہیں رانجھا کو پھر اس کی صدا
مت پہنچ خلخال زرا اے ہیر دونوں پاؤں میں

دشت گردی خاک کیجئے بعد مجنوں اے ظفر
مارے ہے خار بیاباں تیر دونوں پاؤں میں

ہوئی پھر آمد و رفت صبا کیا کوئے جاناں میں
گئی جو چھوٹنے بو عشق کی دست و بیاباں میں

کہاں ہے عکس سوئے زلف سیدھا خط جاناں میں
نشانی کے لئے سر خط دکھا کافر نے قرآں میں

نہیں ہلکا ہوا جیتا وہ سوئے سر سے ابرو پا
نکل کر سنبلہ سے آفتاب آیا ہے میزاں میں

بھرے گر آہ سوزاں عاشق گل خوردہ تن دل سے
تو ہو لک شاخ پیدا اور اس نخل چراغاں میں

نہ نکلے طوق قمری کے گلے گل خوردہ تن دل سے
وگرنہ سر سے تو سو ہاں کی صورت ہے گلستاں میں

کبھی جو چہرہ اپنا ادنی میں ہاتھ کی دیکھا
تو وہ مخمور سمجھا ماہ کنعاں چاہ کنعاں میں

حیات جاوداں کیونکر نہ ہو تیرے شہیدوں کی
بجھی قاتل تری تیغ تبسم آب حیواں میں

خدا جانے کیا کیا حال دل کا آتش غم نے
کہ ہے بوئے کباب سوختہ ہر آہ سوزاں میں

جہاں میں اے ظفر ہم جنس کا ہم جنس دشمن ہے
نکل کر شعلہ نے سے آگ لگتی ہے نیستاں میں